بچوں کے ڈرامے

دیانت از ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب۔ ایم۔اے، پی ایچ ڈی۔ اس ڈرامے میں بتایا گیا ہے کہ دیانت اچھی چیز ہے۔ اور دیانت دار بچہ اپنے والدین اور اساتذہ ہی میں محبوب ہوتا ہے۔ قیمت ۲ر

شریر لڑکا از ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ایم۔اے، پی ایچ، ڈی۔ ایک نتیجہ خیز ڈراما ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ شریر لڑکا بھی اچھا اور نیک طینت ہو سکتا ہے بشرطیکہ تربیت اچھی ہو۔ ۳ر

قوم پرست طالب علم از محمد عبدالغفار صاحب مدہولی۔ طلبا کے دل میں حب وطن اور ہندو مسلم اتحاد پیدا کرنے والا ڈراما ہے۔ دلچسپ اور سبق آموز۔ قیمت ۳ر

بچوں کا انصاف یہ ڈراما الف لیلہ کا ایک قصہ ہے جس میں بچوں نے خیانت کے مقدمے کا فیصلہ اس طرح کیا ہے کہ خلیفہ ہارون رشید بھی دنگ رہ گیا۔ یہ بچوں ہی کی زبان میں لکھا گیا ہے۔ قیمت ۳ر

اسکول کی زندگی از محمد عبدالغفار صاحب مدہولی۔ اس ڈرامے میں ہندوستانی مدارس کی زندگی بتائی گئی ہے۔ اچھے اور شریر طلبا کا بہت خوبی کے ساتھ مقابلہ کرکے اُن کے نتائج دکھلائے گئے ہیں۔ قیمت ۳ر

محنت از محمد عبدالغفار صاحب مدہولی۔ اس میں دکھایا گیا ہے کہ نا اہل کو روپیہ دیا جاتا ہے تو وہ کس طرح ضائع کر دیتا ہے اور دوسری طرف دکھایا گیا ہے کہ کس طرح ایک غریب لڑکا محنت و مشقت کرکے قوم کی خدمت کرتا ہے اور کامیاب زندگی بسر کرتا ہے۔ قیمت ۳ر

مکتبہ جامعہ
دہلی - نئی دہلی - لاہور - لکھنؤ

مسولینی
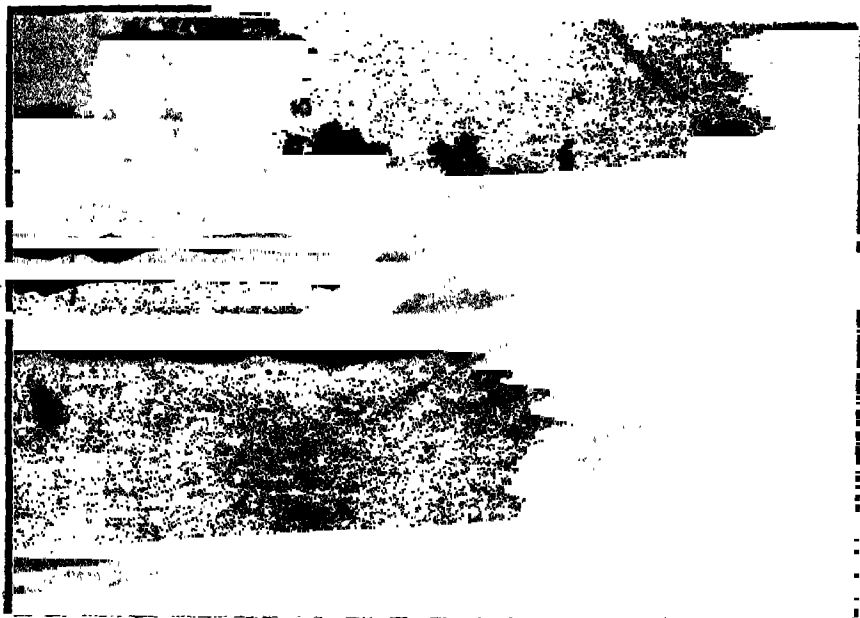
گنگا کی نہر کا ایک نظارہ
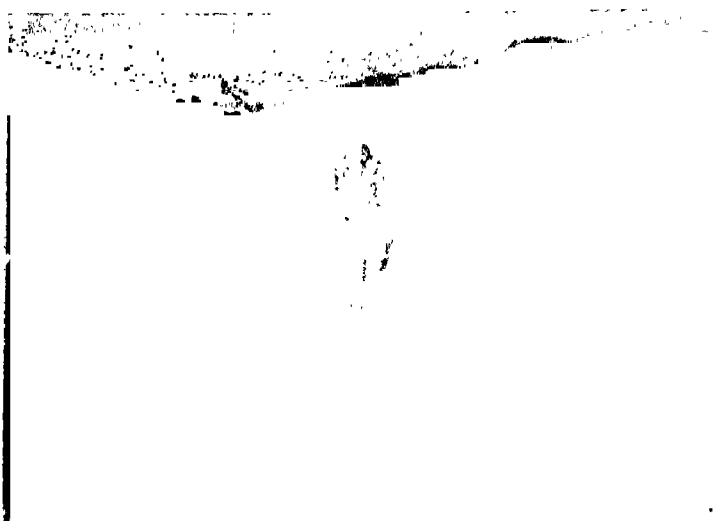
ہمالیہ کے پہاڑوں میں ایک اُبلتا ہوا چشمہ
(مرسلہ سید سعید الزمان)

پیام تعلیم - یوپی سی پی، برار، میسور، حیدرآباد
کے محکمہائے تعلیم کی طرف سے سرکاری طور پر منظور کیا گیا ہے نمبر

پیام تعلیم دہلی

ایڈیٹر: محمد حسین حسان

جلد ۲۲	جولائی سنہ ۱۹۳۹ء	نمبر ۷

پرنٹر و پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین، ایم اے، پی ایچ ڈی، جید برقی پریس دہلی۔

بچّوں سے باتیں

سب پیامیوں اور جامعہ کے ہمدردوں کو یہ سُن کر خوشی ہوگی کہ اعلیٰ حضرت حضور نظام کی حکومت نے جامعہ ملیہ کو ایک لاکھ روپئے کا عطیہ مرحمت فرمایا ہے۔

اس سے پہلے اعلیٰ حضرت کی طرف سے پچاس ہزار روپئے یکمشت اور ایک ہزار روپئے ماہوار کی منظوری صادر ہوئی تھی۔ جامعہ نگر اوکھلا کی عمارت اسی عطیہ کی یادگار ہے۔ لیکن یہ عمارت جامعہ کی ضرورتوں کے لئے کافی نہ تھی اور جامعہ کا صرف ابتدائی حصہ ہاں منتقل ہوسکا تھا موجودہ عطیے سے اوکھلے کی عمارتوں کا دوسرا حصہ مکمل ہو جائے گا۔ اُمید ہے کہ اعلیٰ حضرت کی ان شاہانہ نوازشوں کا سلسلہ آیندہ بھی جاری رہے گا۔

مخدوم و محترم جناب ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب شیخ الجامعہ سے سب پیامی اچھی طرح واقف ہوں گے۔ موصوف باوجود مصروفیت کے پیام تعلیم کو اپنے مفید مشورں اور اچھے اچھے مضمونوں سے اکثر نوازتے رہتے ہیں۔ کچھ عرصے سے بہت زیادہ محنت اور کام کا ان کی تندرستی پر بہت خراب اثر پڑ رہا تھا۔ آنکھوں میں تکلیف خاص طور سے بڑھ رہی تھی۔ کئی دفعہ آپریشن بھی ہوا۔ اب ڈاکٹروں کی ہدایت پر آپ یورپ تشریف لے گئے ہیں۔ آپ نے وعدہ کیا ہے کہ یورپ سے پیام تعلیم کے لئے بہت اچھی اچھی چیزیں بھیجیں گے۔ خدا کرے آپ وہاں سے خوب تندرست ہوکر آئیں اور تمھارے پیام تعلیم کے لئے اچھی اچھی تصویریں اور اچھے اچھے مضمون لائیں۔ آمین!

اس پرچے میں محترم بھائی ڈاکٹر محمود حسین خاں صاحب کا ایک مضمون مسولینی پر شائع ہو رہا ہے۔ کئی برس ہوئے موصوف نے دنیا کے بڑے بڑے لوگوں کے حالات لکھنے کا وعدہ کیا تھا یہ وعدہ اب پورا ہو رہا ہے۔ مضمون کا دوسرا حصہ انشاء اللہ اگلے پرچے میں چھپے گا۔

سالگرہ نمبر کے بارے میں بہت کم بچوں نے اپنی رائیں بھیجی ہیں۔ آپا جان کے مضمون کی کہانی بھی بس دو تین ہی بچوں نے لکھی ہے۔ اسی طرح کیمرے کی تصویریں بھی اب کے بہت کم آئی ہیں۔ شاید گرمی کی وجہ سے کوئی کام کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ کیا بات ہے؟ آپا جان شکایت کر رہی تھیں اور اب تو موسم بھی خوشگوار ہوگیا ہے۔

ٹکٹوں کے کلب پر پچھلے پرچے میں ایک مضمون چھپا تھا۔ آغا امام رفیق احمد خان شملہ سے معلوم ہوا کہ وہ اس سے پہلے ٹکٹوں کا کلب قائم کر چکے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ ان دونوں پیامیوں کا مقصد بچوں میں اس مفید مشغلے سے دلچسپی پیدا کرنا ہوگا اور بس۔

منیجر صاحب کو شکایت ہے کہ بچے پرچہ نہ پہنچنے کی اطلاع اکثر بہت دیر میں دیتے ہیں اور ان کے لئے پرچہ فراہم کرنا مشکل ہو جاتا ہے اب انھوں نے اعلان کیا ہے کہ رسالہ نہ پہنچنے کی اطلاع زیادہ سے زیادہ دس تاریخ تک آجانا چاہئے۔ اس تاریخ کے بعد پرچہ موجود بھی ہوگا تو قیمتاً ملے گا۔

آندھی

احسن عثمانی

وہ اک سمت سے دیکھو آندھی چلی
ہماری طرف تیز بڑھنے لگی

غبار آسمان پر اُڑاتی ہوئی
چلی آتی ہے سنسناتی ہوئی

ہواؤں کا طوفان لاتی ہوئی
ہر اک سمت اُودھم مچاتی ہوئی

فضاؤں میں اک شور کرتی ہوئی
گذرتی ہوئی زور کرتی ہوئی

درختوں کو جڑ سے ہلاتی ہوئی
مکانوں کے چھپّر گراتی ہوئی

کہیں ٹین کو کھڑکھڑاتی ہوئی
کہیں شامیانے گراتی ہوئی

درختوں کی شاخوں سے لڑتی ہوئی
ہلاتی، گراتی، اکڑتی، ہوئی

زبانوں سے توبہ بلاتی ہوئی
ہنساتی ہوئی اور رُلاتی ہوئی

یہ آندھی ہے یا غول جنات کا
جو لاتی ہے سامان آفات کا

ننھا ٹٹو

خورشید سلطانہ دہلی

جمیل کی عمر کوئی چھ سال کی ہوگی۔ اُسے اپنی امّاں جان اچھی لگتی تھیں اور اپنے ابّا جان بھی۔ پر جمیل کہنا نہ مانتا تو اُن کو بُرا لگتا۔ کبھی کبھی جمیل اچھے لڑکوں کے سے کام نہ کرتا تھا۔

جمیل کے گھر کے سامنے والی گلی کے کونے پر ایک چھپّر تھا۔ اس کے نیچے ایک بکرا رہتا تھا۔ اس کا نام ننّو تھا۔ بلّو بکری بھی اُسی چھپّر میں رہتی تھی۔

ننّو بکرے اور بلّو بکری کا ایک چھوٹا سا بچہ تھا۔ اُس کا نام ننھا ٹٹّو تھا۔ ننّو اور بلّو کو ننھا ٹٹّو ایسا اچھا لگتا تھا جیسے جمیل کے ماں باپ کو جمیل۔

ننّو بکرا اور بلّو بکری چھپّر کے نیچے بندھے ہوئے تھے لیکن ننھا ٹٹّو ہمیشہ کھُلا رہتا تھا۔ وہ اپنے ماں باپ کے پاس رہتا تھا۔ اور تھوڑی دیر کے لئے اِدھر اُدھر گھوم آتا تھا۔

ایک دن جمیل نے کہا "میں ننّھے ٹٹّو کے پاس جاؤں گا۔ اور اُس کو ماروں گا۔ میں اس کو خوب ماروں گا۔ اس نے ایک دن میرے ٹکّر ماری تھی۔"

جب جمیل چھپّر کے اندر گیا تو ننّو بکرے نے ٹکّر ماری اور اس کو پیچھے ہٹا دیا۔ جمیل نے سعید سے کہا "جب ہم گھر جائیں گے تو میں گلی کے کونے پر چھپّر کے پاس جاؤں گا اور

ننھے ٹٹو کو ماروں گا۔ میں ننھے ٹٹو کو خوب ماروں گا

سعید:۔ نتو بکرا تمہارے ٹکر مارے گا۔ اب بھی جب تم چھپر کے اندر گئے تھے تو اس نے تمہاری خبر لی تھی۔

دینا۔ اگر تم ننھے ٹٹو کو مارو گے تو اس کو بہت غصہ آئے گا۔

جمیل:۔ نتو بکرا تو بندھا ہوا ہے۔ بلو بکری بھی بندھی ہوئی ہے اور ننھا ٹٹو یوں ہی پھر رہا ہے۔
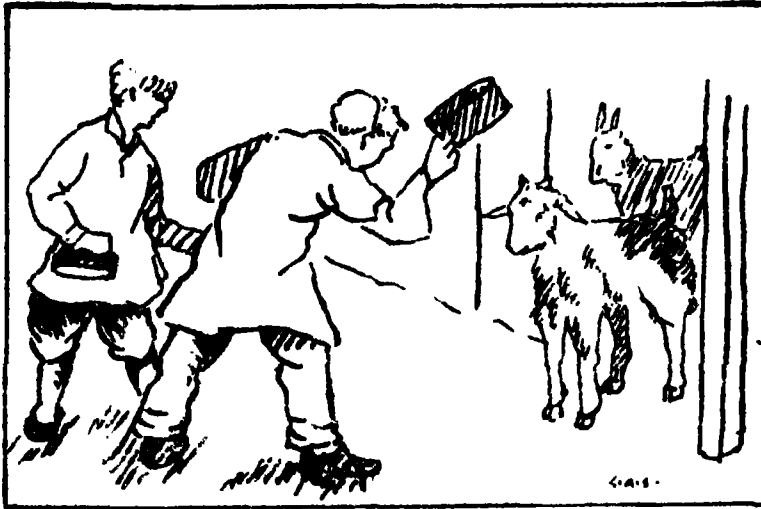
جمیل:۔ میں چھپر کے اندر نہیں جاؤں گا۔ ننھا ٹٹو کبھی کبھی دھوپ کھانے باہر نکل آتا ہے۔ جب وہ باہر ہوگا تب میں اسے ماروں گا۔

سعید:۔ نتو بکرے کو اپنے پاس مت آنے

ایک دن دونوں گھر جا رہے تھے انہوں نے گلی میں چھپر کے نیچے ننھے ٹٹو کو دیکھا وہ دھوپ کھانے نکلا تھا۔ وہ ان سے ڈرتا نہیں تھا۔ اس لئے نہ تو بھاگ کر اپنی اماں کے پاس گیا اور نہ اپنے ابا کے پاس گیا۔

جمیل، "دیکھو میں اب ننھے ٹٹو کو مارتا ہوں"
سعید، "جمیل تم کیسے برے لڑکے ہو؟"
جمیل نے اپنی ٹوپی اتاری اور ننھے ٹٹو کی ناک پر ماری۔ وہ چیخنے لگا۔ نتو بکرے نے جمیل کو دیکھ لیا۔ وہ اپنا سر نیچا کر کے جمیل کی طرف تیزی سے دوڑا۔ لیکن وہ بندھا ہوا تھا بس اتنی دور دوڑا جتنی بڑی رسّی تھی۔ پھر بھی جمیل تک نہ پہنچ سکا اور جمیل دور بھاگ گیا۔ ننھا ٹٹو اپنی اماں کے پاس چھپر میں روتا ہوا گیا۔
نتو بکرے نے کہا "کیسا برا لڑکا ہے اگر میری رسّی بڑی ہو تو میں دور تک دوڑوں اور کسی دن اس کو پکڑ لوں۔"
بلّو بکری نے کہا "ہاں میں ایسا ہی کروں گا، اور اس کو خوب ماروں گا۔"
جب نتو بکرا اپنا سر نیچا کر کے جمیل کی طرف دوڑا تھا اور وہ بھاگ گیا تھا اس وقت رب صاحب گلی میں تھے اور یہ تماشا دیکھ رہے تھے۔

نتو رب صاحب کا بکرا تھا۔ بلّو بکری بھی اُن ہی کی تھی۔ اور ننھا ٹٹو بھی ان ہی کا تھا رب صاحب نے کہا "میں ابھی جاکر نتو بکرے کی رسّی لمبی کئے دیتا ہوں۔" رب صاحب چھپّر کے اندر گئے۔ اور نتو بکرے کے گلے کی رسّی لمبی کردی۔
دوسرے دن جمیل اور سعید وہاں آئے۔ دونوں ٹٹو کو مارنے کے لئے اس کے پاس گئے۔ دونوں نے مارنے کے لئے اپنی اپنی ٹوپیاں اپنے سر سے اُتاریں۔ مگر نتو بکرے کی رسّی لمبی تھی۔ وہ اپنا سر نیچا کر کے چھپر سے باہر دوڑا۔ اے لو۔ وہ ماری ٹکّر۔ جمیل اچھلا اور کیچڑ میں جاگرا ـــــ ایک اور ٹکّر ـــــ سعید بھی اچھلا اور کیچڑ میں جاگرا۔
جمیل اور سعید نے چلا کر کہا "نتو بکرا بُرا ہے۔ وہ بہت برا ہے۔"
جمیل نے کہا "میرے سر میں چوٹ

لگ گئی، اور میری آنکھ میں مٹی پڑ گئی۔ میں
ننو بکرے کو ماروں گا۔"
سعید نے کہا "میں بھی ماروں گا۔"
لیکن ننو بکرے نے پھر اپنا سر نیچے جھکا لیا
جیسے وہ کہتا ہو۔ اگر تم مجھے مارو گے تو میں

کیوں ہو؟
جمیل نے کہا "ننو بکرے نے میرے
ٹکر ماری اور میں کیچڑ میں جا گرا۔ میرے سر
میں چوٹ لگ گئی اور میری آنکھوں میں مٹی
گر گئی۔

بھی تمھیں کیچڑ میں ڈھکیل دوں گا
وہ دونوں مُنہ بسورتے ہوئے
گلی میں بھاگ گئے۔ دوسری طرف سے
رب صاحب آرہے تھے۔
انھوں نے کہا "میرے بچّو! تم روتے

سعید :۔ میرے پاؤں میں بھی چوٹ لگ گئی
وہ بہت بُرا بکرا ہے۔
رب صاحب :۔ وہ تو برا نہیں ہے۔ تم
نے کچھ کیا ہوگا۔
جمیل :۔ میں ننھے ٹٹو کو اپنی ٹوپی سے مارنے

گیا تھا۔

رب صاحب :- میں خوش ہوں کہ تم نے سچ بات کہہ دی ۔ ننّو بکرا ننھے ٹٹّو کا باپ ہے اور اس کو اپنے بچّے کا خیال رکھنا چاہیئے ۔ میں تمھارے منہ ہاتھ صاف کر دیتا ہوں ۔ اور پھر ہم ننّو اور بلّو کو دانہ کھِلائیں گے ۔

سعید :- نہیں اگر ہم وہاں جائیں گے تو ننّو بکرا ہمارے ٹکّر مارے گا ۔

رب صاحب :- جب میں تمھارے ساتھ ہوں گا تو وہ ٹکّر نہیں مارے گا ۔ تم اس کو دانہ کھلاؤ گے تو وہ تمھارے ہاتھ سے دانہ کھائے گا ۔

جمیل :- میں اس کو دانہ کھلاؤں گا ۔ مجھے مرغیوں کو بھی دانہ کھلانا اچھا لگتا ہے اور وہ میرے ہاتھ سے دانہ روز کھاتی ہیں ۔

رب صاحب :- کیا تم اپنی مرغیوں کو مارتے بھی ہو ؟

جمیل :- ہم تو مرغیوں کو نہیں مارتے ۔ لیکن وہ بھی تو ہمارے ٹکّر نہیں مارتیں ۔

رب صاحب :- ننّو بھی تمھارے ٹکّر نہیں مارے گا ۔ اگر تم اس کو ، بلّو کو یا اُن کے ننھے ٹٹّو کو نہیں مارو گے ۔ اگر کوئی شریر لڑکا تمھیں مارے تو تمھارے ابّا اُس کو ماریں گے ۔ ایسے ہی اگر کوئی ٹٹّو کو مارے گا تو ننّو بکرے کو غصّہ آئے گا ۔

جمیل :- میں بھی ننّو بکرے کے بچّے ننھے ٹٹّو کو نہیں ماروں گا ۔

وہ سب چھپّر میں گئے اور رب صاحب نے ایک بڑے مٹکے سے بہت سا دانہ نکالا ننّو بکرے اور بلّو بکری نے اُن کے ہاتھ سے خوب دانہ کھایا ۔ پھر جمیل نے اپنے ہاتھ سے

نتّو بکرے کو اور سعید نے بلّو بکری کو دانہ کھلایا۔

رب صاحب نے ننھّے ٹٹّو کو اپنی

گود میں لے لیا۔ ننھا ٹٹّو اُن کا ہاتھ چاٹنے لگا۔ سعید نے کہا "اوہو! میری مانو بلّی بھی ایسے ہی ہاتھ چاٹتی ہے۔ ننھا ٹٹّو بھی میرا ہاتھ چاٹے گا۔"

رب صاحب نے ٹٹّو کو سعید اور جمیل کے پاس کھڑا کر دیا۔ ننھا ٹٹّو اپنی اماں کے پاس بھاگ گیا اور اس کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ سعید اور جمیل نے کہا "رب صاحب اب ہم اپنے ننھّے ٹٹّو کو نہیں ماریں گے۔"

میاں مٹھو :۔ یہ مزے دار کہانی جناب مولوی شفیع الدین صاحب نیر نے بہت دلچسپ انداز میں لکھی ہے۔ طوطے کا ایک شریر بچہ اپنے باپ کی نصیحت کے خلاف چوری کرتا ہے اور پھر اپنے کئے کی سزا پاتا ہے۔ کہانی کی زبان بہت آسان اور سادہ ہے۔ نیر صاحب نظم کی طرح نثر بھی بہت اچھی لکھتے ہیں یہ کل بتیس صفحے کی کتاب ہے۔ لکھائی، چھپائی اچھی۔ جگہ جگہ تصویریں قیمت ۲ر

ملنے کا پتہ :۔ چلڈرنس لٹریچر ہاؤس قرول باغ، نئی دہلی۔

چندا ماموں

احسن عثمانی

آجا چندا ماموں آجا | آکر میرا جی بہلا جا
میٹھے میٹھے گیت سنا جا
آجا چندا ماموں آجا

کیسی اچھی تیری صورت | جیسے چاندی کی ہو مورت
میرے دل کو تیری ضرورت
آجا چندا ماموں آجا

ہاتھ بڑھاتا ہوں میں اوپر | تجھ کو اپنا ماموں کہہ کر
آجا میری بولی سُن کر
آجا چندا ماموں آجا

گودی میں تاروں کو لے آ | ساتھ میں ان پیاروں کو لے آ
جگنو کے یاروں کو لے آ
آجا چندا ماموں آجا

جب میں تجھ کو یہاں پا جاؤں | اپنی گائے کا دودھ پلاؤں
تجھ سے اپنا جی بہلاؤں
آجا چندا ماموں آجا

گودی میں تالاب کی دیکھا | تجھ کو چمکتا اور چمکاتا
یوں ہی میرے پاس بھی آجا
آجا چندا ماموں آجا

رشید :۔ بھئی جلدی جلدی قدم اٹھاؤ۔ سورج سر پہ آگیا۔ جلدی سے گھر پہنچ جائیں۔

منیر :۔ میرا تو جیسے تیل نکلا جا رہا ہے چلو اس درخت کے سایے تلے ذرا دم لے لیں۔

رشید :۔ آہا، اس درخت کے نیچے تو تپش (گرمی)، بہت کم ہے۔

منیر :۔ مجھے بھی بڑا آرام معلوم ہونے لگا مگر اب چل دو۔ کہیں لوہ چلنے لگی تو اور مشکل ہو جائے گی۔

رشید :۔ ہاں بھئی گھر تو پہنچنا ہی ہے اُف۔ فوہ۔ کتنی تیز دھوپ ہے۔ سورج تو بالکل آگ ہو رہا ہے۔

منیر :۔ اور آپ کا کیا خیال تھا۔ برف کا ڈلا ہوگا!

رشید :۔ مگر دیکھو درخت کے سایے میں تپش کتنی کم ہوگئی تھی۔

منیر :۔ قاعدے کی بات ہے۔ سورج کے بیچ میں کوئی چیز آجائے تو گرمی کم ہو جاتی ہے۔ تمھارے گھر میں گرمی کیوں کم ہوتی ہے۔ اسی لئے نا کہ چھت چھپر یا کھپریل سورج کی گرمی کو روک لیتی ہے۔

رشید :۔ اور دیکھو سورج کے نیچے بادل

آجاتا ہے تو گرمی کتنی کم ہو جاتی ہے۔

منیر:۔ تم نے یہ بھی غور کیا کہ کبھی کبھی
بادل پورے آسمان پر چھائے ہوئے
نہیں ہوتے بلکہ اِدھر اُدھر بکھرے
ہوتے ہیں تو جہاں بادلوں کا سایہ
ہوتا ہے وہاں کی زمین ٹھنڈی ہوتی
ہے۔ اور جہاں دھوپ ہوتی ہے
وہاں کی زمین گرم ہوتی ہے۔

رشید:۔ ہاں، ہاں یہ تو میں نے بھی دیکھا
ہے۔ خیر شکر ہے گھر پہنچ گئے۔ باتوں
باتوں میں راستہ اچھی طرح کٹ گیا
مگر بھئی دلی کی گرمی سے خدا بچائے
میرا تو بدن جیسے جھلسا جا رہا تھا۔

منیر:۔ یہاں گرمی بہت پڑتی ہے۔ مگر
کہیں کہیں دلی سے بھی زیادہ پڑتی
ہے۔

رشید:۔ مثلاً؟

منیر:۔ مثلاً جیکب آباد، نوشہرا، ملتان
بھاول پور، اور کبھی کبھی الہ آباد،
لکھنؤ اور کانپور میں بھی۔

رشید:۔ اچھا! مگر یہ معلوم کیسے ہو جاتا ہے کہ
یہاں گرمی زیادہ ہے یہاں کم۔

منیر:۔ اخباروں میں روز لکھا ہوتا ہے۔ تم
اپنے ابا سے پوچھ لیا کرو۔

رشید:۔ اچھا آؤ یہاں کمرے میں بیٹھو۔
ذرا حواس ٹھیک ہوں۔ تم نے میری
بات کا جواب غلط دیا۔ شاید گرمی کا
اثر ہے۔ میں یہ پوچھ رہا ہوں کہ یہ
کس طرح معلوم کر لیتے ہیں کہ فلاں
جگہ اتنی گرمی ہے اور فلاں جگہ اتنی

منیر:۔ تھرمامیٹر سے۔

رشید:۔ تھرمامیٹر! یہ کیا چیز ہوتی ہے۔

منیر:۔ یہ ایک آلہ ہے جس سے معلوم ہوتا
رہتا ہے کہ اس وقت کتنی گرمی ہے
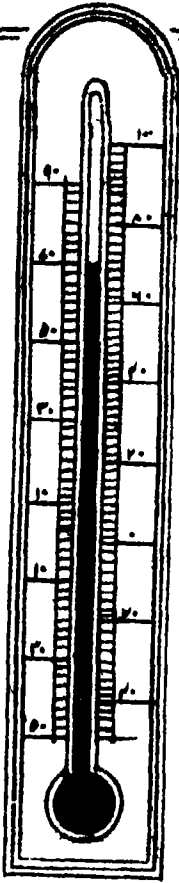
یا کتنی سردی ہے۔

رشید:- کیسا ہوتا ہے میں نے تو ابھی تک دیکھا نہیں۔

منیر:- میں نے بھی کتاب میں اس کا حال پڑھا تھا۔ اور تصویر دیکھی تھی کل ابّا بازار سے خوب صورت سا تھرمامیٹر خرید لائے اور انھوں نے اس کے بارے میں ہمیں بہت سی باتیں بتائیں۔

رشید:- واہ بھئی تم نے ہم سے ذکر ہی نہیں کیا۔ جلدی سے لے تو آؤ۔

منیر:- مجھے یاد نہیں رہا تھا مگر یہ اِدھر اُدھر لے جانے کی چیز نہیں ہے۔ ابّا نے اسے باہر کے دالان میں لگا دیا ہے چلو، دِکھاؤں۔

رشید:- اچھا یہ ہے! اچھا اور یہ نلکی میں سُرخ سُرخ پانی سا کیسا ہے؟

منیر:- یہ پانی نہیں پارا ہے۔ نلکی یا ٹیوب میں بھر کر اسے بند کر دیا گیا ہے۔ یہ ٹھنڈ میں سکڑ جاتا ہے اور گرمی میں پھیل جاتا ہے۔ اسی لئے جوں جوں گرمی بڑھتی ہے۔ پارا اوپر چڑھتا ہے اور جیسے جیسے جاڑا ہونے لگتا ہے پارا نیچے اُترنے لگتا ہے۔

رشید:- واہ بھئی اور ہندسے کیسے لکھے ہیں۔
منیر:- یہ نمبر یہ اندازہ کرنے کے لئے لکھے گئے ہیں کہ سردی یا گرمی اس وقت کتنی ڈگری پر ہے۔ اگر پارا ستّر کے ہندسے تک اوپر چڑھ جائے تو سمجھو کہ گرمی شروع ہوگئی۔ اس کے بعد جتنا اوپر چڑھتا جائے گا۔ گرمی بڑھتی جائے گی۔ نوے اور سو کے درمیان موسم بہت خوش گوار رہتا ہے۔ پھر پارا جتنا نیچے اترے گا۔ اتنی ہی زیادہ سردی ہوگی۔
رشید مرغوب:- یہ تو بہت اچھی چیز معلوم ہوئی۔
منیر:- اسی طرح کی ایک اور چیز ہے۔ اسے بیرومیٹر کہتے ہیں۔ مگر دونوں میں فرق یہ ہے کہ تھرمامیٹر میں پارا دونوں طرف سے بند کر دیتے ہیں۔ بیرومیٹر میں ایک طرف سے کھلا چھوڑ دیتے ہیں۔
رشید:- یہ کس کام آتا ہے؟
منیر:- اس سے موسم کا حال معلوم ہوتا ہے جیسے اس وقت آندھی آنے والی ہے۔ اس وقت بارش ہوگی وغیرہ وغیرہ
رشید:- یہ تم نے کہاں دیکھا؟
منیر:- بھیّا ایک دن اپنے کالج لے گئے تھے۔ وہاں سائنس کے کمرے میں اس طرح کی بہت سی چیزیں رکھی تھیں۔ کسی دن تم بھی چلنا۔
رشید:- مگر بھئی تم نے بیرومیٹر کا حال اچھی طرح نہیں بتایا۔ خیر۔ اب کھانے کا وقت آگیا ہے۔ پھر کبھی سہی ٭

جاپان کی پرانی تاریخ میں ایک سات سال کی عمر کے بچے کا نام بڑی عزت و ادب کے ساتھ لکھا ہوا ہے۔ اس لڑکے کا باپ اپنے ملک کے لوگوں کو ظالم حاکموں کے پنجوں سے چھڑانے کے لئے غریبوں کی ایک فوج تیار کر رہا تھا ایک دن شہر کے حاکم نے اس بچے کو بلوا کر آدمی کا تازہ کٹا ہوا سر اس کے سامنے ڈال کر کہا۔ "کیا یہ تمھارے باپ کا سر نہیں ہے ؟"۔ لڑکے نے اس سر کو بڑے ہی ادب سے سلام کیا۔ اور اپنی گود میں اٹھا لیا۔ اس حاکم نے لڑکے کے ہاتھ میں ایک تیز چھری دے کر کہا۔ "لو اس سے تم اپنے باپ کی ناک کاٹ لو"۔ مگر بچے نے چھری لے کر فوراً اپنے پیٹ میں گھونپ لی اور اپنی آنتیں باہر نکال دیں اس طرح بچے کے مر جانے سے حاکم بہت ہی خوش ہوا کہ :-

"سانپ رہا نہ سانپ کا بچہ"

پیارے بچو! تم کو یہ معلوم کرکے تعجب ہوگا کہ اس بچے کے سامنے جو کٹا ہوا سر ڈالا گیا تھا وہ اس کے باپ کا نہیں تھا اور وہ خوب جانتا تھا کہ یہ سر کسی دوسرے شخص کا ہے اور حاکم کو دھوکے میں رکھنے کے لئے کسی نے یہ چال چلی ہے۔

اُس لڑکے نے اس دھوکے کو اور مضبوط بنانے کے لیئے اس طرح اپنی جان دے دی۔

تھوڑے دنوں کے بعد جب ظالم لوگ اپنے دشمن کے مارے جانے کی خوشیاں منا رہے تھے اس لڑکے کے باپ نے اپنی فوج کی مدد سے ان ظالموں کو قید کرکے اپنے ملک کے غریبوں کو بے شمار تکلیفوں سے بچالیا۔

معمّا

۳		۲	■			۱
	■	■	۴	■	■	
		■		■	۶	
■					۸	■
۱۱	۱۰	■		■		۹
	■	■		■	■	
		۱۳	■			۱۲

اشارات

اوپر سے نیچے کی طرف

(۱) ہمارے ملک کے مشہور شاعر کا تخلص (۲) ایک خوب صورت پرندہ (۴) اس رسالے کو پڑھنے والے (۶) ہمارے سر میں ہوتے ہیں (۷) ہفتے کے دنوں میں سے ایک دن (۹) بعض وقت عقل مند انسان بھی دشمن کے ــــــ میں پھنس جاتا ہے۔ (۱۱) اس کے بغیر ہم ایک منٹ کے لئے زندہ نہیں رہ سکتے۔

دائیں سے بائیں

(۱) اگر مسٹر چیمبرلین بیچ میں نہ پڑتے تو یہ جنگ اکتوبر ۱۹۳۸ء سے ضرور شروع ہو جاتی (۲) یہ دے کر ہم کسی چیز کو خریدتے ہیں۔ (۵) یہ دن کے بعد آتی ہے (۷) ان کی مدد سے پرندے اڑتے ہیں۔ (۸) اس کو حاصل کرنے کے لئے ہندوستانیوں نے بہت سی قربانیاں کی ہیں (۹) پانی (۱۰) راستہ (۱۲) خون (۱۳) یہ کڑوی ہوتی ہے۔ بیمار لوگ اس کو پیتے ہیں۔

(از محمد نور کھنگھٹے، بمبئی)

کان میں درد ہے

رفیق :- اماں اماں آج تو میرے کان میں کل سے بھی زیادہ درد ہے اُف - فوہ ....

ماں :- اچھا اچھا ذرا ٹھہر جاؤ - تمہارے ابا تمھیں ابھی ابھی ڈاکٹر کے پاس لے چلتے ہیں -

شفیق :- رفیق ادھر آؤ - جلدی سے کپڑے پہن کر تیار ہو جاؤ - میں تمھیں ڈاکٹر ظفریاب کے پاس لئے چلتا ہوں

تھوڑی دیر میں تانگہ آیا اور دونوں باپ بیٹے ڈاکٹر صاحب کے مطب کو روانہ ہوگئے - ڈاکٹر صاحب رفیق کو دیکھتے ہی مسکرائے)

"آہا میاں رفیق آج تم یہاں کیسے نظر آرہے ہو - منہ پر بھی کچھ ہوائیاں اُڑ رہی ہیں - خیر تو ہے"

شفیق :- ڈاکٹر صاحب پرسوں سے اِن کے کان میں درد ہے - ان کی ماں نے کل گرم تیل بھی ڈالا مگر فائدہ نہیں ہوا اس لئے یہ آج آپ کے پاس حاضر ہوئے ہیں -

رفیق :- ڈاکٹر صاحب کان میں بہت درد ہے - رات بھر نیند نہیں آئی - ذرا دیکھ لیجئے -

ڈاکٹر صاحب :- ہاں ہاں ابھی دیکھتا ہوں۔ ذرا میرے پاس آجاؤ۔ ہاں اس کرسی پر بیٹھو۔ اوہو تمہارے کان میں تو بہت میل کچیل ہے۔ معلوم ہوتا ہے تم انھیں روز صاف نہیں کرتے۔ اسی لئے تمھیں یہ سزا ملی ہے۔ میں اسے صاف کرکے دوا ڈالے دیتا ہوں۔ یہ دوا اپنے ساتھ لیتے جاؤ۔ دو تین دفعہ ڈالنے سے درد جاتا رہے گا۔

رفیق :- اہا ڈاکٹر صاحب! مجھے تو ابھی سے درد کم معلوم ہونے لگا۔

ڈاکٹر صاحب :- میں نے اِسے صاف جو کر دیا ہے۔ اگر تم روز اپنے کانوں کی صفائی کا خیال رکھو تو یہ تکلیف کبھی نہ اٹھاؤ۔ اب تو صاف رکھو گے؟

رفیق :- ہاں ڈاکٹر صاحب اب تو مجھے سزا مل گئی ہے۔ اب روز صاف کیا کروں گا۔

ڈاکٹر صاحب :- دو ایک باتوں کا خیال اور رکھنا۔ کانوں کو دھوتے وقت صابن اندر نہ جانے پائے۔ اندر کا حصّہ بہت صاف اور نرم کپڑے سے صاف کرنا چاہیئے۔ دیا سلائی یا سینک وغیرہ سے کان کبھی نہ کریدو۔ کبھی کبھی تم زور سے ناک صاف کرتے ہو اس سے کانوں کو تکلیف پہنچتی ہے۔ آئندہ اس کا خیال رکھنا اور پہلے ناک کا بس ایک نتھنا صاف کرنا۔

رفیق :- بہت اچھا ڈاکٹر صاحب۔

ڈاکٹر صاحب :- اور اگر کان میں درد ہونے لگے تو فوراً کسی ڈاکٹر یا حکیم کے پاس جاؤ۔ دیکھو آنکھ اور ناک کی طرح کان

بھی تمھارے جسم کا بہت ضروری حصہ
ہیں۔ ان کے ذریعے تم بہت اچھی
اچھی باتیں سنتے ہو۔ یہ تمھیں خطرے سے
خبردار کرتے ہیں۔ فرض کرو۔ تم مدرسے
جارہے ہو اور پیچھے سے یکہ، تانگا
موٹر یا ٹرام آرہی ہے تو اگر تمھارے
کان ٹھیک نہ ہوں گے تو اُن کی
آواز کیسے سنو گے اور ان سے کیسے
بچو گے۔ تم صبح شام سیر کرنے جاتے ہو؟
رفیق:۔ جی ہاں اپنے ابا کے ساتھ جنگل کی
طرف ٹہلنے جاتا ہوں۔
ڈاکٹر صاحب:۔ تم نے جنگل میں خرگوش
ضرور دیکھے ہوں گے۔
رفیق:۔ جی ہاں دیکھے ہیں۔
ڈاکٹر صاحب:۔ تم نے دیکھا ہو گا کہ جب
یہ کوئی آہٹ سنتے ہیں تو چوکنے
ذرا کے ذرا بیٹھ جاتے ہیں اور کان
لگا کر سنتے ہیں کہ آواز دوبارا تو نہیں
آئی۔ اگر نہ آئی تب تو مطمئن ہو جاتے
ہیں کہ کوئی خطرہ نہیں ہے ورنہ ایک
دم بھاگ اٹھتے ہیں تو اگر ان کے
کان نہ ہوں تو تم جیسے بچے بھی انہیں
پکڑ لیں۔
رفیق:۔ ہاں ڈاکٹر صاحب میں انھیں پکڑنے
اکثر دوڑا ہوں مگر کبھی ہاتھ تو آئے نہیں
ڈاکٹر صاحب:۔ ہاں بس یہی سمجھ لو۔ تو
تم ان باتوں کا خیال رکھو گے؟
رفیق:۔ ضرور ڈاکٹر صاحب! اچھا اب
اجازت دیجیے، مجھے مدرسے بھی جانا ہے
ڈاکٹر صاحب:۔ جیتے رہو۔ خدا حافظ!

شکاری:- کیوں میاں لڑکے اِدھر کچھ شکار دکار بھی ہے۔
لڑکا:- جی ہاں بہت۔ وہ دیکھئے ماسٹر صاحب آ رہے ہیں۔

روم کے افسانے

(۲)

حکومت کے ممبروں (سینٹ) نے جو یہ رنگ دیکھا تو ہوش اُڑ گئے۔ گھبرا کر، مگر ڈرتے ڈرتے باہر آئے اور کہا "جو کچھ رعایا کہتی ہے وہی کیا جائے گا" پھر آدھا غلہ تو یوں ہی بانٹ دیا گیا اور آدھا سستے داموں بک گیا۔

اِس سے بہتوں کا جوش تو ٹھنڈا ہو گیا مگر بہت سے اب بھی بھرے ہوئے تھے اور چلا رہے تھے کہ کوریولانس خود سامنے آ کر سب باتوں کا جواب دے۔ کیوں کہ اس نے صرف رعایا کو غلے ہی سے محروم رکھنا نہیں چاہا تھا۔ بلکہ یہ بھی کہہ دیا تھا کہ اب کبھی رعایا کے طربیون سینٹ میں داخل نہ ہوں۔ ورنہ اُن کے ساتھ بُرا سلوک کیا جائے گا۔

اِدھر کوریولانس اپنے جوش میں جواب دینے کے لئے اتنا ہی بے تاب تھا جتنی کہ رعایا اُسے بلانے کے لئے لیکن جب وہ سامنے آیا تو بجائے اس کے کہ رعایا سے اپنی نامناسب تقریر کی معافی مانگتا۔ لگا رعایا کو بُرا بھلا کہنے اور "طربیونوں" کو گالیاں دینے۔ اب کیا تھا۔ چاروں طرف آگ لگ گئی اور صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

"طربیونوں" نے مارے غصے کے حکم دیا کہ کوریولانس کو سولی دے دی جائے۔ یہ حکم سنتے ہی حکومت کے رئیس بگڑ گئے اور بولے "خبردار! کوئی کوریولانس کو ہاتھ نہ لگائے!"

"طربیونوں" نے امن کو خطرے میں دیکھ کر موت کا حکم واپس لے لیا۔ مگر یہ کہا کہ اب انصاف رعایا کے ہاتھ ہے!"

کوریولانس کو دوبارہ رعایا کے سامنے پیش کیا گیا اس کے جرم سننے کے بعد رعایا نے اسے یہ سزا دی کہ اُسے جلا وطن کر دیا اور عام منادی کرا دی کہ آیندہ وہ کبھی روم میں داخل نہ ہو۔ حکومت کے ظالم ممبروں کو اس سزا کا بڑا رنج ہوا۔ مگر کوریولانس پر کچھ اثر نہ ہوا اس نے پُر غضب نگاہوں سے مجمع کو دیکھا اور سامنے سے ہٹ گیا۔

دوسرے دن غم و حسرت کے عالم میں وہ اپنی ماں سے جدا ہوا، پھر اپنی بیوی اور بچوں سے رخصت ہوکر ہمیشہ کے لئے روم کے دروازے کے باہر نکل گیا۔

اندھیری ڈراؤنی رات تھی۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ کبھی کبھی بجلی چمک کر اور بھی ہول پیدا کر دیتی تھی۔ والسیکا کے مشہور شہر انطیوم پر سناٹا چھایا ہوا تھا معلوم ہوتا تھا کہ ساری دنیا کی آفتیں آج اس شہر میں جمع ہو گئی ہیں۔ اسی تاریک رات میں ایک آدمی کالے کپڑے پہنے اور ایک کالی چادر سے اپنا منہ چھپائے آہستہ آہستہ سڑک سے گذر رہا تھا۔ جب سالار طولوس کا مکان آگیا تو وہ چپکے سے اس میں داخل ہو گیا۔ کسی والسیکانی کو خواب میں بھی خیال نہ تھا کہ یہ اجنبی ان کا جانی دشمن ہے یہ وہ ہے جس نے اُن کے ہاتھوں سے کوریولوئی کا شہر چھین لیا تھا اور جسے اس کی قوم والے آج بھی کورٹیولانس کہتے ہیں! اجنبی طولوس کے مکان میں پہنچ کر سیدھا آتش دان کے قریب پہنچا اور آگ کے سامنے بیٹھ گیا۔

وہ آگ کے قریب اس لئے جا بیٹھا تھا کہ ان دنوں آگ متبرک سمجھی جاتی تھی۔ اور جو کوئی آگ کے سامنے بیٹھ جاتا تو وہ چاہے کتنا ہی بڑا دشمن کیوں نہ ہوتا۔ کوئی اس پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتا تھا۔

طولوس اپنے کمرے میں کھانا کھا رہا تھا کہ نوکر نے آکر کہا کہ ایک اجنبی آگ کے پاس بیٹھا ہے اور اپنا منہ چھپائے ہے۔ طولوس سنتے ہی نیچے اُتر آیا اور جب کمرے میں داخل ہوا تو کورٹیولانس نے اپنا منہ کھول دیا۔ طولوس ٹھٹھک کر رہ گیا۔ دونوں ایک دوسرے کو چپ کھڑے دیکھتے رہے۔

کورٹیولانس بولا:-

طولوس! تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو کورٹیولانس تمہارا دشمن تھا اور آج تک تمہارے ملک والے اس کے نام سے کانپتے ہیں۔ کیونکہ اس نے تمہارے ہاتھوں سے کوریولوئی کا شہر چھین لیا تھا اور تم منہ دیکھتے رہ گئے تھے لیکن آج وہی کورٹیولانس تمہارے لئے ایک خوش خبری لایا ہے۔ کیونکہ اس کے وطن والے اس کے خلاف ہو گئے ہیں اس کے دوستوں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔ اور وہ آج تمہارے پاس اس لئے آیا ہے کہ ان تمام باتوں کا بدلا لے۔ اپنی فوج کو حکم دو کہ میرے ساتھ آئے اور روم تمہارا ہے۔ تم روم کے مالک ہو۔ روم والے اس منحوس دن کو یاد کیا کریں گے جس دن انھوں نے کورٹیولانس کو وہاں سے نکل جانے کا حکم دیا تھا۔ خاموش کھڑے کیا سوچ رہے ہو؟ کیا میری باتوں پر یقین نہیں آتا؟ یا اپنے دشمن پر اعتبار کرنے کو جی نہیں چاہتا؟ لیکن میں قسم کھاتا ہوں اپنے خداؤں کی جنھوں نے روم کو بنایا۔ کہ میں سچ کہہ رہا ہوں اور میرا ارادہ پکا ہے"

طولوس نے جو یہ سنا تو مارے خوشی کے دیوانہ ہو گیا فوراً فوج کو تیاری کا حکم دیا۔ دوسرے دن کورٹیولانس

ایک بڑی فوج کی سرداری کرتے ہوئے روم کی طرف بڑھ
رہا تھا۔ راستے میں جو گاؤں یا شہر پڑتا اُسے جلا دیتا۔ جو
جو مکان پڑتے انھیں آگ لگا دی جاتی۔ یہاں تک کہ روم کا
دروازہ دکھائی دینے لگا۔ اس نے روم سے کچھ فاصلے پر
پڑاؤ ڈال دیا۔

رومی اس قدر دہل گئے تھے کہ وہ اپنے خوفناک
دشمن سے مقابلہ کرنے کا خیال تک دل میں نہ لاتے تھے
اور بجائے اس کے کہ جنگ کی تیاریاں کرتے وہ کورٹیولانس
کے پرانے دوستوں کو اس کے پاس بھیجتے رہے۔ تاکہ
وہ اس سے سفارش کریں اور شہر برباد نہ ہو۔

"مجھ سے رحم کی امید کرتے ہوئے" کورٹیولانس نے
اُن سے کہا "جاؤ اور رومیوں سے کہہ دو کہ اس وقت
تک ہمارے درمیان صلح نہیں ہو سکتی جب تک وہ زمین
جو والسیکانیوں سے لی گئی تھی، کل کی کل واپس نہ
کر دی جائے اور یہی نہیں بلکہ ساتھ ہی ساتھ روم کا
شہر بھی۔"

اور اس نے اُن کو تیس دن کا وقت دیا تاکہ
خوب سوچ لیں۔

اگرچہ رومی دہل چکے تھے۔ پھر بھی قومی عزت پر اپنا
سب کچھ قربان کرنے کو تیار تھے۔ انھوں نے تہیہ کر لیا
کہ مٹ جائیں گے لیکن کسی دوسری قوت کے آگے سر
نہ جھکائیں گے۔ پھر رومیوں نے ایک راہب کو کورٹیولانس
کے پاس بھیجا اس امید پر کہ شاید راہب اپنی مذہبی تقریر
سے کوئی بہتر صورت پیدا کر سکے۔ مگر پادری کو بھی وہی
سخت جواب ملا۔ جو اوروں کو مل چکا تھا۔

آخرکار والومینیہ اور ورجلیہ کورٹیولانس کی
ماں اور بیوی، اپنے دونوں بچوں اور بہت سے شریف
رومی بزرگوں سمیت دشمنوں کے خیمے میں داخل ہوئیں انھیں
دیکھتے ہی چاروں طرف خاموشی چھا گئی۔ کیونکہ وہ عورتیں
تھیں اور اُن کے ساتھ بچے تھے۔

کورٹیولانس نے دلی محبت سے اپنی ماں کا بوسہ
لیا۔ پھر اپنی بیوی اور بچوں کو گلے سے لگا لیا۔ اس کی
آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ چند لمحوں تک وہ کچھ نہ کہہ سکا۔

ماں نے جو دیکھا کہ اب تک اس کے دل میں
محبت باقی ہے تو وہ چلائی۔

"اگر تم نے آج میری التجا نہ مانی تو روم میں داخل
ہونے کے لئے تمہارے گھوڑوں کو میرے مردہ جسم کو
کچلتے ہوئے جانا پڑے گا۔ میں اپنے بیٹے کو اپنے ملکی
وطن کا قیدی یا فاتح دیکھنے کے لئے زندہ نہیں رہ سکتی۔"

اور جب کورٹیولانس نے کوئی جواب نہیں دیا
تو وہ پھر چلائی۔

"تم خاموش ہو میرے بیٹے؟ لیکن اس سے کوئی
فائدہ نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ تم نے اپنے ملک کے
لئے بہت کچھ کیا۔ میں جانتی ہوں کہ تم نے اپنی قوم کے
لئے بہت تکلیفیں اٹھائیں۔ بہت مصیبتیں جھیلیں۔ لیکن
تم نے میرے لئے۔ اپنی ماں کے لئے۔ کیا کیا؟ کیا کیا

اس کے لئے جس نے تمھیں پال پوس کر بڑا کیا۔ جس نے تمھیں اپنے زانو پر وہ لوریاں سنائیں جو تلوار کی جھنکار سے معمور تھیں۔ وہ گیت سنائے جو تمھارا باپ جنگ کے وقت گایا کرتا تھا اور سب سے زیادہ یہ کہ تم سے محبت کی۔ محبت جو آج بھی اُتنی ہی ہے جتنی پہلے تھی اور تم نے اس کا بدلا یہ دیا کہ میری ایک التجا بھی نہ سُنی۔ میری ایک بات بھی نہ مانی۔ نہیں نہیں تمھیں میری بات ماننا پڑے گی۔ سُنا تم نے کورٹیولانس؟ ورنہ حکم دو کہ تمھارے گھوڑے بڑھیں اور ہمارے جسموں کو کچلتے ہوئے گذر جائیں!"

کورٹیولانس بے تاب ہو گیا۔

"آہ! اماں یہ کیا کیا تم نے؟ تم نے روم کو بچا لیا روم کی عزت بچا لی۔ لیکن اپنے لڑکے کو تباہ کر دیا۔ اس کی زندگی ختم کر دی! لیکن نہیں گو میں آج روم کا دشمن ہوں پھر بھی رومی ہوں۔ اور ایک رومی کے لئے اس کی ماں کا حکم خداؤں کی آواز ہے۔ دیکھو تمھارا مارکس تمھارے آگے سر جھکاتا ہے!"

اور اُس نے فوج کو واپسی کا حکم دیا۔ لیکن والسیکانی سپاہیوں نے اسے قتل کر دیا۔ کیونکہ اس کے دل میں اپنے وطن کی محبت تھی۔

اور اس طرح اس رومی بہادر کا قصہ ختم ہو گیا لیکن رومیوں کو بھی ایک سبق مل گیا کہ بہادری پاک چیز ہے لیکن غریبوں اور بے کسوں پر ظلم کرنا بہت ناپاک۔ اگر کورٹیولانس بھی غریبوں کا کچھ خیال کرتا تو یہ کیوں ہوتا۔

سائنس کا کمرہ

سب بچّے سائنس کے کمرے میں جانوروں پرندوں اور دوسری چیزوں کو بہت شوق اور دلچسپی سے دیکھ رہے تھے کہ آپا جان تشریف لے آئیں۔ سب نے آپا جان سلام آپا جان سلام کے نعرے لگائے۔ آپا جان سب کو ہنس ہنس کر جواب دیتی جاتی تھیں۔ جب درجے میں کچھ سکون ہوا تو آپا جان بولیں:۔ "دیکھو بھئی تم نے کل اپنی جاندار چیزوں کو دو گروہوں میں تقسیم کیا تھا یعنی پودے اور جانور۔ اب ایک اور کام ہمارے سامنے ہے۔ آؤ اسے آج پورا کریں۔ اچھا بتاؤ کیا کام ہے۔۔۔۔۔۔۔ لو میں خود ہی بتاتی ہوں۔ بات یہ ہے کہ پودے اور جانور بھی نو طرح طرح کے ہوتے ہیں۔ تو اب ہمیں ان جانوروں اور پودوں کو مختلف گروہوں میں تقسیم کرنا ہے۔ ہم میں تم میں کوئی سائنس جاننے والا ہوتا تو وہ بھی یہی کرتا۔ پہلے تو وہ اُن کی بناوٹ یا ڈھانچے پر غور کرتا اگر اُن کی بناوٹ یا ڈھانچا ایک سا ہوتا تو وہ انھیں ایک ہی قسم کی دو چیزیں قرار دیتا۔ اگر بناوٹ میں فرق ہوتا تو وہ انھیں دو مختلف قسموں میں شمار کرتا

مصطفیٰ:۔ میں سمجھ گیا آپا جان۔ دیکھئے میرا سانپ اور احمد کا چوہا ایک جیسے نہیں ہیں۔

عمر کامل:۔ یہ تو اندھا بھی بتا سکتا ہے۔ چوہے کے دو پیر ہوتا ہے اور وہ دو ٹانگوں سے دوڑتا ہے سانپ کے بدن پر بال نہیں ہوتے اور وہ پیٹ کے بل رینگتا ہے۔

اب بچوں میں جانوروں کی بناوٹ پر بحث ہونے لگی "کوئی جانور تو دو پیروں کا ہوتا ہے کوئی چار کا اور کوئی آٹھ کا۔ کسی جانور کے پیر ہی نہیں ہوتے۔ کسی کے سینگ ہوتے ہیں اور کسی کے پر۔ ایسے جانور بھی ہیں جن کے جسم پر بال ہی بال ہوتے ہیں۔ ایسے بھی ہیں جن کے بدن پر سینے ہی سینے ہوتے ہیں اور ایسے بھی جن کی کھال مینڈک کی طرح بالکل سپاٹ ہوتی ہے

آپا جان بولیں:۔ "سائنس کے جاننے والوں میں ایک لفظ بہت بولا جاتا ہے۔ ڈھانچا، ڈھانچے کو دیکھ کر تم معلوم کر سکتے ہو کہ کس قسم کا جانور ہے

بچے جو فرق بتاتے گئے آپا جان انھیں لکھتی گئیں اس طرح ایک اچھی خاصی فہرست بن گئی۔

بلی کا ڈھانچہ	مرغی کا ڈھانچہ
چار ٹانگیں	دو ٹانگیں
ندارد	دو بازو
بال	پر
منہ اور ہونٹ	چونچ
دانت	ندارد
ناک	ناک کے لئے چونچ میں سوراخ
کان	کان کے لئے چونچ میں دو سوراخ

اس فہرست کو پڑھ کر بچوں کی سمجھ میں اچھی طرح آگیا کہ ڈھانچا کسے کہتے ہیں

پہیلیاں[1]

(۱) گاگر تیری جل بھری ۔ سر پہ لاگی آگ
باہن لاگی بانسری ۔ نکلے کالے ناگ

(۲) رتی بھر پیٹ ۔ کھاگئی سارا کھیت

(۳) کمر تلی پر سہانے ۔ کہیں گئے ہوں گے بن بجانے

(۴) کالی تھی کلوٹی تھی ۔ کالے بن میں رہتی تھی
لال شراب پیتی تھی ۔ سفید انڈے دیتی تھی

(۵) جنگل میں کھڑا انیا سوانگ
سر پر چھتری ایک ہی ٹانگ

(۶) پاتال کنواں - آکاش پانی
یہ پنہاری میں پہچانی
سر پہ ہاتھ کمر پر گھڑا
اے پنہاری کیسے بھرا

(۷) اسلنا مسلنا ۔ ہاتھ میں لئے سے پھسلنا

(۸) قد ہے سرو کا ۔ سبز ہے رنگ
کھلے بال اور موتی رنگ
شوق کا مارا آگ لگائے
تب وہ پی کر منہ تک آئے

(۹) کانچ کا گھڑا ۔ کچنار کی کلی
شربت کا پیالا ۔ مصری کی ڈلی

(۱۰) ہری زمین کھردرے کانٹے
جو نہ بوجھے اس کے ناک کان کاٹے

(۱۱) لال ڈبیا پیلے خانے
اندر رکھے یاقوت کے دانے

(۱۲) کالی مرغی کڑک نات ۔ انڈے دیتی بے شمار
انڈے پڑے آتش میں بیوی پڑیں غش میں

[1] جواب صفحہ [illegible] پر دیکھو۔

دنیا میں جو گنتی کے بڑے آدمی ہیں ان میں مسولینی کا رتبہ بہت بلند ہے۔ اس وقت وہ اطالیہ میں سیاہ وسفید کا مالک ہے۔ اس کی قوم کے لوگ اس کی عزت کرتے ہیں اور جو عزت نہیں کرتے وہ اس سے ڈرتے تو ضرور ہی ہیں۔ اور ایک اطالیہ کے باشندوں پر کیا موقوف ہے۔ دنیا کے دوسرے ملکوں میں لوگوں کو اس کی فکر رہتی ہے کہ دیکھئے اب مسولینی کیا کرتا ہے جب یہ اعلان ہوتا ہے کہ مسولینی فلاں تاریخ کو تقریر کرے گا تو دوسرے ملکوں کے حاکم اس تقریر کا بےچینی سے انتظار کرتے ہیں۔ اگر مسولینی کوئی امید بڑھانے والی بات کہہ دیتا ہے تو اس کا بہت اچھا اثر پڑتا ہے۔ لوگ خیال کرتے ہیں کہ لڑائی اگر ہمیشہ کے لئے نہیں تو کم سے کم کچھ دن کے لئے ٹل گئی اور اگر کوئی ٹیڑھی بات اس کی زبان سے نکلتی ہے تو دنیا سہم جاتی ہے اور جنگ کے ڈراؤنے بادل اٹھتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

آئیے ذرا مسولینی کی زندگی کی جانچ کریں اور دیکھیں کہ اس نے کس طرح اپنی موجودہ حیثیت حاصل کی۔

مسولینی ۲۹ جولائی ۱۸۸۳ء کو شمالی اطالیہ کے ایک چھوٹے سے پہاڑی مقام پر پیدا ہوا۔ مسولینی کا باپ لوہار کا کام کرتا تھا۔ مگر اسے سیاسی معاملات سے دلچسپی تھی۔ مسولینی کی ماں ایک بچوں کے مدرسے میں پڑھاتی تھی۔ مسولینی کی ابتدائی زندگی غریبی میں بسر ہوئی اس کے بچپن اور مدرسے کی زندگی میں کوئی ایسی بات نہ تھی جو اسے دوسرے بچوں میں ممتاز بناتی۔ یہ نہیں تھا کہ وہ اپنی جماعت میں ہمیشہ اول آتا ہو یا اور کسی طرح ان سے بڑھا ہوا ہو۔ ہاں ایک بات تھی مسولینی کی طبیعت میں شروع سے ایک طرح کی بےچینی سی تھی جو اس میں اب تک پائی جاتی ہے۔ مسولینی بےکاری اور کاہلی سے بہت گھبراتا تھا۔ آرام کے اس کے نزدیک کوئی معنی نہ تھے۔ چاہتا تھا کہ کچھ نہ کچھ کرتا رہے۔ مسولینی اپنے حالاتِ زندگی میں خود کہتا ہے کہ مدرسے میں پہلے ہی روز سے اس کی دوسرے لڑکوں سے جھڑپ رہتی تھی۔ اکثر ایسا ہوتا کہ لڑکے مسولینی پر پتھر برسانا شروع کر دیتے۔

اور مسولینی اکیلا ہونے پر بھی اس کا جواب دیتا اس پتھر
بازی میں اُسے اکثر ہار بھی ماننا پڑتی تھی اور وہ خوب
چوٹیں کھا کر واپس آتا تھا۔ مگر اگر اس کی یہ کوشش رہتی
کہ کسی طرح ماں کو خبر نہ لگ جائے۔ وہ اپنی چوٹوں کو
چھپانے کی کوشش کرتا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ کھانا کھاتے
وقت روٹی کی طرف ہاتھ بڑھانے سے پرہیز کرتا کہ کہیں
ایسا نہ ہو اس کی ماں کو اس کی کلائی کی چوٹ کا پتہ
لگ جائے۔

ابتدائی تعلیم ختم ہونے کے بعد مسولینی ایک دوسرے
شہر میں پڑھنے کے لئے بھیج دیا گیا۔ اس وقت مسولینی
کو سفر کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ ثانوی تعلیم ختم ہونے پر
مسولینی گھر واپس آگیا اور اس نے اپنے باپ کا ہاتھ بٹانا
شروع کر دیا

مگر اس کے والدین کا خیال تھا کہ مسولینی کے لئے
لوہار کا کام کچھ زیادہ موزوں نہیں۔ اس کی ماں اکثر
کہا کرتی "مسولینی تو کچھ ہو کر رہے گا"۔ آخر میں یہ طے
پایا کہ مسولینی کو مدرسی کا پیشہ اختیار کرنا چاہئے۔ اس
لئے اُسے ایک اُستادوں کے مدرسے میں داخل کر دیا
گیا۔ یہاں مسولینی کا رویہ ہمیشہ قابل تعریف نہیں رہا
اکثر جھگڑے ہوتے رہتے اور بعض موقعوں پر مسولینی
لوگوں کو بلاوجہ اپنے سے خفا کر دیتا مگر اسی زمانے میں
مسولینی کو انسانی طبیعت اور دماغی کیفیت کے مطالعے
کا شوق پیدا ہوا جو آگے چل کر بہت کام آیا۔

مسولینی امتحان پاس کرنے کے بعد ایک مدرسے
میں ملازم ہو گیا۔ سال بھر تک مدرسی کی۔ اسی زمانے
میں مسولینی نے ایک مضمون لکھا کہ لگاتار کوشش
کبھی رائگاں نہیں جاتی۔ اور انسان اگر دھن کا پکا ہے
تو اپنی منزل مقصود تک پہنچ ہی جاتا ہے۔

مسولینی کو اب اپنی صلاحیتوں کا احساس ہو چلا
تھا۔ اس کے حوصلے بلند تھے۔ وہ گمنامی کی زندگی گذارنا
نہیں چاہتا تھا۔ چنانچہ مدرسے کی چھٹیاں ہوئیں تو بجائے
گھر جانے کے اس نے یہ فیصلہ کیا کہ کہیں کا سفر کیا جائے
اور قسمت آزمائی جائے۔ مگر سفر کے لئے روپئے کی ضرورت
ہوتی ہے۔ اور یہ اس کے پاس تھا نہیں۔ مسولینی نے
اس کی کچھ پروا نہ کی۔ اس نے اپنے دل کو یوں تسلی
دی کہ روپیہ نہیں تو نہ سہی ہمت تو ہے۔ اور یہ کیا
کم ہے۔

مسولینی سوئستان پہنچا۔ شروع ہی سے
مشکلوں کا سامنا تھا۔ روزی کمانا اور وہ بھی ایک
غیر ملک میں آسان کام نہ تھا۔ مگر انسان کی بڑائی مشکلوں
کو فتح کرنے ہی میں ہے۔ اُن ہی سے انسان سبق حاصل
کرتا ہے اور وہی اس میں بڑے کاموں کی صلاحیت
پیدا کرتی ہیں۔ مسولینی کو طرح طرح کے کام کرنا پڑے
کبھی راج کا کام کیا۔ کبھی ترجمہ کر کے روزی کمائی کبھی
کسی اخبار کے لئے کچھ لکھ دیا۔ مگر جو کچھ بھی کیا ایک دلچسپی
ہمیشہ قائم رہی۔ وہ اب برابر سیاست میں حصہ لیتا

تھا۔ اس کی سیاست کا مقصد مزدوروں کی بھلائی تھا
سیاست سے مسولینی روپیہ کمانا نہیں چاہتا تھا۔ اُسے
اب بھی ایسے لوگوں سے سخت نفرت ہے جو سیاست
کے ذریعے دولت پیدا کرتے ہیں۔ اُسے کبھی کبھی فاقوں
کی نوبت بھی آئی۔ مگر نہ تو کبھی اس نے قرض لیا اور نہ
کسی سے کچھ مانگا۔ ضروریات کو اس نے بہت کم کرلیا
تھا۔ اسی زمانے میں اُسے پڑھنے کا بھی شوق پیدا ہوا
اور لوزان کی یونیورسٹی میں اُس نے پروفیسروں کے
لکچر سننا شروع کئے۔ مگر کچھ عرصے بعد مسولینی کو بعض
سیاسی تقریروں کی وجہ سے لوزان سے نکال باہر کیا
گیا۔ اس کے بعد دوبارا لوزان میں اس وقت (یعنی
۱۹۲۲ء میں) قدم رکھا جب وہ اطالیہ کا وزیر اعظم
تھا۔ مسولینی اس واقعے کے بعد کبھی سوئٹستان کے
کسی اور مقام میں۔ کبھی آسٹریا میں۔ کبھی اٹلی میں رہا مگر جہاں
بھی رہا پولیس کی نظر میں کانٹے کی کھٹکتا رہا۔ کچھ دنوں جیل
میں سرکاری مہمان رہا۔ یہ سب مصیبتیں اس نے اپنے سیاسی
عقیدے کی وجہ سے جھیلیں۔

جنگِ عظیم سے پہلے ہی مسولینی نے اطالیہ کی
سیاست میں اپنے لئے جگہ بنالی تھی۔ مزدوروں کی پارٹی
میں اُسے خاصا اثر حاصل ہوگیا تھا اور آخر میں مزدوروں
کے مشہور اخبار آوانتی کا ایڈیٹر مقرر ہوگیا تھا۔

۱۹۱۴ء میں جنگ عظیم شروع ہوئی۔ مزدوروں
کی پارٹی یہ چاہتی تھی کہ اطالیہ کو جنگ سے کوئی سرکار
نہ ہونا چاہیئے۔ اس لئے کہ اگر ایک طرف آسٹریا سے یہ
شکایت تھی کہ وہ اطالیہ کا کچھ حصہ دبائے ہوئے ہے
تو دوسری طرف فرانس سے بھی شکایت تھی کہ وہ اطالیہ
کی راہ میں اکثر آتا رہا۔ اور اس نے اطالیہ کو دوسرے
افریقی ممالک پر اثر قائم نہ کرنے دیا۔ اس کے علاوہ مزدوروں
کو یوں بھی قومی جنگوں سے دلچسپی نہ تھی۔ مگر مسولینی کا
خیال تھا کہ جنگ میں ضرور شریک ہونا چاہئے اور وہ بھی
اس طرح کہ انگلستان، روس اور فرانس کے ساتھ مل کر
جرمنی اور آسٹریا کے خلاف لڑا جائے۔ مسولینی کی رائے
میں اطالیہ کو کامل طور پر آزاد اور متحد کرنے کا یہی طریقہ
تھا یہ بھی خیال تھا کہ اگر جنگ میں کامیابی ہوئی تو اطالیہ
کو بھی جرمن نوآبادیوں کا ایک حصہ مل جائے گا

غرض اس مسئلے پر مسولینی اور دوسرے
مزدور لیڈروں میں سخت اختلاف پیدا ہوا اور مسولینی
کو پارٹی سے خارج کردیا گیا۔ اسے اخبار اوانتی سے بھی
علیحدگی اختیار کرنا پڑی۔ اب اس نے اپنا ایک اخبار پوپولو دی
اطالیہ (POPOLO D' ITALIA) نکالنا شروع کیا،
اور اس خیال کی اچھی طرح اشاعت کی کہ اطالیہ کو جنگ میں
شریک ہونا چاہیئے۔

۱۹۱۵ء میں اطالیہ جنگ میں شریک ہوا۔ جنگ میں کامیابی بھی
ہوئی۔ مگر اطالوی قوم کے سب منصوبے پورے نہ ہوئے اور مسولینی
نے ایک نئی تحریک اپنے ملک میں جاری کی جسے فاشسٹ تحریک کا
نام دیا گیا۔ اسی کی کامیابی کی وجہ سے مسولینی کو آج یہ کچھ رتبہ
حاصل ہے۔ مسولینی کی جنگ کے بعد کی زندگی اور اس تحریک کا حال اگلے
پرچے میں لکھیں گے ؂

پہلا منظر

جنگل، بے ترتیب درخت اور چھوٹے پودے۔ جن پر طرح طرح کے پھول لگے ہیں۔ اُن کے درمیان دائرے کی شکل میں زمین صاف ہے۔ شام کے کوئی سات بج چکے ہیں۔

زرین پھول چنتی ہوئی داخل ہوتی ہے (ایک پھول توڑکر) اہا کتنا اچھا پھول ہے (سونگھ کر) اس کی بو بھی کیسی بھینی بھینی ہے (آسمان کی طرف دیکھ کر) وقت کافی گذر چکا ہے۔ اب مجھے گھر جانا چاہیئے۔ اماں پریشان ہوں گی۔

زرین لوٹنا چاہتی ہے۔ مگر دھڑام سے گر جاتی ہے۔ اس کے بعد تین پریاں زرین کے پاس آکر کھڑی ہوجاتی ہیں۔

پری نمبر ۱:- بڑی خوب صورت ہے (دوسری کی طرف دیکھ کر) پھٹے کپڑے میں بھی کتنی بھلی معلوم ہوتی ہے۔

پری نمبر ۲:- اس کے بال کتنے لانبے اور ملائم ہیں۔

پری نمبر ۳:- ناچنا بھی خوب جانتی ہے۔

نمبر ۱:- گھر بیٹھے مراد بر آئی۔

نمبر ۳:- اب کیا ہے جی بھر کر ناچیں۔

نمبر ۲:- کئی دن سے میرا دل اداس تھا۔ اب یہ اداسی جائے گی۔

نمبر ۱:- ہاں اب جلدی اس کو اُٹھانا چاہیئے۔

نمبر ۲:- اچھا تو میں اُٹھاتی ہوں (آگے بڑھ کر اس کے جسم پر ہاتھ پھیرتی ہے۔)

نمبر ۳:- یہ دیکھو اُٹھ رہی ہے۔

نمبر ۱:- اُٹھ......

زرین آہستہ اُٹھ کر بیٹھتی ہے اور چاروں طرف پریشان ہوکر دیکھنے لگتی ہے۔

زرین:- اچھا اب سمجھی یہ پریاں ہیں۔

نمبر ۱:- تم نے ہمیں پہلے بھی دیکھا ہے؟

زرین:- میں کہانیوں میں سنتی تھی۔ ہاں کل شام میں خود عزیزن سے کہہ رہی تھی کہ یہاں پریاں رہتی ہیں۔

نمبر۲:۔ تم نے ہمیں یہاں ابھی تک نہیں دیکھا،
زمین:۔ نہیں اماں مغرب کے بعد باہر جانے کی
اجازت نہیں دیتیں۔

(سب پریاں ہنستی ہیں)

زمین:۔ میں تو چہل قدمی کے لئے کچھ دور نکلی تھی
(آسمان کی طرف دیکھ کر ہیں! کیا رات ہوگئی؟
اماں بہت پریشان ہوں گی۔

نمبر۲:۔ تم یہ بات شاید بھول گئیں کہ پھول چننے آئی
تھیں مگر راستہ بھٹک گئیں۔

زمین:۔ خدایا میں کہاں ہوں ...... مجھے جانے دو
...... جانے دو۔

(اٹھ کر ادھر اُدھر پھرنے لگتی ہے
اور بھاگ جانے کی کوشش کرتی ہے)

نمبر۱:۔ تم نہیں جاسکتیں۔

زمین:۔ آہ۔ اماں پریشان ہوں گی۔ للہ مجھے جانے
دو۔

ماں:۔ زمین! زمین!! (آواز سنائی دیتی ہے)

زمین:۔ اماں میں یہاں ہوں تم آکر میری مدد کرو۔

ماں:۔ اچھی زمین تم پریوں کے ساتھ زیادہ نہ ٹھہرو۔
جلدی سے چلی آؤ۔

زمین:۔ اماں میں یہاں سے ہل نہیں سکتی۔ تم میری
مدد کرو

آہ...... کیا تم بھی میری مدد نہیں کرسکتیں اماں!

نمبر۱:۔ (ہنستے ہوئے) اب تم یہاں سے نہیں
جاسکتیں۔

نمبر۲:۔ میں تمھاری مدد نہیں کروں گی۔

نمبر۳:۔ تم ہمارے یہاں رہا کرو۔ دیکھو تمھارے
بدن پر کتنا پرانا کرتا ہے۔ ہم تم کو اچھے کپڑے
دیں گے۔

نمبر۲:۔ ہم تمھارے دوست بن جائیں گے۔ شہزادی
تم سے خوش ہوں گی۔

زمین:۔ بے حد شکریہ۔ مجھے یہ پرانا کرتا ہی اچھا
معلوم ہوتا ہے۔ میں اپنی اماں کے ساتھ ہی
خوش رہ سکتی ہوں۔

نمبر۱:۔ کیوں دیوانی بن رہی ہو۔ ہم تمھاری خاطر
سب کچھ کرسکتے ہیں۔ تمھارا ناچ مجھے بہت پسند
ہے۔ ہم تم کو جانے نہ دیں گے۔ اب گھر اور
ماں سب کو بھول جاؤ۔

زمین:۔ لیکن میں نہیں بھول سکتی۔

نمبر۳:۔ ہم تم کو بھلا دیں گے۔ تمھاری ماں بھی تم کو
بھول جائے گی۔ تمھاری شکل کا ایک اور بچہ
کچھ دنوں کے لئے بھیجا جائے گا۔

زمین: لیکن میری ماں میرے سوائے کسی اور سے
محبت نہیں کرتیں۔ وہ سمجھ جائیں گی کہ میں نہیں
ہوں۔

نمبر۱:۔ اچھا یہ بات ہے تو لو اب ہم تم کو جادو کے

ذریعے بھلا دیں گے (پری نمبر ۲ آگے بڑھ کر
آدھے دائرے کی شکل کھینچتی ہے۔ پھر کچھ پڑھ
کر پھونکتی ہے۔ اس کے بعد زرین ناچنے لگتی ہے)
سب پریاں :- کہو اب تو بھول گئیں۔
زرین :- کیا بھول گئی؟ کیوں پاگلوں کی طرح بک رہی ہو۔
نمبر ۲ :- اب تم اپنی ماں اور گھر کو یاد نہ کرو گی (زرین
چکرانے لگتی ہے۔ پھر سنبھل کر ہنستی ہے۔)
زرین :- بے شک۔ میں اب گھر جانا نہیں چاہتی۔
ماں :- جلد آؤ۔ رات کافی ہو چکی ہے۔
پریاں زرین کو کپڑے دیتی ہیں۔ اور وہ اپنا پرانا
کرتا پھینک کر کپڑے پہن لیتی ہے اور سب چلے جاتے
ہیں۔ کچھ دیر بعد ماں داخل ہوتی ہے۔ بے حد پریشان
ہے۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھ رہی ہے
اور کرتے کے پاس آکر رک جاتی ہے۔
(کرتے کو کلیجے سے لگا کر)
ماں :- آہ زرین تو کہاں ہے۔ تیرا کرتا یہاں پڑا ہے
ہائے میں اب کیا کروں؟
(ایک پری زرین کی شکل میں داخل ہوتی ہے)
پری :- ماں! تم کو میں کتنی دیر سے ڈھونڈ رہی ہوں
ماں :- ہیں! تم کون ہو؟
پری :- ماں، تم بھول گئیں، میں زرین ہوں۔
ماں :- تو کتنی دبلی ہو گئی ہے۔ اب تک کہاں تھی!
پری :- میں پریوں کو دھوکا دے کر نکل آئی ہوں

ماں!
ماں :- مگر تمہارے جسم پر زرین کے کپڑے نہیں۔ اور
آنکھیں بالکل مختلف ہیں
پری :- ہاں! ماں! میں ہوں زرین (بانہیں گلے میں ڈالتے
ہوئے۔ اس کی آنکھوں میں طلسمی سرمہ پھینک
دیتی ہے۔)
ماں :- شریر زرین، تو نے یہ کیا کیا (آنکھیں ملتی ہے)
پری :- ماں یہ طلسمی سرمہ ہے اس سے بینائی تیز ہو جائے
گی۔
ماں :- سچ ہے۔ میری آنکھیں پہلے کی نسبت صاف
معلوم ہوتی ہیں۔ (دونوں چلی جاتی ہیں)

دوسرا منظر

وہی جنگل جو منظر نمبر ۱ میں دکھایا گیا ہے۔ پری
(زرین کے بھیس میں ہے) دوڑ رہی ہے اور اس کے
پیچھے ماں آتی ہے۔ دونوں اسٹیج کے بالکل درمیان
رک جاتے ہیں۔
ماں :- زرین تم کہاں جا رہی ہو؟
پری :- میں تمہاری زرین نہیں ہوں۔ اس کے بھیس
میں بھیجی گئی تھی۔ میں صرف ایک سال کے لئے
بھیجی گئی تھی۔ تاکہ تم زرین کو بھول جاؤ۔ اب تم
سمجھ گئی ہو گی کہ میں تمہاری زرین نہیں۔ ایک
سال ختم ہو چکا ہے۔ خدا حافظ۔
ماں :- زرین کیا تم پگلی ہو؟

(باقی پھر)

ہندوستان کے اُتر میں ہمالیہ کے دکھنی ڈھال سے پانی کے بے شمار چشمے اور ندی نالے جاری ہوتے ہیں۔ یہ بھابر کے علاقے کے پتھروں اور بجری کے نیچے غائب ہو جاتے ہیں۔ مگر آگے بڑھ کر ترائی کے میدان میں ہزاروں چھوٹی بڑی دھاروں میں بہ نکلتے ہیں۔ ترائی کے اس علاقے میں بارش بھی خوب ہوتی ہے۔ مگر فی میل (۱۵) فٹ سے زیادہ ڈھال کہیں نہیں ہے۔ پانی کی اس زیادتی اور ڈھال کی کمی کی وجہ سے پانی کا نکاس کم ہو جاتا ہے۔ برسات میں سبھی ندی نالے اُمنڈ آتے ہیں۔ اور باڑھ کی یہ حالت ہوتی ہے کہ کل کا کل علاقہ اس کی نذر ہو جاتا ہے۔ یہ پانی اکثر گرمی میں بھی نہیں سوکھتا۔ نتیجہ یہ ہے کہ جابجا چھوٹے بڑے تال تلیاں اور پوکھر بن گئے ہیں۔ اتر میں تو اکثر پانی زمین میں ہی مرتا جاتا ہے۔ جس سے جابجا دلدل ہو گئی ہے۔ اس تری کی زیادتی سے یہ علاقہ ترائی کہلاتا ہے۔

آب و ہوا کے لحاظ سے بھی اس علاقے کی خصوصیت تری ہے۔ یہاں اکتوبر سے مارچ تک جاڑا پڑتا ہے اپریل، مئی اور جون گرمیوں کے مہینے ہیں۔ آخر جون سے لے کر اکتوبر تک موسلا دھار بارش ہوتی ہے۔ گرمیوں میں گرمی معمولی ہوتی ہے اور راتیں ٹھنڈی ہوتی ہیں۔ حرارت کے اس فرق سے اکثر بیماری کا ڈر رہتا ہے۔ سردیوں میں دن کو دھوپ پڑتی ہے اور رات کو اوس۔ جنوری اور فروری کے مہینے میں پالا بھی پڑتا ہے۔

مگر برسات کا موسم بہت گندہ اور تکلیف دہ ہوتا ہے۔ پانی ہے کہ تھمنے ہی میں نہیں آتا۔ آندھی اور جھکڑ کے مارے بُرا حال رہتا ہے۔ پھر پانی برس کے تھا نہیں کہ حبس معلوم ہونے لگتا ہے۔ پسینہ سوکھنے میں نہیں آتا۔ کپڑے چپ چپ کرتے ہیں۔ تری کی زیادتی کی وجہ سے اکثر داد، گھیگا اور فیلپایہ وغیرہ کئی روگ ہو جاتے ہیں۔ مگر یہاں کا سب سے بڑا روگ جوڑی کا بخار ہے۔ جس کی یہاں ایک قسم خاص ہے۔ اسے نیپالی بولی میں آلول کہتے ہیں۔ یہ بہت بڑا روگ ہے۔ ہوا میں تری کی زیادتی اور دن رات کی حرارت کے فرق سے انسان کی طبیعت خود گری گری سی

رہتی ہے اور کم زوری سی معلوم ہوتی ہے۔ پھر یہاں کے
زہریلے مچھروں کے اثر سے بخار آ جاتا ہے تو جان ہی
لے کر پنڈ چھوڑتا ہے۔ یہاں کے صرف پرانے باشندے جو
تھارو کہلاتے ہیں، اس بخار سے بچے رہتے ہیں۔ اس
کا نتیجہ ہے کہ اس علاقے میں جو لوگ آکر بستے ہیں مشکل سے
ایک دو پیڑی نکال لے جاتے ہیں۔ مگر پیداوار کے لحاظ
سے یہاں کی زمین اور آب و ہوا کچھ ایسی اچھی ہے کہ دوسرے
میدانوں کے لوگ یہاں آکر بستے ہیں۔ کھیتی کرتے ہیں۔ اور
ڈھور چراتے ہیں۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو صرف سردی
میں (جب نیچے چارا نہیں رہتا) اپنے گائے بیل،
بھیڑ، بکری اور دوسرے جانور چرانے کے لئے ترائی
لے جاتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ ترائی کی گھاس جتنی چری جاتی ہے اتنی
ہی اچھی ہوتی جاتی ہے۔ یہ کل کا کل علاقہ گرمی کے چند
مہینے چھوڑکر سبزہ زار نظر آتا ہے۔ جدھر دیکھو ہری
ہری دوب کے میدان، جگہ جگہ طرح طرح کے پیڑ پودوں
اور جانوروں نے اس علاقے کو قدرت کا ایک چڑیا گھر بنا دیا
ہے۔ اسی اسی۔ اور نوے نوے، نوے ہاتھیوں کے جھنڈ
جنگل میں چرتے پھرتے ہیں۔ راپتی ندی کے کنارے
گینڈوں کی بھی کچھ کمی نہیں۔ یہ زیادہ تر اونچی گھاسوں
میں دلدل کے پاس رہتے ہیں۔

اس علاقے میں شیر بھی بے شمار ہیں۔ اور چیتوں
سے تو گاؤں والے پریشان ہیں۔ جب دیکھو گائے،
بھیڑ، بکری اٹھائے جاتے ہیں۔ جنگلی سور، بھالو اور
جرک بھی بہت ہیں۔ جنگلی بھینسے اکثر جنگلوں کے کنارے
کچھار اور مانجھے میں پائے جاتے ہیں۔ پالتو بھینسے بھی
اکثر ان میں جا ملتے ہیں اور کبھی کبھی تو مہینوں بعد گھر واپس
آتے ہیں۔ ہرن اور چیتل جا بجا میدانوں میں چرتے
پھرتے ہیں۔ بارہ سنگے، سانبھر اور نیل گائے بھی کافی
ہیں۔ لیکن کیا انسان اور کیا حیوان، جنگلی کتوں سے سب
پناہ مانگتے ہیں۔ اُن کے غول کے غول نکلتے ہیں اور شکار
پر ایک ہی ساتھ ٹوٹ پڑتے ہیں۔ شیر بھی اُن سے گھبراتا
ہے۔ یہ جہاں پہنچ جاتے ہیں جنگل کے جانور وہاں سے
دوسرے حصے میں بھاگ جاتے ہیں۔

شکار کے لحاظ سے ترائی کے جنگل افریقہ کے
جنگلوں سے کسی طرح کم نہیں۔ نیپال کا بادشاہ جب کسی
بڑے خاص مہمان کی خاطر کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے مہینوں
سے انتظام شروع ہوتا ہے۔ سینکڑوں آدمی ہانکنے کے
لئے جمع کئے جاتے ہیں۔ اور چاروں طرف کے جنگلی جانور
گھیر کر شکارگاہ کے گرد تیس چالیس میل کی لمبائی اور دس
میل کی چوڑائی میں جمع کئے جاتے ہیں۔ کہیں مچان سے اور
کہیں ہاتھی سے شکار ہوتا ہے۔ مگر یہاں کے شکار کا ایک
خاص طریقہ اور ہی ہے۔ یہ شکار ہاتھیوں کے گھیرے
بنا کر ہوتا ہے۔ یوں تو ہاتھی شیر سے دبکتے ہیں مگر سکھائے
ہوئے ہاتھی سدھ جاتے ہیں اور بڑی ہوشیاری
ہمت سے شیر کا مقابلہ کرتے ہیں۔ دو دو سو ڈھا

ڈھائی سو ہاتھی کئی شیروں کو ایک ہی گھیرے میں گھیر لیتے ہیں پھر کچھ اور ہاتھی شکاریوں کو لے کر گھیرے میں داخل ہوتے ہیں اور ایک قطار میں چلتے ہیں۔ شیر کی تلاش میں پیڑوں کو جب اور جدھر چاہتے ہیں توڑتے اور موڑتے ہیں۔ مگر پھر بھی کبھی کبھی شیر نکل بھاگتا ہے اور سب کے سب شکاری اپنی بندوقیں لئے بیٹھے رہ جاتے ہیں۔ کبھی کبھی تو جانور ہاتھی کی مستک پر بھی وار کر بیٹھتا ہے۔ مگر سدھے ہوئے ہاتھی ایک ہی جھٹکے میں شیر کو نیچے لے آتے ہیں۔ اور جب تک شکاری شست باندھیں شیر کو پیروں تلے کچل دیتے ہیں۔ مگر ایک عجیب بات ہے شیر کا مقابلہ تو کر لیتے ہیں لیکن چیونٹوں سے مات کھا جاتے ہیں۔ اس سے بھی زیادہ دل لگی کی بات تو یہ ہے کہ اگر انھیں شیر کے شکار کے وقت جنگلی بلی نظر آجائے تو چلا پڑتے ہیں اور گھبرا جاتے ہیں۔

ترائی کیڑے، مکوڑوں، سانپ، بچھوؤں کا تو گھر ہے۔ سانپ کے کاٹے سے ہر سال کتنی ہی موتیں ہوتی ہیں۔ اژدہے بھی یہاں پائے جاتے ہیں۔ بعض بعض تو تیس فٹ تک لمبے ہوتے ہیں۔ پورا ہرن ایک ہی دفعہ نگل جاتے ہیں۔ چڑیاں بھی یہاں ہر قسم کی ہوتی ہیں۔ یہاں رہنے والی چڑیوں کے علاوہ سردی اور گرمی میں پہاڑ اور میدان کی چڑیاں بھی آجایا کرتی ہیں۔ جھیلوں کے کنارے شکار کی چڑیاں بہت پائی جاتی ہیں۔ ترائی کا زیادہ حصہ اب بھی جنگل ہی ہے۔ نیپال راج کی آمدنی کا ایک بہت بڑا حصہ ان ہی جنگلوں پر منحصر ہے ندیوں کے بیچ دوآبے کی اونچی زمین پر سال کے جنگل ہیں یہ پیڑ یہاں ڈیڑھ سو فیٹ تک اونچے ہوتے ہیں اور اُن کی لکڑی یہاں کے جنگلی پیڑوں میں سب سے قیمتی ہے۔ ندی نالوں کے کنارے شیشم اور کتھے کے جنگل ہیں۔ ان کے علاوہ اسنا، سیمبل، تُن یہاں کے کارآمد پیڑ ہیں۔ بانس اور بڑی بڑی گھاسیں مانجھے میں پائی جاتی ہیں

کسی زمانے میں یہ کل کا کل علاقہ جنگلوں سے ڈھکا تھا۔ دھیرے دھیرے جیسے جیسے گنگا اور جمنا کے میدانوں میں آبادی بڑھتی گئی۔ لوگ جنگلوں کو کاٹ کر یہاں آباد ہوگئے۔ کچھ تو بڑھتے بڑھتے کاٹ مانڈو اور پاس کی دوسری گھاٹیوں میں جا بسے۔ اُن کے بچوں کو آگے چل کر جب ترائی میں جاگیریں ملیں تو ترائی کی دلدلی زمین چھوڑ کر انھوں نے جنگل کاٹے کھیتی شروع کی اور بستیاں بسائیں۔ بس ترائی کے جنگل اُتر اور دکھن سے کٹنے لگے۔ اور دونوں طرف سے لوگ یہاں بسنے لگے۔ یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔

(باقی پھر)

کاغذ کے کھلونے

خالد حسن قادری

بنانے کا سامان:۔

کاغذ کسی قدر موٹا ہونا چاہئے لیکن نہ اتنا کہ موڑنے سے ٹوٹ جائے۔ جس کاغذ میں پارسل لپیٹے جاتے ہیں وہ کھلونوں کے لئے مناسب ہوگا۔ اگر رنگین ہو تو کھلونوں کی شان دوبالا ہو جائے گی۔ لیکن رنگ گہرا نہ ہونا چاہئے
چاقو تیز ہونا چاہئے۔ موٹا کاغذ نشان پر سے آسانی سے نہیں مڑتا ہے۔ اگر پہلے چاقو سے نشان ڈالا جائے تو آسانی سے مڑ جائے گا اور کھلونے میں صفائی پیدا ہو جائے گی۔

رولر یا فیتا:۔ جس پر انچ کے نشانات بنے ہوں۔ ناپنے اور لکیر کھینچنے کے لئے۔

پرکار:۔ جیومیٹری بکس کی لے لو۔ کافی ہوگی۔

گوند:۔ ہو تو اچھا ہے۔ ورنہ لئی کافی ہوگی۔ مگر لئی خوب چپک دار ہونی چاہیئے۔

کھلونوں کے نقشے میں دو قسم کی لکیریں ہیں۔ نقطے دار اور پوری کھنچی ہوئی۔ ان میں پوری کھنچی ہوئی لکیروں کو کاغذ پر کاٹ دینا چاہیئے۔ اور نقطے دار صرف مڑیں گی۔

۱۳	۹	۵	۱
۱۴	۱۰	۶	۲
۱۵	۱۱	۷	۳
۱۶	۱۲	۸	۴

آٹھ انچ مربع کاغذ لو اور نقشے کے مطابق موڑ کر ۱۶ خانے بنا لو۔ پھر جہاں لکیریں پوری کھنچی ہوئی ہیں وہاں سے کاغذ کاٹ دو اور نقطہ دار لکیروں کو موڑ کر گہری شکن ڈال دو۔ خانہ نمبر ۸ اور نمبر ۱۲ کو کاٹنے کے بعد پیچھے کی طرف موڑ کر چپکا دو گے تو دروازہ بن جائے گا۔

چھت بنانے کے لئے نمبر ۲ کو نمبر ۳

کے اوپر اور نمبر ۱۶ کو نمبر ۱۵ کے اوپر چپکا دو۔
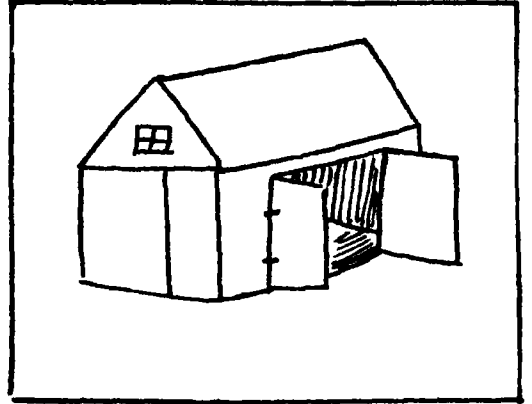
دیواریں بنانے کے لئے نمبر ۱ اور نمبر ۸ کو اس طرح موڑو کہ نمبر ۲ اور نمبر ۳ (جن کو پہلے آپس میں چپکا چکے ہو) کے اوپر آجائیں اور اُن کو چپکا دو اسی طرح نمبر ۱۳ اور ۱۶ کو موڑ کر نمبر ۱۴ اور ۱۵ کے اوپر چپکا دو مکان تیار ہو جائے گا۔

کھڑکی بنانے کے لئے چاہے کاغذ کو کاٹ کر جالی بنا دو یا قلم سے نشان بنا دو۔ اور اب مکان تیار ہو گیا۔ اگر پسند آیا تو انشاء اللہ اور نمونہ حاضر کروں گا۔

معلومات

آئندہ سینما کے مزاحیہ فلم، کھلونے اور گڑیاں تیار کریں گے۔ اس کام کے لئے ایسی گڑیاں بنائی گئی ہیں کہ وہ انسانی جسم کی طرح ہر طرف چل پھر اور ہل جل سکتی ہیں۔ ان گڑیوں کی شکلیں بڑی ہی دلچسپ ہیں۔ یہ گڑیاں باتیں بھی کرتی ہیں۔ اس طرح کہ پہلے آواز اور گانوں کے ریکارڈ بھر لئے جاتے ہیں۔ اس کے بعد تمام بات چیت (مکالمہ) کا ایک "خاص قلمی نسخہ" تیار کیا جاتا ہے۔ اس کی ترتیب لفظوں کی حرکت کے مطابق ہوتی ہے۔ اس کے بعد فوٹو کھینچنے کے کمرے میں سب سے زیادہ سخت اور محنت طلب کام شروع ہوتا ہے۔ جہاں گڑیوں کے تیار کئے ہوئے منہ لفظوں کی حرکت کے لحاظ سے چہرے پر لگا کر اُن کے فوٹو لئے جاتے ہیں۔

اس نئے قسم کے فلم کے موجد ڈھائل نامی خاندان کے تین بھائی ہیں۔ جنھوں نے ایک فلم گڑیوں سے تیار کی ہوئی پیرس کی نمائش میں دکھائی اور سونے کے تمغے حاصل کئے۔ اِن بھائیوں میں ڈاکٹر پاول ڈراما لکھتے ہیں ہرمان۔ گڑیاں، کھلونے اور فلم میں کام آنے والی دوسری چیزیں تیار کرتے ہیں اور فرڈینڈ گڑیوں کو اسٹیج پر اُن کا فوٹو لینے سے پہلے ترتیب دیتے ہیں۔

——— حامد حسین متعلم جامعہ

پیامِ تعلیم کے پچھلے پرچوں میں کاغذ کاٹنے پر دو مضمون چھپ چکے ہیں۔ مگر یہ ذرا بڑے لڑکوں کے لئے تھے میں اپنے ننھے پیامیوں کو بھی کچھ اچھی اچھی دلچسپ مگر آسان چیزیں بتانا چاہتی ہوں۔

اچھا آؤ اس مرتبہ ایک بادبانی کشتی بنائیں۔ موسم بھی تو برسات کا ہے۔ اس کشتی پر سفید بادبان اور سرخ جھنڈا لگا ہوگا۔ یہ تم آسانی سے بنا سکتے ہو۔ بس چار انچ مربع (چوکور) کاغذ کی ضرورت ہوگی۔ (چوکور کا مطلب سمجھ گئے؟ یعنی چاروں سرے برابر ہوں گے۔)

ضروری سامان :-

۱۔ چار انچ مربع (چوکور) سفید کاغذ (۲) ایک تختہ رنگین ڈرائنگ پیپر۔ لمبائی ۱۵ انچ، چوڑائی ۱۱ انچ ڈرائنگ پیپر نہ ملے تو ذرا موٹا سا سفید کاغذ اسی لمبائی چوڑائی کا لے لینا۔ اور لے ہلکے نیلے (سمندر کے پانی کے لئے) اور گہرے نیلے (آسمان کے لئے) رنگوں سے رنگ لینا (۳) رنگ (پنسل) کی بھورے لال، ہلکے نیلے، اور گہرے نیلے رنگ کی بتیاں منگا لو۔

بنانے کی ترکیب :-

(۱) پہلے کاغذ پر پنسل سے ایک چار انچ مربع
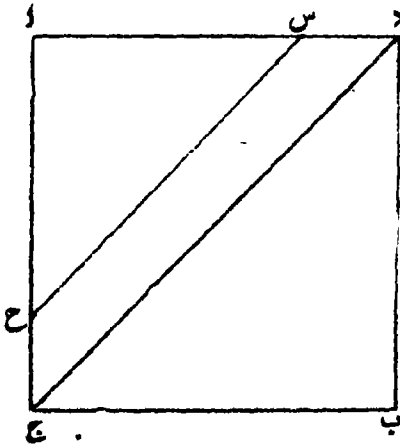
ا، د، ب، ج کھینچو (۲) د اور ج کو ایک خط کھینچ کر ملا دو (۳) ½ انچ ا، د لکیر میں کھینچ کر س کا نشان لگا دو۔ اسی طرح ا، ج لکیر میں ½ ناپ کر ح کا نشان لگا دو۔ پھر س اور ح کو ملا دو (۴) ا، ب، د اور ج

لکیر کو کاٹ لو اس طرح بڑا بادبان بن جائے گا۔ اسی طرح س، ح لکیر کو کاٹ لو۔ یہ چھوٹا بادبان بن جائے گا۔ ان دونوں بادبانوں کو کاٹ کر جو کاغذ س، د، ج، ح بچے گا وہ کشتی ہے (۶) اب اپنے ڈرائنگ پیپر پر اس کشتی کو اچھی طرح گوند لگا کر چپکا دو۔

(۷) اب بادبانوں کو اُن کی جگہ پر چپکا دو (۸) مستول اور رسیاں یا تو بھورے کاغذ سے کاٹ کر لگا لو یا بھورے رنگ سے رنگ بھر دو۔ (۹) جھنڈے کے لئے سرخ کاغذ یا سرخ رنگ استعمال کرو (۱۰) باقی کاغذ رنگ لو۔ پانی کا رنگ ہلکا نیلا اور آسمان کا گہرا نیلا۔ جی چاہے تو بادل بھی بنا لو۔

گذشتہ ماہ میں میڈرڈ۔ (اسپین کا دارالخلافہ) سے ایک بڑی تعداد میں ٹکٹ جاری ہوئے ہیں۔ لیکن ان میں سے اکثر مشتبہ ہیں۔ ان ٹکٹوں میں سے زیادہ تر ایسے ہیں جو ڈاک کے استعمال کے لئے نہیں بلکہ صرف جمع کرنے والوں کے لئے شائع کئے گئے ہیں۔

ابھی تک انگلستان کے ٹکٹوں کو اُن کے اصلی رنگ میں مشتہرین نہیں چھاپ سکتے تھے۔ اب یہ قید چھاپنے والوں پر سے اُٹھالی گئی ہے اور اسی سبب سے ایک سگریٹ کمپنی نے اپنی سگریٹ کی ڈبیوں پر جدید ترین پچاس قسم کے مختلف ٹکٹ ان کے اصلی رنگوں میں چھاپے ہیں۔ آیندہ ضرور ہے کہ لوگ سگریٹ کی ڈبیاں بھی ٹکٹوں کی وجہ سے زیادہ احتیاط سے جمع کرنے لگیں۔

بلغاریہ میں قومی ریل کی پچاسویں سال گرہ کے موقع پر چار ٹکٹوں کا ایک سیٹ چھاپا جارہا ہے۔ اسی سیٹ کے ساتھ ڈاک اور تار کے محکمے کی ساٹھویں سال گرہ کے سلسلے میں تین اور ٹکٹ بھی چھپیں گے۔ ان کے علاوہ بلغاریوں کی یاد میں ایک سیٹ اور جاری ہونے والا ہے۔ جس کو "معاشی" ٹکٹوں کے نام سے موسوم کیا جائے گا۔ غرض کہ ایک سال میں بلغاریہ میں بہت زیادہ تعداد میں نئے ٹکٹ جاری ہوجائیں گے۔

جاپانی فتوحات نے چین کو اگرچہ پریشان کر رکھا ہے پھر بھی چین میں ٹکٹوں کے چھپنے اور جاری ہونے کا سلسلہ جاری ہے حال ہی میں ڈاکٹر "سن یٹ سین" کی تصویر والے ٹکٹوں کا ایک سیٹ ڈاک کے محکمے نے جاری کیا ہے جو بہت ہی خوب صورت ہے۔

پہیلیوں کے جواب (۱) حقہ (۲) دیمک (۳) مچھر (۴) جال (۵) ناڑہ (۶) ناڑ (۷) صابن (۸) بھٹّا (۹) تربوز (۱۰) کنول (۱۱) انار (۱۲) پوست افیون

پنجابی کمہار (راولپنڈی)

پنجابی کسان (راولپنڈی)

(مرسلہ محمد دین جرنلسٹ راولپنڈی)

کیمرے کا انعامی مقابلہ

(پہلا نمبر) "بلی" (احمد الصمد بنوں)

(دوسرا نمبر) "مطالعہ" (محمد شفیق مہرتھہ)

(تعریف کے قابل) "کلنگ" (محمد رفیق کیمبل پور)

جناب لطاف علی صاحب نگران تربیت جسمانی
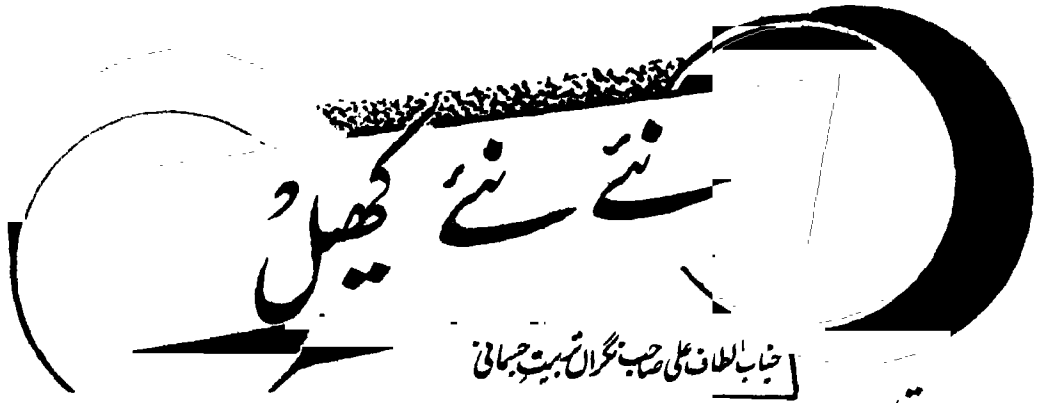
بندر اور قلندر

تعداد ۔ ۵ سے ۴۰ تک

جگہ ۔ کمرے کا صحن ، میدان ، جنگل

کھلاڑیوں میں سے ایک بندر اور ایک قلندر چن لیا جائے۔ بندر زمین پر میدان کے بیچ میں بیٹھ جائے اور رسی کا ایک سرا پکڑ لے۔ دوسرا سرا قلندر کے ہاتھ میں ہو۔ باقی سب کھلاڑی اِدھر اُدھر ہو جائیں۔
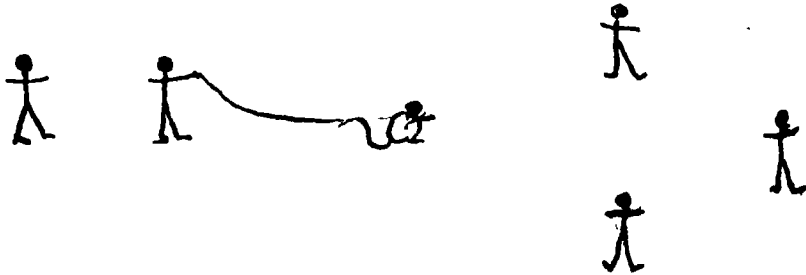
کھیل شروع ہونے پر کھلاڑی بندر کو دق کرتے ہیں۔ کبھی کبھار اس کے ایک آدھ چپت بھی رسید کر دیتے ہیں۔ قلندر اپنے بندر کو ان سے بچاتا ہے۔ اگر وہ رسی کو چھوڑے بغیر ان میں سے کسی ایک کو چھولے تو چھوا ہوا کھلاڑی بندر کی جگہ لے لیتا ہے۔ بندر قلندر بن جاتا ہے اور قلندر کھلاڑیوں میں شامل ہو جاتا ہے اور اس طرح کھیل کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

احتیاط:۔ (۱) رسی کی لمبائی کھیل کے میدان اور لڑکوں کی تعداد پر منحصر ہے۔

(۲) کھیلتے وقت قلندر اور بندر دونوں رسی کو نہ چھوڑیں۔

(۳) اگر رسی نہ ہو تو قلندر اور بندر تین گز قطر کے دائرے میں رہیں۔ قلندر اس دائرے سے باہر نہ جائے۔

(۴) کھلاڑی بندر کے چپت لگاتے وقت خیال رکھیں کہ چپت زور سے نہ لگے۔

کلکتے کے فٹ بال لیگ میچ میں ۳ جون ۱۹۶۰ء کو موہن باگن اور مشرقی بنگال نامی ٹیموں میں مقابلہ ہوا یہ بہت سخت مقابلہ تھا موہن بگن ٹیم نے دو گول کیے۔ اور مشرقی بنگال نے ایک۔ خاص بات اس کی یہ ہے کہ ایک لاکھ آدمیوں نے میچ دیکھا اور ہزاروں آدمی جگہ کی کمی کی وجہ سے واپس لوٹ گئے۔ اس روز کلکتے میں ایک عجیب ہنگامہ تھا۔

ڈی، آر جارڈائن نامی انگلینڈ کے ایک مشہور کرکٹ کپتان نے ایک نیا تجربہ کرکٹ کی گیند کے بارے میں بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ کرکٹ کی گیند موجودہ گیند کے مقابلے میں چھوٹی ہونا چاہئے۔ اس سے بالنگ کرنے والے اور بیٹنگ کرنے والے دونوں فائدے میں رہیں گے یعنی ان کو گیند پھینکنے میں آسانی رہے گی۔ اور توازن چھوٹی گیند سے بآسانی قائم رہ سکے گا۔

آل انڈیا عبید اللہ خاں ہاکی ٹورنامنٹ گولڈکپ بھوپال کا فائنل میچ ۸ جون کو شوکلب بھوپال اور کنٹونمنٹ اسپورٹس کلب جبل پور کے درمیان ہوا شوکلب بھوپال نے ایک گول سے جبل پور کو شکست دے کر آل انڈیا عبید اللہ خاں ہاکی ٹورنامنٹ گولڈکپ تیسرے سال بھی جیت لیا۔

لنکاشائر میں امرسنگھ نے برن لے ٹیم کی طرف سے کھیل کر لورہاؤس ٹیم کے مقابلے میں آٹھ وکٹ حاصل کیے۔ لورہاؤس ٹیم کے ستّر رن اور برن کے ایک سو سات رن بنے

مسٹر بقا جیلانی کرکٹ کے مشہور کھلاڑی شیخ پور میں اول درجے کے مجسٹریٹ مقرر ہوئے ہیں۔

پشاور رجنانا ہاکی ٹورنامنٹ کے فائنل میں آئی ایچ سی راولپنڈی ٹیم نے ڈسٹرکٹ سگنل نامی ٹیم کو چار گول سے ہرا دیا دیکھنے والوں کی تعداد تقریباً ۵۰ ہزار تھی۔

کنگسے کنرے نے جو انگلینڈ کے بلیئرڈ چمپین ہیں ہندوستان میں بلیئرڈ کا نیا ریکارڈ قائم کیا ہے۔ انہوں نے ۴ منٹ اور ۴۸ سکنڈ میں ۱۹۶ پائنٹ بنائے۔ ڈیب نامی ایک شخص نے اس سے پہلے ایک میچ میں ۱۸۷ پائنٹ بنائے تھے جو ہندوستان کا ریکارڈ تھا۔

کنرے۔ لے، کے ٹھکور کے مقابلے میں کھیل رہے تھے۔ لے، کے، ٹھکور مغربی ہند کے چمپین ہیں۔ کنرے نے ۱۰۴۹ اور لے، کے، ٹھکور نے ۵۲۹ پائنٹ بنائے

میرے پاس حیدرآباد سلور جوبلی، ہندوستان سلور جوبلی انگلستان سلور جوبلی، جارج پنجم اور کئی ملکوں کے طرح طرح کے کوئی ایک ہزار ٹکٹ مبادلے کے لئے موجود ہیں۔

محمد اسمٰعیل معرفت محمد غوث اسٹور کیپر سنگارینی کالریز (دکن)

ہندوستانی ریاستوں، حیدرآباد، جے پور، بھوپال ٹراونکور، کوچین، گوالیار، پٹیالہ، میسور، جنید، نابھا وغیرہ کے ٹکٹ درکار ہیں۔ ان کے بدلے میں، میں انگلینڈ فرانس، امریکہ اور جرمنی کے ٹکٹ دے سکتا ہوں پیامی ۵۰ سے لے کر ۲۰۰ تک ٹکٹ بھیج سکتے ہیں۔

مبارک الدین۔ ہمدرد بوٹ ہاؤس شو مارکٹ آگرہ

مجھے پیامِ تعلیم کے جنوری، فروری، مارچ، اپریل کے پرچوں کی ضرورت ہے۔ پیامِ تعلیم کے دفتر میں بھی ختم ہوگئے ہیں جو پیامی بھائی ان پرچوں کو فروخت کرنا چاہیں وہ مجھ سے اس پتے پر خط کتابت کریں

حاجی نور محمد نیک محمد اینڈ سنس ۲۲/۴ لدمن پورا بنارس

پیامی بھائیوں کو عمدہ، خوب صورت اور یادگاری ٹکٹوں کی ضرورت ہے تو وہ ہم سے خط کتابت کریں ہمارے پاس عموماً ہر ملک کے ٹکٹ ہیں۔

آغا امام رفیق احمد خاں اسٹریٹ نمبر ۱۳ شملہ

مجھے عدن، حبش، البانیہ، افغانستان کے ٹکٹ دوسرے ملکوں کے ٹکٹوں کے بدلے میں چاہئیں۔

نسیم احمد معرفت جناب کریم بخش صاحب نمبر ۲۵ نابھا ہاؤس۔ شملہ

میرے پاس جارج پنجم کے یادگاری۔ ایڈورڈ ہشتم کے تاج پوشی، جارج ششم اور ریاست پٹیالہ کے ٹکٹ ہیں۔ میں اُن کا مبادلہ دوسری جگہ کے ٹکٹوں سے کرنا چاہتا ہوں

حاجی نور محمد، نیک محمد اینڈ سنس ۲۲/۴ لدمن پورا بنارس

عزیزی منظور احمد منظور کو اعلیٰ درجے کے قیمتی ٹکٹوں کی ضرورت ہے۔ اُن کے مبادلے میں وہ ایسے اچھے اور قیمتی ٹکٹ دیں گے۔ پتہ یہ ہے:۔

محمد منظور احمد منظور ہاشمی۔ گارڈن ہولو اندرون لوہاری دروازہ۔ لاہور

عزیز بچیو اور بچو خوش رہو۔ اور تندرست۔ شکر ہے کہ اب موسم کچھ خوش گوار ہو چلا ہے۔ دہلی میں تو دو ایک سے زیادہ بارش ہو چکی ہے اور اخبار دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے شہروں میں بھی گرمی کم ہو گئی ہے۔

میں نے پچھلے پرچے میں لکھا تھا کہ عقیلہ شاکر نے دہلی میں بچیوں کی ایک شاخ قائم کی ہے وہ اسے کامیاب بنانے کی بہت کوشش کر رہی ہیں۔ دہلی کے پیامیوں اور عام بزرگوں سے دوبارہ درخواست ہے کہ وہ اپنی بہنوں اور بچیوں کو اس کا ممبر بننے کی ترغیب دیں میرے اس خط کو پڑھتے ہی مجھے امید ہے کہ وہ یہ کام شروع کر دیں گے۔

اس مرتبہ بچوں نے نہ تو کیمرے کی تصویریں بھیجیں۔ نہ اپنی تصویریں بھیجیں اور سوائے دو ایک کے میرے مضمون "کاغذ کا ٹنا" پر کہانی لکھ کر بھی۔ شاید موسم کی خرابی کے سبب کسی کام پر اُن کا جی نہیں لگتا پر اب تو موسم بہت اچھا ہو گیا ہے میں انھیں ایک اور موقع دیتی ہوں۔ وہ جولائی کی ۱۰ تاریخ تک یہ سب چیزیں بھیج دیں۔ برادری کی شاخوں کے ذمے دار عہدے داروں سے خاص طور پر میری درخواست ہے کہ وہ اپنے حلقے کے پیامیوں کو پیام تعلیم کے ان دلچسپ اور مفید انعامی مقابلوں میں حصہ لینے کی ترغیب دیں۔ بہت سے بچوں کو شکایت تھی کہ پیام تعلیم میں معمے نہیں چھپتے۔ اس مہینے سے یہ سلسلہ بھی شروع کر دیا گیا ہے۔ معمے کا حل ۱۰ جولائی تک آ جانا چاہیئے۔ حل کے ساتھ ایک آنے کا ٹکٹ بھی ہو۔

سیال کوٹ کی شاخ کے سکرٹری صاحب نے ایک بہت اچھی تجویز اپنے جلسے میں پاس کی ہے اور وہ یہ کہ وہاں کے پیامی ایک قلمی رسالہ نکالیں۔ اس میں مضمون وہیں کے پیامی لکھیں اور سکرٹری اور صدر صاحب اس کے منتظم اور ایڈیٹر ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ ایسا رسالہ ہر شاخ کی طرف سے نکالا جائے اور وہاں اس وقت ایک تجویز اور میرے ذہن میں آئی ہے اور وہ یہ کہ مہینے بھر تک ریڈنگ روم میں رکھنے کے بعد یہ رسالے میرے پاس بھیج دے جائیں۔ جس کا رسالہ مضامین خوشنمائی کے اعتبار سے سب سے اچھا ہو گا اسے معقول انعام دوں گی۔ رسالے کے منتظم اگر پسند کریں تو وہ دوسری شاخوں سے اپنے اپنے رسالوں کا مبادلہ بھی کر سکتے ہیں اس سے انھیں بہت سے فائدے ہوں گے۔ مجھے امید ہے شاخوں کے صدر اور

سکریٹری بہت جلد اس بارے میں مجھ سے خط کتابت کریں گے۔

عزیزی محمد یحیٰی انصاری سکریٹری شاخ بھوپال کے خط سے یہ معلوم ہو کر بہت افسوس ہوا کہ وہاں کے ایک سرگرم پیامی عزیزی زہیر قریشی سلمہٗ کے والد محمد مہدی صاحب کا انتقال ہو گیا۔ مہدی صاحب بہت عالم فاضل بزرگ تھے۔ عربی، فارسی، انگریزی وغیرہ کئی زبانیں جانتے تھے۔ ریاست بھوپال کے محکمۂ تاریخ کے انچارج تھے۔ تمام شہر میں ان معزز بزرگ کی موت پر افسوس کیا جا رہا ہے۔ ہمیں اپنے عزیز پیامی سے اس حادثے میں دلی ہمدردی ہے۔ امید ہے کہ پیامی اپنے خطوں کے ذریعے اس غم زدہ بھائی کو تسکین و تسلی دیں گے۔ ان کا پتہ یہ ہے:۔ زہیر قریشی محلہ تلیا۔ بھوپال۔

شاید عبدالغفور صاحب لکچرر ٹریننگ کالج علی گڑھ سے تم واقف ہو۔ پچھلے سال گرہ نمبر میں اُن کا ایک بہت اچھا مضمون چھپ چکا ہے۔ یہ آج کل انگلستان میں ہیں۔ ان کی معرفت ہمیں بارہ بچوں کے خط ملے ہیں۔ ان بچوں کے پتے ہم نیچے لکھتے ہیں۔ جو پیامی انھیں خط لکھنا چاہیں وہ براہ راست لکھ دیں اور جو اُن کے خط منگانا چاہتے ہیں وہ پانچ تاریخ تک مجھے خط لکھ دیں۔ جن بارہ پیامیوں کے خط مجھے سب سے پہلے ملیں گے انھیں میں یہ خط بھیج دوں گی۔ اچھا اب رخصت۔ تمھاری آپا جان

پتے یہ ہیں۔

(1) CHARLES KILLINGTON 116 COLUMBIA Rd. HACKNEY Rd. E.2 LONDON.

(2) HENRYCARTER 13 ARLINE St. BETHNAL GREEN E.2. LONDON.

(3) RONALD BATES 44 HASSARD St. HACKNEY Rd. E.2. LONDON.

(4) CHORLES MOODY 52 QUILTER St. BETHNAL GRN. E.2. LONDON.

(5) G. OSBORNE 33 MUADE HOUSE RAPLEY St. C.2. LONDON.

(6) STANLEY FELL. 8 ARLIN St. HACKNEY Rd. LONDON.

(7) KENNETH WRIGHT RAVENSCRAFT BLDS. HACKNERY Rd E.2 LONDON.

(8) LENARD WALKER 14 NEW TYSSEN St. BATHNAL GREEN E.2. (LONDON)

(9) RONNIE INGRAM BARENDALE St. BARNET GROVE E.2. LONDON

(10) JOHNRAY 124 GOSSET St. BARNENT GROVE. LONDON.

(11) WILLIAM, JOHN BADHAM 50 WELLINGTON. ROW BATHNAL-GREEN E.2. LONDON

(12) RANNIE BROOD WIMBOLT St. BATH.NAL GREEN. E.2 LONDON.

جلسوں کی رودادیں

لکھنؤ۔ (لڑکیوں کی شاخ) (۱) ۱۷ اپریل کو برادری کا جلسہ عزیز فاطمہ (سکریٹری) کے مکان پر منعقد ہوا۔ کلام پاک کی تلاوت کے بعد رشیدہ بیگم۔ عائشہ خاتون، انیقہ۔ وسیمہ، خدیجہ سلطانہ، رافعہ۔ ساجدہ (صدر) اور عزیز فاطمہ (سکریٹری) نے تعلیم کے موضوع پر تقریریں کیں۔ آخر میں سکریٹری نے کچھ لطیفے سنائے۔ اور جلسہ برخاست ہوا

(۲) ۸ مئی کو برادری کا جلسہ عزیز فاطمہ کے مکان پر منعقد ہوا۔ پہلے پیام برادری کا ترانہ پڑھا گیا۔ پھر رافعہ ساجدہ (صدر) عزیز فاطمہ (سکریٹری) نے بزرگوں کے ادب پر تقریریں کیں۔ پھر منی کا بیاہ اور سائنس کی الماری دو مضمون پڑھے گئے۔ آخر میں والدہ عزیزہ فاطمہ نے بزرگوں کے ادب پر تقریر کی اور چند مفید باتیں بتائیں بچیوں نے آپ کی تقریر بہت توجہ سے سنی۔

۳ جون کو برادری کا جلسہ منعقد ہوا۔ پہلے جاگو اور جگاؤ کا ترانہ سنایا گیا۔ پھر وسیمہ خدیجہ، سلطانہ اور عزیز فاطمہ نے لڑائی جھگڑوں کے نقصانات پر تقریریں کیں۔ آخر میں ننھی منی اور حضرت محمد دونوں مضمون پڑھ کر سنائے گئے اور جلسہ برخاست ہوا۔

عزیز فاطمہ سکرٹری

پیامِ تعلیم زیادہ سے زیادہ ۱۵ تاریخ تک مکمل تیاری کے بعد چھپنے کے لئے بھیج دیا جاتا ہے اس لئے خط کتابت، کیمرے کی تصویریں، مضمون معموں کے حل وغیرہ ۱۰ تاریخ تک دفتر میں پہنچ جانے چاہئیں۔ جو چیزیں اس کے بعد پہنچیں گی ان کے چھپنے کا وعدہ نہیں کیا جا سکتا۔

"ایڈیٹر"

آگرہ:۔ (۱) ۳۰ مئی کو ہمارا ایک مخصوص جلسہ صدر کے دوبارا انتخاب کے لئے منعقد ہوا اور جناب حمید الدین صاحب صدر چنے گئے۔

(۲) ۲ جون کو ۹ بجے ہمارا ایک عام جلسہ میٹنگ ہال شو مارکٹ آگرہ میں منعقد ہوا۔ قرآن پاک کی تلاوت کے بعد عبد الحفیظ صاحب نے قومی ترانہ گا کر سنایا۔ پھر سکریٹری نے پچھلے جلسے کی کارروائی اور نئے ممبروں کے نام پڑھ کر سنائے۔ پھر مباحثہ شروع ہوا۔ مضمون یہ تھا "ہندوستان زراعت سے ترقی کر سکتا ہے یا تجارت سے" عبد الرحمن۔ محمد عمر۔ محمد رفیق سرور احمد، غلام ربانی، عبد الوحید۔ محبوب الہی۔ عثمان خان۔ انعام الہی۔ شوکت اللہ۔ مبارک الدین۔ پنڈ داول خانوی وحید الدین۔ محمد شریف۔ ابو نصر صاحبان نے مباحثے میں حصہ لیا جلسے میں ممبروں کے علاوہ تاجران جنت اور دوسرے

معزز حضرات شریک تھے۔ جلسے کے ختم پر ابو نصر صاحب صدر انجمن حامیانِ ادب نے ایک تقریر کی۔ انھوں نے ہماری بہت ہمت بڑھائی اور برادری کی امداد کا وعدہ کیا۔ حاضرین کی تواضع پان اور شربت سے کی گئی۔ ۱۱ بجے جلسہ کامیابی سے ختم ہو

مبارک الدین پنڈ دادن خانوی۔ سکریٹری

شملہ:۔ ۸ رمئی کو برادری کا ایک جلسہ خالد حمید صاحب کے مکان پر منعقد ہوا۔ کلام پاک کی تلاوت کے بعد مظہر حسین صاحب نے صدارتی خطبہ پڑھا۔ نسیم احمد سکریٹری نے جاگو اور جگاؤ کا ترانہ سنایا۔ اور کام کی سہولت کے لئے ایک کمیٹی مقرر ہوئی مشیر ادبیات انعقاد جلسہ۔ جناب مظہر حسین صاحب۔ مشیر مالیات۔ نسیم احمد صاحب مشیر تفریحات۔ خالد حمید صاحب۔ اس کے بعد بیت بازی اور کہانیوں وغیرہ کا سلسلہ جاری رہا۔ آج کل پیامی مختلف ٹورنامنٹوں میں زیادہ دلچسپی لے رہے ہیں۔

نسیم احمد سکریٹری۔ پیام برادری۔ شملہ۔

ساگر:۔ پیام برادری کا ایک خاص جلسہ حبیب ہال میں امیر اللہ خاں کی صدارت میں ۷ رمئی سنہ۳۹ء کو منعقد ہوا۔ شہر و صدر کے اکثر معزز حضرات شریک تھے۔ ان میں رسالدار حبیب کھوکر، رجسٹرار شری کرشنا صاحب۔ وکیل نور محمد صاحب۔ سیٹھ علی محمد صاحب۔ میونسپل کمشنر۔ سیٹھ محمد عیسیٰ صاحب۔ قاضی علیم الدین احمد صاحب۔ ماسٹر محمد شکر اللہ خاں صاحب شاکر۔ اور ماسٹر عبد الرحمٰن صاحب خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔

قرآن کریم کی تلاوت کے بعد اقبال (رح) کا "ترانہ ہند" ترنم سے پڑھا گیا۔ اس کے بعد امیر اللہ خاں صاحب صدر نے برادری کی تاریخ پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ برادری کے اصول اور اغراض و مقاصد بتلائے اور آخر میں تمام حاضرین سے آپا جان کا (غائبانہ) تعارف کرایا گیا۔

اس کے بعد ان پیامیوں نے مختلف عنوانوں پر تقریریں کیں:۔

(۱) محمد اسمٰعیل رضا۔ سیاحت (۲) محمد جمیل۔ اخلاق (۳) محمد رمضان منصوری، کتب بینی۔

مندرجہ ذیل بھائیوں نے مضمون پڑھے:۔

(۱) محمد اسحٰق منصوری (خورد) اخبار کے فائدے۔ (۲) عبد الغفور۔ وقت کی پابندی

ان پیامیوں نے کہانیاں سنائیں:۔

(۱) شفیق احمد۔ میں بھی بیرسٹر بنوں گا۔ (۲) محمد اسحٰق (کلاں)، جیسی کرنی ویسی بھرنی (۳) محمد شریف منصوری۔ غریب کی قسمت

ان بھائیوں نے لطیفے سنائے۔

(۱) محمد اسمٰعیل رضا (۲) محمد ابراہیم (۳) بھگوان داس (۴) محمد اسمٰعیل (خورد)

ان بھائیوں نے نظمیں پڑھیں:۔

(۱) محمد شریف۔ بیامی بھائیوں کی دعا۔ (۲) محمد رمضان منصوری۔ جاگو اور جگاؤ۔ (۳) محمد عطاء اللہ خاں۔ جاگو اور جگاؤ

اس کے بعد انٹرول (وقفہ) کیا گیا اور مہمانوں کی پان اور سگریٹ سے تواضع کی گئی۔ پروگرام میں ایک مزاحیہ مکالمہ بھی تھا جس کا عنوان تھا" پروفیسر اور اس کے قابل شاگرد" اس میں مندرجہ ذیل بھائیوں نے حصّہ لیا:۔

عبدالحمید خاں۔ امیر اللہ خاں۔ ابراہیم خاں اور محمد شریف۔

مکالمہ اس قدر دلچسپ تھا کہ حاضرین نے بے حد پسند کیا اور اداکاری کی بہت تعریف کی۔

آخر میں صدر نے تمام حضرات کو برادری کے آیندہ ارادوں سے آگاہ کیا۔ اس سلسلے میں کتب خانے کا ذکر خصوصیت سے کیا گیا۔ کتب کی فراہمی کی طرف ان کی توجہ مبذول کرانے کی کوشش کی گئی۔ آخر میں تمام بزرگوں کا موزوں الفاظ میں شکریہ ادا کیا گیا۔ اور جلسہ بحسن وخوبی برخاست ہوا

اُسی روز بیامی بھائیوں نے ایک محفل قوالی منعقد کی جس میں تمام بیامی شریک تھے۔ قوالی میں محمد شریف محمد رمضان۔ عبدالحمید خاں۔ محمد جلیل۔ سید صدیق رضا نے خوب، خوب ترنم ریزی کی اور بہترین اخلاقی نظمیں اور غزلیں سُنا کر سب کو محظوظ کیا

ناانصافی ہوگی اگر میں جناب احسان اللہ خاں صاحب مضطر (سرپرست) کا ذکر نہ کروں۔ جن کی کوششوں سے ہم برادری کے جلسے کو اس قدر کامیاب بنا سکے۔ اُن ہی کی بدولت یہ جلسہ ہمارے تمام جلسوں سے خلافِ اُمید اچھا اور کامیاب رہا۔

دعا ہے کہ اللہ پاک انھیں جلد از جلد صحت یاب کرے (آمین) (محمد ابراہیم سکریٹری)

گنجائش کی کمی کے سبب دوسرے جلسوں کی رودادیں اگلے پرچے میں دی جائیں گی۔

پیام تعلیم

چھوٹے بچوں کی کتابیں

ہمارے نبی:۔ ہمارے پیارے نبی کی پاک زندگی کی کہانیاں آسان اور دلچسپ زبان میں لکھی گئی ہیں۔ قیمت ۳ر

آخری نبی:۔ رسول مقبول کے مختصر مگر جامع حالات۔ چھوٹے چھوٹے جملے اور ہلکے پھلکے الفاظ میں لکھے گئے ہیں۔ قیمت ۲ر

رسول پاک:۔ اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ رسول پاک کون تھے۔ کیسے تھے اور کیا سکھایا۔ قیمت ۳ر

چار یار:۔ حضرات خلفاء راشدین یعنی حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، علی رضوان اللہ علیہم کے سبق آموز اور دلچسپ حالات۔ قیمت ۲ر

عقائد اسلام:۔ یہ رسالہ اسلامی عقائد سکھانے کے لیے آسان زبان میں لکھا گیا ہے۔ قیمت ۱ر

ارکان اسلام:۔ اس میں اسلام کے پانچوں ارکان آسان زبان میں سمجھائے گئے ہیں۔ قیمت ۲ر

آرام کرسیاں
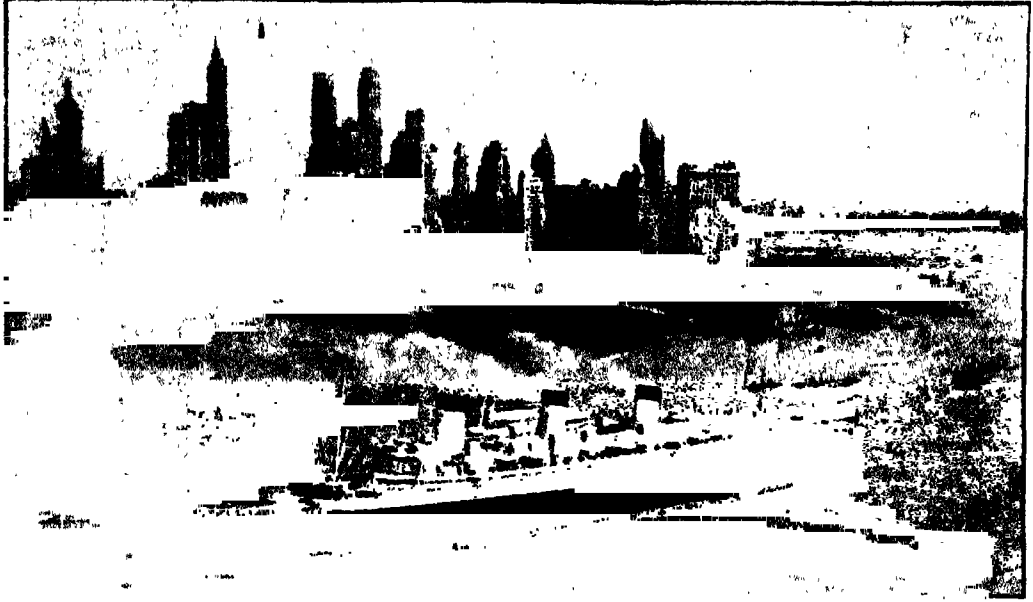
دنیا کا سب سے بڑا جہاز کوئن میری نیویارک (امریکہ) کے ساحل سے گزر رہا ہے

ہوائی جہاز کے ماڈل اُڑائے جارہے ہیں

ایڈیٹر :- محمد حسین حسان   جلد ۲۲   اگست ۱۹۳۹ء   نمبر ۸

پرنٹر و پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین ایم اے پی ایچ ڈی محبوب المطابع برقی پریس دہلی

اس پرچے میں کہیں دوسری جگہ انعامی مقابلے کا اعلان چھپ رہا ہے۔ یوں سمجھو کہ پیام تعلیم نے ترقی کی طرف اور آگے قدم بڑھایا ہے۔ بچوں کے کسی پرچے میں اتنے بڑے انعام کا اعلان بالکل نئی بات ہے۔ ہمیں امید ہے کہ پیام تعلیم پڑھنے والے بچے اور بڑے پورے جوش و خروش سے حصہ لیں گے تاکہ ہم آیندہ بھی یہ سلسلہ جاری رکھ سکیں۔

یہ بتا دینا ضروری ہے کہ اس مقابلے میں شریک ہونے والوں کو انعام رقم کی صورت میں دیا جائے گا۔ البتہ جو صاحب کتابیں لینا پسند کریں گے انھیں دس روپے کی کتابیں بھیج دی جائیں گی۔

یہ کہانیاں یا تو خود لکھی جائیں یا کسی دوسری زبان سے ترجمہ کی جائیں۔ مگر ترجمہ نرا ترجمہ نہ ہو جہاں تک بنے اُسے اپنا لیا جائے۔ انگریزی ناموں کی جگہ دیسی نام ہوں بس ایسا معلوم ہو کہ کہانی اپنے ہی دیس میں دیس کے لوگوں کی اور دیس کے لئے لکھی ہے۔ وقت کا ضرور خیال رکھنا۔ کوئی کہانی جو ستمبر کے بعد بھیجی گئی۔ قبول نہ کی جائے گی۔

یہ سُن کر ہمیں دلی افسوس ہوا کہ برادری کی لکھنؤ کی شاخ کی صدر عزیزہ ساجدہ انصاریہ کی ماموں زاد بہن نے ۱۹ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ مرحومہ کو پیام برادری سے بہت دلچسپی تھی۔ لکھنے پڑھنے کا شوق بھی تھا۔ اُن کا ایک مضمون بھی ہمارے پاس آیا ہے جو کسی اگلے پرچے میں چھپے گا۔

اسی طرح میرٹھ کی برادری کے سابق سکریٹری محمد شفیق کے ایک عزیز انوارالحسن نے ۱۲ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ خدا مرحوم کو جنت میں جگہ دے

منیجر کے نام خط لکھو تو اپنا نمبر خریداری ضرور لکھو۔ ایڈیٹر کو خط لکھو تو پورا پتہ لکھو۔

کیسا اچھا موسم آیا ⁂ باغوں میں سرسبزی لایا
لطف و خوشی کا بادل چھایا
کیسا اچھا موسم آیا

ہلکی ہلکی مست ہوا ہی ⁂ پتا پتا جھوم رہا ہے
ہر شے کا اک رنگ نیا ہی
کیسا اچھا موسم آیا

پھول کھلے کیا پیارے پیارے ⁂ جیسے زمیں پر بکھرے تارے
بلبل چہکی خوشی کے مارے
کیسا اچھا موسم آیا

تالابوں میں پھول کنول کے ⁂ جھوم رہے ہیں ہلکے ہلکے
آؤ دیکھیں ہم بھی چل کے
کیسا اچھا موسم آیا

ناچ رہے ہیں مور چمن میں ⁂ کوک رہی ہی کوئل بن میں
پریم بھرا ہے اُن کے من میں
کیسا اچھا موسم آیا

قدرت کے نظارے دیکھیں ⁂ سورج چاند اور تارے دیکھیں
جاری پریم کے دھارے دیکھیں
کیسا اچھا موسم آیا

(حسن عثمانی)

خرگوش ہوٹل میں

محمد یحییٰ ... - پٹنہ

ارے یہ کیا! رقیہ بی کے کھلونوں والی الماری میں بڑی ہل چل مچ رہی ہے - اہا بھالو میاں بیمار ہیں! بھئی رقیہ بی ہیں بھی لاپروا - ان کی لاپروائی سے الماری کھلی رہ گئی اور بھالو میاں جلتی دوپہری میں الماری میں سے نکل اِدھر اُدھر گھومنے لگے - کچا آم بھی کھا لیا اور بیمار ہو گئے - اب الماری کے سب کھلونے پریشان کہ کیا کریں کیا نہ کریں - سب ڈر رہے تھے کہ کہیں رقیہ بی کو خبر نہ ہو جائے، نہیں تو سزا ملے گی - بھالو کا نام چچا جمن تھا تو جمن میاں خیراتی کے بستر پر لٹا دیے گئے

کھلونوں کی رائے ہوئی کہ ڈاکٹر کو بلانا چاہیئے - خیراتی نے کہا "نیچے والے تختے میں ڈاکٹر میاؤں رہتے ہیں انھیں بلا بھیجو - میاں وفاتی (بندر) انھیں بلانے بھیجے گئے ان کے کمرے میں ایک پانی کا نل تھا - بس وہ اُسی کے ذریعے نیچے اُتر گئے -

ڈاکٹر میاؤں اپنے کمرے کے سامنے چوہے کی تاک میں بیٹھے تھے، اتنے میں وفاتی نے سامنے آکر سلام کیا اور جمن کا سب حال سنایا - ڈاکٹر صاحب بولے "میں ضرور دیکھوں گا، چلو ابھی چلو"، ڈاکٹر صاحب نے ایک ہاتھ میں ڈنڈا لیا، دوسرے میں بیگ سنبھالا - سر

پر گول ٹوپی اوڑھی اور روانہ ہوگئے۔ نل کے پاس پہنچے تو ڈنڈا منہ میں لیا، بیگ گلے میں لٹکایا اور بڑی تیزی سے اوپر پہنچ گئے۔ کھلولو نے انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور جلدی سے بیمار کے پاس لے گئے۔ خیراتی بولا، دیکھئے ڈاکٹر صاحب بے چارا اتنی دیر سے بیمار ہے۔ جانے اسے کیا ہوگیا ہے؟ دوسرے صاحب بولے "ڈاکٹر صاحب کہیں بیماری خطرناک تو نہیں ہے"

ڈاکٹر صاحب نے جھلا کر کہا، "پہلے مجھے دیکھ تو لینے دو"۔ سب سے پہلے انھوں نے مریض کی نبض دیکھی۔ پھر سینے پر آلہ لگایا اور پھر مسکرا کر بولے "یہ تو اچھے خاصے ہیں کوئی خاص شکایت نہیں۔ ہاں کچھ آرام کی ضرورت ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بی رقیہ ان کے ساتھ کھیلتی بہت ہیں۔ انھیں کسی دوسری جگہ بھیج دو۔ آب و ہوا تبدیل ہو جائے گی" وفاتی بولا، "سنا ہے رقیہ بی ایک ہفتے کے لئے مسوری جا رہی ہیں کیا ہمیں ساتھ نہ لے جائیں گی"۔ ڈاکٹر صاحب بولے "نہیں وہ کہتی ہیں میری الماری ویران ہو جائے گی"۔ جمن نے بہت کم زور آواز میں کہا، "پھر کیا کیا جائے ڈاکٹر صاحب!" ڈاکٹر صاحب بولے "میرے خیال میں تو تم چند دن کے لئے بندر پور چلے جاؤ۔ وہاں "خرگوش ہوٹل" میں ٹھہر جانا۔ تمھارا جی بھی بہل جائے گا اور آب و ہوا بھی بدل جائے گی"۔ ڈاکٹر صاحب تو یہ کہہ کر رخصت ہوگئے۔ اب میاں جمن اور اُن کے دوستوں کو فکر ہوئی کہ "خرگوش ہوٹل" میں ٹھہرنے کے لئے روپیہ کہاں سے آئے۔ آخر سب نے مل کر یہی طے کیا کہ میاں اُلّو کے پاس جائیں۔ وہ قرض دے دیں گے۔ شیخ جی بہت کائیاں تھے۔ بہت مشکل سے پسیجے اور اس شرط پر روپیہ قرض دیا کہ انھیں ہر روز ایک چوہا اور عید بقر عید ہوئی دوالی کو پاؤ روٹی دینا ہوگی۔

اب میاں جمن کے ساتھ جائے کون

بڑی بحثا بحثی کے بعد یہ طے ہوا کہ دفاتی صاحب جائیں ۔ وفاتی نے اپنی اور جمن کی سب ضروری چیزیں ایک بڑے رومال میں باندھ لیں۔ شیرو خاں (کتے) کا موٹر موجود ہی تھا۔ اُن سے کہا گیا تو وہ بہت خوشی سے دونوں دوستوں کو لے جانے پر راضی ہو گئے۔ جمن کو ہرے رنگ کی چادر اڑھا دی گئی کہ راستے میں ہوا نہ لگے۔

چلتے وقت الماری کے سب کھلونے جمع ہو گئے۔ ہر ایک نے خدا حافظ کہا۔ خیراتی بولے "دیکھنا میاں وفاتی! جمن کی خیریت کا خط لکھتے رہنا نہیں تو فکر رہے گی۔" شبراتی (چوہا) نے لقمہ دیا اور کہا "ذرا جمن کے آرام کا خیال رکھنا"

موٹر تھوڑی دیر میں "خرگوش ہوٹل" کے سامنے جاکر کھڑی ہوگئی۔ میاں وفاتی نے لال رومال کی گٹھری ایک ہاتھ میں لی اور دونوں موٹر سے اُتر کر ہوٹل میں داخل ہوئے ۔ وہاں ایک مینڈک انگریزی لباس (سوٹ) پہنے ہوئے بہت خوش اخلاقی سے ملا اور کہنے لگا "آپ کے لئے چوتھی منزل پر ایک بہت عمدہ کمرہ خالی ہے ۔ مہربانی فرما کر اس لفٹ کے ذریعے اوپر چلے جائیے"

لفٹ ایک پنجرا سا تھا ۔ یہ دونوں اس میں بیٹھ گئے ۔ مینڈک نے بٹن دبایا اور یہ دونوں ذرا سے ذرا میں اوپر پہنچ گئے ۔ کمرہ واقعی بہت اچھا تھا خوب سجا ہوا، دروازوں پر رنگین پردے لٹکے ہوئے، دیواروں پر خوب صورت خوب صورت تصویریں ٹنگی ہوئیں، میز کرسی مسہری بستر غرض ہر چیز رنگین ۔ وفاتی نے جمن کو کمرے میں بستر پر لٹا دیا اور کہا "اب تم آرام کرو اور میں ذرا ہوٹل کا چکر لگا آؤں"

کمرے میں سے نکل کر وہ لفٹ پر بیٹھ گیا ۔ لفٹ میں بہت سے بٹن لگے تھے۔ اس نے اللہ کا نام لے کر ایک بٹن دبا دیا۔ لفٹ تیزی سے اُترنے لگا اور ایک دھکے کے ساتھ

نیچے رُک گیا۔

لفٹ سے اُتر کر وہ سامنے کے کمرے کی طرف گیا اور چپکے سے جھانکنے لگا۔ کمرے میں آگ جل رہی تھی اور خرگوش لمبی لمبی ٹوپیاں اوڑھے کام میں مشغول تھے۔ پاس ہی ایک گلہری کھڑی تھی۔ نیلے کپڑے پہنے۔ کوٹ میں پیتل کے چمک دار بٹن لگے تھے۔ گلہری کے ایک ہاتھ میں جوتا تھا، دوسرے میں پالش کرنے کا کپڑا۔ نیچے گڑیوں اور کھلونوں کے چھوٹے ڈے بہت سے جوتے رکھے تھے۔

وفاتی۔ آداب عرض ہے جناب! آپ تو بہت زیادہ مشغول نظر آتی ہیں کیا یہ تمام جوتے بس آپ ہی صاف کرتے ہیں۔

گلہری۔ اہا تسلیمات، تشریف لائیے جی ہاں۔ یہ ہوٹل میں ٹھہرنے والے مسافروں کے جوتے ہیں۔ میں ہی انھیں صاف کرتی ہوں۔

وفاتی ۔ کیا میں آپ کی مدد کرسکتا ہوں؟

گلہری۔ آپ کی خوشی

وفاتی میاں آگے بڑھے اور بہت تیزی سے کام کرنے لگے۔ جیسے یہی اُن کا پیشہ تھا۔ تھوڑی دیر میں تمام جوتے ایک قطار میں رکھے چمک رہے تھے

وفاتی۔ اچھا اب مجھے اجازت دیجئے۔

گلہری۔ بڑی خوشی سے۔ ہاں یہ دو جوڑی جوتے چوتھی منزل پر دینا ہیں۔

وفاتی۔ لائیے میں پہنچا دوں۔

گلہری۔ یہ ایک تو بی گڑیا کا ہے۔ دوسرا بھالو کا۔ انھیں آپ کمرہ نمبر ۱۰ اور نمبر ۱۲ کے دروازوں پر رکھ دیں۔

وفاتی جوتے لے لفٹ کے ذریعے چوتھی منزل پر پہنچ گیا۔ اوہ۔ ہو ایک بات پوچھنا تو وہ بھول ہی گیا کون سا جوتا کس دروازے

پر رکھا جائے گا۔ خیر اس نے چھوٹا جوتا کمرہ نمبر ۱۰ اور بڑا نمبر ۱۲ کے سامنے رکھ دیا۔

کمرے میں پہنچا تو جمن ابھی تک سو رہا تھا۔ اس کے چہرے پر بشاشت تھی۔ وفاتی لال الماری میں سے ایک کتاب نکال کر پڑھنے لگا۔ اتنے میں باہر بہت زور سے چلانے کی آواز آئی " یہ غلط جوتا رکھ دیا گیا ہے۔ یہ میرا جوتا ہرگز نہیں ہے۔ جوتے والی گلہری کہاں ہے۔ میں ابھی منیجر سے اس کی شکایت کرتا ہوں "

وفاتی نے جی میں کہا۔ اوہ، ہو مجھ سے غلطی ہو گئی۔ جلدی سے اٹھا اور باہر جھانکنے لگا۔ اس کا دوست سیتا کھڑا چیخ رہا تھا۔ وفاتی وہیں سے چلایا " ارے بھائی سیتا! تم کہاں ! ذرا ٹھہرو۔ یہ میری غلطی ہے۔ جوتے والی گلہری کی نہیں۔ وہ دیکھو تمہارا جوتا کمرہ نمبر ۱۲ کے دروازے پر پڑا ہے "

سیتا وفاتی کو دیکھ کر بہت خوش ہوا بہت دنوں بعد ملاقات ہوئی تھی۔ یہ دونوں ایک ساتھ کھلونوں کی دوکان میں آئے۔ اور ایک ہی دن بکے تھے، مگر الگ الگ دو بچوں کے ہاتھ۔ سیتا ہوٹل میں ایک ہفتے سے ٹھہرا تھا۔ مگر اس کا دل نہیں لگ رہا تھا۔ وہ دوڑ کر وفاتی سے چمٹ گیا " بھائی وفاتی اس وقت تو تم سے مل کر بہت ہی خوشی ہوئی "

وفاتی۔ (ہنس کر) یہ بہت اچھا اور کم خرچ ہوٹل ہے۔

سیتا۔ اس میں کیا شک ہے تم بالکل ٹھیک کہتے ہو تمہیں کبھی چھٹی ملے تو بس اس ہوٹل میں ٹھہرا کرو۔

وفاتی۔ خیر اچھا ہوا۔ جمن سخت بیمار ہے۔ کچھ دنوں اس ہوٹل میں عیش سے تو کٹے گی اور پھر جب تم مل گئے ہو۔

ٹرام میں

بچہ (روکر) ابا ابا اس کی اماں زیادہ ہے۔

سائنس کی الماری

محمد حسین حسّان

ایک دن آپا جان درجے میں آکر کہنے لگیں۔ "بچو! ہماری الماری میں بہت کافی جانور جمع ہوگئے ہیں۔ ان میں چڑیاں بھی ہیں۔ کیڑے مکوڑے بھی ہیں۔ رینگنے والے جانور بھی ہیں۔ ممل (دودھ پلانے والے) بھی ہیں۔ جل تھلی (پانی اور زمین دونوں میں رہنے والے۔) بھی ہیں۔ غرض قسم قسم کے جانور ہیں۔

آپا جان کی یہ بات بچوں کی سمجھ میں نہ آئی اور وہ کچھ پریشان سے ہوئے۔ دو تین لفظ بھی اُن کے لئے بالکل نئے تھے انھیں وہ بالکل نہ سمجھ سکے

مصطفےٰ:۔ آپا جان! ممل تو کوئی جنگلی جانور یا درندہ ہوتا ہوگا۔ نقصان پہنچانے والا اور پھاڑ کھانے والا۔

آپا جان:۔ واہ میاں تمھیں یہ خرگوش، یہ بلی اور اس کے بچے کوئی نقصان پہنچاتے ہیں۔

مصطفےٰ:۔ نہیں تو آپا جان

آپا جان:۔ (مسکرا کر) تو یہی ممل ہیں۔ اچھا آؤ پہلے یہ معلوم کریں کہ ممل کسے کہتے ہیں۔ دیکھو بلی، چوہا اور خرگوش یہ تینوں چیزیں ممل ہیں۔ تمھیں ان کے ڈھانچے میں کیا بات معلوم ہوتی ہے اور یہ کس بات میں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔ عمر کامل نے جواب کے لئے سب سے پہلے ہاتھ اٹھایا اور بولے۔ "دیکھئے ان میں سے ہر ایک کے چار پاؤں اور دو ٹانگیں ہیں۔"

آپا جان:۔ یہ ٹھیک ہے، مگر چار ٹانگیں تو مینڈک کی بھی ہیں، حالانکہ وہ ممل نہیں ہے۔ اُن کی مشابہت (ایک جیسا ہونے کی) کی کوئی اور بات بتاؤ۔

سعیدہ جلدی سے بول اٹھی۔ ان کے جسم پر سمور ہے۔

آپا جان:۔ شاباش! جتنے بھی جانور ممل کی قسم میں شامل ہیں اُن کے جسم پر سمور ہوتا ہے یا بال ہوتے ہیں۔ جسم پر یا جسم کے کسی حصے پر۔

کیلاش:۔ دیکھئے بلی کے بچے دودھ پی رہے ہیں۔ کیلاش نے ان جانوروں کے ایک جیسا ہونے کی ایک اور وجہ معلوم کرلی تھی یعنی یہ کہ تمام ممل اپنے بچوں کو اپنے ہی جسم سے غذا پہنچاتے ہیں (دودھ پلاتے

ہیں، غرض یہ دو باتیں ہیں جو ممل کو دوسرے جانوروں سے الگ کرتی ہیں۔ یعنی اس طرح کے جانوروں کے سمور یا بال ہوتے ہیں اور یہ اپنے بچوں کو دودھ پلاتے ہیں۔ آپا جان نے ایسے جانوروں کے متعلق ایک اور اہم بات بتائی۔ یعنی اُن کا خون گرم ہوتا ہے۔ کہنے لگیں:۔

"گرم خون کا مطلب بھی سمجھے؟ تم میں سے کوئی بیمار ضرور ہوا ہوگا اور ڈاکٹر نے تمھارے منہ میں تھرمامیٹر بھی ضرور رکھا ہوگا، یہ دیکھنے کے لئے کہ تمھارا بدن بہت زیادہ ٹھنڈا یا بہت زیادہ گرم تو نہیں ہے۔ ممل کے جسم کی حرارت (گرمی) بھی ایک سال رہتی ہے۔ ہاں بیماری کی دوسری بات ہے تو جسم اگر گرم ہے تو خون بھی گرم ہوگا۔

اب بچوں کو ممل کے بارے میں یہ تین چیزیں معلوم ہوئیں:۔

۱۔ ممل کے جسم پر سمور یا بال ہوتے ہیں۔
۲۔ یہ جانور بچوں کو اپنا دودھ پلاکر پالتے ہیں۔
۳۔ اُن کا خون گرم ہوتا ہے۔

اب آپا جان نے بچوں سے کہا۔ "اچھا بھئی ذرا غور سے دیکھو۔ کمرے میں علاوہ بلّی اور خرگوش اور چوہے کے اور بھی کوئی ممل ہے؟" بچوں نے چاروں طرف دیکھا۔ پھر دیکھا، پھر دیکھا خورشید میاں نے کچھ سوچ کر بہت زور کا نعرہ لگایا "آپا جان ہم بھی تو ممل ہیں۔"

خورشید نے بالکل ٹھیک کہا۔ دیکھو ہمارے بال بھی ہیں ہماری مائیں بچوں کو دودھ پلاتی ہیں اور ہمارا خون بھی گرم ہے۔

نڈر صاحب زادے

خواجہ محمد شفیع صاحب دہلوی

ایک روز میں چاندنی چوک میں جا رہا تھا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ ایک نو، دس برس کا لڑکا بھاگا چلا جاتا ہے اور اس کے پیچھے پیچھے تیس، چالیس برس کی عمر کا ایک شخص ہے۔ تھوڑی دور جا کر لڑکا رک گیا اور وہ آدمی اس کے پاس پہنچا۔ بہت سے راہ گیر جمع ہو گئے۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ وہ صاحب زادے اپنے ماموں کے ساتھ پہلی دفعہ چاندنی چوک کی سیر کو تشریف لائے تھے۔ گھنٹہ گھر دیکھ کر ڈر گئے۔ میں نے اس لڑکے کو بہت غور سے دیکھا اور دل میں سوچا کہ وہ کون سی بہادر ماں ہوگی جس کا لڑکا خیر سے اس شان کا ہے۔ میں دو قدم آگے بڑھ اِن ماموں بھانجوں سے باتیں کرنے لگا اور اُن کے ساتھ ساتھ ہو لیا۔ باتوں باتوں میں راہ رسم پیدا کر لی۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ دلّی دیکھنے آئے ہیں۔ میں نے کہا کہ اگر اجازت ہو تو میں آپ کو سیر کراؤں۔ وہ راضی ہو گئے۔ دوسرے دن سواری کو موٹر بھیج دی۔ اب وہ لوگ ہمارے ہاں آنے جانے لگے۔ کچھ دن بعد کرایے کے مکان میں سے اُٹھا اُن کو اپنے گھر لے آئے۔ میں نے بیوی سے کہہ دیا کہ اس لڑکے کی ماں کی حرکات ذرا غور سے دیکھنا اور مطالعہ کرنا کہ ایسی کیا خاص بات ہے جس کی وجہ سے ماشاء اللہ ایسا جری لڑکا پیدا ہوا ہے۔ بیوی نے بتلایا کہ وہ دنیا بھر کی چیزوں سے ڈرتی ہیں۔ چھپکلی کا نام آجائے تو اُن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مکڑی دور سے نظر پڑ جائے تو وہ کمرہ چھوڑ بھاگیں حتیٰ کہ اکیلے میں اپنی پرچھائی سے بھی بدکتی ہیں۔ یہ باتیں سُن میں نے بیوی سے کہا کہ بدقسمتی سے اپنے دیس میں ایسی ڈرپوک تو اور بھی بہت سی مائیں ہیں پر کسی کے ہاں اس دل گردے کا لڑکا دیکھنے میں نہیں آیا جو دس برس کی عمر میں گھنٹہ گھر سے ڈر کر بھاگے۔ ذرا خیال رکھو کوئی خاص بات نظر پڑے تو بتانا۔ اتفاق سے ایک دن مہینہ برس کر کھلا اور میری بیوی نے ان سے کہا آئیے ذرا چھت پر چل کر سیر کریں۔ وہ کمرے کے دروازے تک آئیں اور پھر واپس جانے لگیں۔ بیوی نے کہا چلیے نا؛ تو بولیں "بٹیا میں پیر کہاں رکھوں؟

زمین تو دکھائی نہیں دیتی۔ جہاں تہاں آسمان نیچے اُتر آیا ہے۔ بات یہ تھی کہ انگنائی میں چھوٹے چھوٹے گڑھوں میں پانی بھر گیا تھا اور اس میں آسمان کا عکس نظر آتا تھا۔ وہ اللہ کی بندی یہ خیال کرتی تھیں کہ آسمان زمین پر اُتر آیا ہے۔ میری بیوی بھاگی بھاگی میرے پاس آئی اور سارا قصہ سُنایا۔ میں نے کہا دیکھو نا، اب پتہ چلا ہے بے شک ایسی ماں کے ہاں ایسا لڑکا پیدا ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

(حقوق محفوظ)

وقت کی قدر

از مضطر نظامی معلم اردو ڈسٹرکٹ بورڈ اسکول۔ سیال کوٹ۔

دن جو گذرا ہے وہ بتاتا ہے　　وقت جاکے نہیں پھر آتا ہے

ہاتھ ملتا ہے وہ ہمیشہ، جو　　وقت بے فائدہ گنواتا ہے

وقت کی قدر جس نے کی بروقت　　سکھ اُٹھاتا ہے چین پاتا ہے

یاد کرتا ہے جو سبق ہر روز　　جو بلا ناغہ پڑھنے جاتا ہے

پاس ہوتا ہے امتحاں میں وہ　　لڑکا انعام بھی وہ پاتا ہے

اس کی کرتا ہے ہر کوئی عزت　　دل وہ ماں باپ کا کھلاتا ہے

جو نہیں جاتا مدرسے ہر روز　　پڑھنے لکھنے سے جی چراتا ہے

یاد کرتا نہیں سبق اپنا　　مار اُستاد سے وہ کھاتا ہے

فیل ہوتا ہے امتحاں کے وقت　　گھر کو کھسیانا ہوکے جاتا ہے

اس سے ناراض ہوتے ہیں ماں باپ　　قدر اپنی وہ خود گھٹاتا ہے

اس نے غفلت کا کڑوا پھل پایا

پھل وہ محنت کا میٹھا کھاتا ہے

سمندر کے نیچے

فروغ احمد — الہ آباد

۶ر جون سنہ ۱۹۳۰ء کو ایک ایسا دلچسپ حیرت انگیز تجربہ ہونے والا تھا جو اس سے پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔

ایک گاڑی پر ایک بڑا سا نیلا گولا رکھا تھا۔ گاڑی آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔ یہ گولا شاید بھاری تھا۔ گاڑی آہستہ آہستہ شہر کی گنجان آبادی کو پار کرتی ہوئی سمندر کے کنارے پہنچی اور رک گئی۔ کچھ آدمیوں نے جو ملاح معلوم ہوتے تھے اس گولے کو اٹھا کر جہاز کے تختوں پر رکھ دیا جہاز پر کچھ لوگ کھڑے تھے۔ ان میں ڈاکٹر چارلس ولیم بی بے (DR. BEE BE) بھی تھے۔

جب گولا رکھ دیا گیا تو ڈاکٹر چارلس آگے بڑھے گولے کے پاس جاکر رکے اور پھر لیٹ گئے اور لیٹ کر آہستہ آہستہ گولے کی طرف کھسکے اور اندر داخل ہو گئے۔

ایک دوسرا شخص جو اُن کا ساتھی معلوم ہوتا تھا اسی طرح اندر گھس گیا۔ اس شخص کا نام تھا اوٹس بارٹن (OTIS BARTON) اور یہ ڈاکٹر چارلس کا رفیق کار تھا۔

گولے کے سرے پر ایک رسی بندھی ہوئی تھی۔ رسی کا دوسرا سرا ایک مشین سے باندھ دیا گیا۔ مشین نے گولے کو آہستہ آہستہ اوپر اٹھایا اور پھر اسی رفتار سے سمندر میں پھینک دیا۔ لوگوں کے منہ حیرت سے کھلے کے کھلے رہ گئے۔

ڈاکٹر چارلس کا خیال تھا کہ سمندر کے نیچے قدرت کی صنعت کے بہترین نمونے ہیں۔ عجیب و غریب جانور اور عجیب و غریب مچھلیاں ہیں۔ ڈاکٹر ان جانوروں کو اچھی طرح سے دیکھنا اور ان کے بارے میں تحقیق کرنا چاہتے تھے۔

ڈاکٹر چارلس اکیلے ہی شخص نہ تھے جن کو ان سمندری جانوروں سے دلچسپی تھی اور لوگ بھی وہاں کے حالات کا مطالعہ کرنا چاہتے تھے۔ ان میں چند لوگوں نے کچھ گہرائی تک جانے کی کوشش کی۔ یہ تین سو فیٹ تک نیچے گئے کچھ اور لوگ ۵۰۰ فیٹ کی گہرائی تک پہنچے، مگر ڈاکٹر چارلس کے لئے یہ فاصلہ بالکل ناکافی تھا۔ ان کا خیال تھا کہ وہ عجیب و غریب

جانور جن کو وہ دیکھنا چاہتے تھے ۳۰۰ یا ۵۰۰ فیٹ کی گہرائی میں نہیں بلکہ میلوں گہرے پانی میں ہیں۔

جن لوگوں نے کوشش کی وہ ایک خاص قسم کا لباس پہن کر جاتے تھے۔ جو سائنٹفک طریقے پر تیار کیا جاتا تھا۔ اس میں سانس لینے کے لئے آکسیجن سے بھرا ہوا ایک تھیلا بھی لگا رہتا تھا۔ ۵۰۰ فیٹ سے نیچے یہ لوگ نہ جا سکتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ۵۰۰ فیٹ کے نیچے پانی کا دباؤ اس قدر زیادہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص جلدی اوپر نہ پہنچ جائے تو فوری موت یقینی ہے۔ انھیں مشکل سے چند سیکنڈ ملتے تھے اور اس قلیل عرصے میں کسی چیز کو غور سے دیکھنا بہت مشکل کام تھا۔

ڈاکٹر چارلس کوئی ایسی چیز بنانا چاہتے تھے جس کے ذریعے سمندر کے بالکل نیچے تک پہنچ جائیں۔ انھوں نے اپنے دوست (OTIS BARTON) سے مشورہ کیا دونوں نے پچھلی کوششوں کا حال غور سے پڑھا۔ ڈاکٹر اور بارٹن BARTON دونوں نے متفقہ طور پر طے کر لیا کہ معمولی سائنٹفک طریقے پر تیار کیا ہوا لباس کام نہیں دے سکتا اس لئے کوئی دوسری ترکیب کرنی چاہیئے۔ اُن کے سامنے سمندر کی گہرائی تک پہنچنے کے لئے یہ دقتیں تھیں۔ (۱) پانی کا دباؤ ۵۰۰ فیٹ کے نیچے بہت زیادہ تھا۔ (۲) آدمی زیادہ دیر تک کھڑا نہیں رہ سکتا۔ (۳) سمندری جانوروں سے خطرہ وغیرہ وغیرہ۔ دونوں نے اس پر سوچنا شروع کیا کہ کوئی ایسی چیز بنانی چاہیئے جس میں (۱) ایک یا دو آدمی کے بیٹھنے کی جگہ ہو۔ (۲) آکسیجن کی کافی مقدار موجود ہو۔ (۳) سمندر کے نیچے آسانی سے جا سکتی ہو (۴) پانی کے دباؤ کا مقابلہ کر سکتی ہو۔

آخر برسوں کی لگاتار کوشش اور غور و فکر کے بعد دونوں نے ایک ایسی چیز ایجاد کر لی جو ان سب دشواریوں کا مقابلہ کر سکتی تھی۔ اس کا نام تھا (BATHE SPHERE) باتھی اسفیر۔ یہ وہی بڑا نیلا گولا تھا جس میں دونوں لیٹ کر گھسے تھے۔ یہ گولا دھات کا بنا ہوا تھا۔ اس کی موٹائی ۱½ انچ تھی اور قطر ۵۰ انچ۔ ایک گول دروازہ تھا جس کے بالکل سامنے تین کھڑکیاں تھیں۔ دو کھڑکیوں میں ایک خاص قسم کی دھات لگی تھی جس کو انگریزی میں (QUARTZ) کہتے ہیں۔ اس دھات یعنی (QUARTZ) کی صفت یہ ہوتی ہے کہ وہ شیشے کے مانند بالکل شفاف ہوتا ہے۔ یہ کھڑکیاں دیکھنے کے کام میں آتی تھیں۔

آکسیجن پیدا کرنے کا بھی انتظام تھا اور اس میں ٹیلیفون بھی لگا تھا۔ ٹیلیفون اس لئے لگایا گیا تھا کہ وہ حسب خواہش ہدایت کر سکیں۔

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے سمندر کی گہرائی تک پہنچنے کا تجربہ ۶ جون ۱۹۳۰ء کو شروع ہوا اور اس کا بانی اپنے دوست سمیت اس گولے کے ذریعے سمندر میں پھینک دیا گیا۔

تجربہ ٹھیک ایک بجے شروع ہوا۔ باتھی اسفیر

آہستہ آہستہ سمندر کی لہروں کو کاٹتا نیچے، اور
اور ۔۔ اور ۔۔ نیچے پہنچ گیا۔ ۵۰ فیٹ ۔۔۔۔۔
۱۰۰ فیٹ ۔۔۔۔ ۳۰۰ ۔۔۔۔ ۵۰۰ فیٹ
۔۔۔۔ اور ۶۰۰ فیٹ۔ ڈاکٹر کا تجربہ کامیاب
ہوگیا۔ ۶۰۰ فیٹ گہرائی تک ابھی کوئی بھی نہ پہنچا تھا۔
۶۰۰ فیٹ تک یہ لوگ پہنچ گئے۔ اس کے بعد فون کیا گیا
کہ ان کو اوپر کھینچ لیا جائے۔ ۳½ بجے کے قریب دونوں جہاز
کے تختوں پر صحیح و سالم کھڑے ہوئے مسکرا رہے تھے۔
چند دنوں بعد ڈاکٹر نے کچھ اور بھی تجربے کیے
جن میں وہ اور دور بھی گئے۔ ڈاکٹر صاحب ۳۰۰۰ فیٹ
یعنی تقریباً آدھ میل تک جا چکے ہیں۔
ان کو دقتیں بھی پیش آئیں۔ خطرناک قسم کے جانوروں
کا مقابلہ کرنا پڑا۔ ایک دفعہ (BATH SPHERE) میں چھوٹا
سا سوراخ ہوگیا تھا جس کی وجہ سے کچھ پانی بھر گیا
تھا۔ دونوں کو بہت تشویش ہوئی۔ مگر جب یہ اور
نیچے گئے۔ تو پانی خود بخود آنا بند ہوگیا۔
ڈاکٹر نے سمندری حالات کا جو مطالعہ کیا ہے ان کا
ذکر انھوں نے اپنی کتاب نصف میل نیچے میں کیا ہے۔
کبھی موقع ملا تو ان جانوروں کے دلچسپ حالات لکھنے
کی کوشش کروں گا۔

نعیم :- ارے سعید بھائی تم کہاں چلے گئے تھے ہم نے ابھی بڑا اچھا تماشا دیکھا ؟

سرخ بنیائن اور پاجامہ پہنے اور ایک بندریا بھی لہنگا پہنے ---------

سعید :- کیسا تماشا ؟

نعیم :- ہم اور وحید گلی میں کھیل رہے تھے کہ ڈگڈگی کی آواز سنائی دی۔ میں دوڑا دوڑا سڑک پر گیا۔ ایک بندر والا جا رہا تھا۔ ساتھ میں ایک بندر تھا

وحید :- اور بھیا بندر کے سر پہ ایک ٹوپی بھی تو تھی۔ سرخ سرخ۔

نعیم :- ہاں بھئی یہ تو ہم بھول ہی گئے تھے۔ خیر تو میں اسے بلا لایا اور خوب تماشا کرایا

سعید۔ آخر کیا کھیل دکھائے؟

نعیم:۔ بڑے مزے مزے کے کھیل تھے۔ بندر صاحب کا بیاہ ٹھیرا اور وہ اپنی میم صاحب کو بیاہ کر لائے۔ پھر خوب ٹھپے کو دے۔ میم صاحب کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر ٹہلے اور چاروں طرف کا چکر لگایا۔ پھر ڈگڈگی کی کرسی بنی اور بندر صاحب اس پر ڈٹ کے بیٹھے۔ میم صاحب نے اُن کے

کان میں کچھ کہا اور وہ مداری سے خفا ہو گئے اور ڈنڈا لے کر اس کے پیچھے دوڑے بڑی مشکل سے راضی ہوئے۔

سعید۔ یہ تماشا تو ہم کئی دفعہ دیکھ چکے ہیں۔

نعیم:۔ سنئے تو۔ آخر میں مداری ہم سب بچوں سے کہنے لگا اگر تم ایک ایک پیسہ اور دو تو تمھیں نیا تماشا دکھاؤں۔ ہم اور وحید دوڑے دوڑے گھر میں گئے اور امی سے ایک ایک پیسہ لے آئے۔ نئے کھیل کا نام سن کر ابا بھی باہر آ گئے۔

اب مداری نے بندر سے کہا "ہاں بیٹا تم صبح اُٹھ کر کیا کرتے ہو" بندر صاحب نے پہلے تو جیب سے کنگھا نکالا۔ اور بال کاڑھے پھر دونوں ہاتھ اس طرح ملنے لگے جیسے ہاتھ دھو رہے ہوں ہاتھ دھو کر بیلو کی مسواک نکالی اور دیر تک منہ میں گھماتے رہے۔ پھر جھوٹ موٹ منہ میں پانی ڈالنے لگے، جیسے کلی کر رہے ہوں۔ اس کے بعد مُنہ دھویا، ناک میں پانی ڈالا اور کان صاف کیے۔

سعید۔ بھئی واہ! مگر بالوں میں کنگھا مُنہ دھونے سے پہلے ہی کر لیا یہ خوب رہی

نعیم:۔ ہاں بھائی آخر ہے تو بندر ہی۔ خیر تو سب سے

آخر میں بندر صاحب نے ناخن کاٹنے کی نہنی نکالی اور بہت غور اور احتیاط سے ناخن کاٹنے لگے۔ مداری بولا "دیکھو بچو یہ کچھ اشارے کر رہا ہے۔ کہہ رہا ہے کہ کوئی بچہ میری طرح اس صفائی سے ناخن نہیں کتر سکتا۔ اس پر ابا بولے

کھڑے تھے انھوں نے ان سب کے ناخن اور بال دیکھے۔ بس دو ہی چار کی حالت ذرا ٹھیک تھی۔ بہت سے تو شرما کے بھاگ گئے۔ میں نے اور وحید میاں نے اپنے ناخن دکھائے اور بتایا کہ ہم روزانہ منہ دھونے یا

"ہاں وہ بالکل ٹھیک سمجھتا ہے۔ بہت سے بچوں کو ان میں سے اکثر باتوں کی عادت نہیں۔ جو یہ صبح کو کرتا ہے اور ناخن کترنے کا خیال تو شاید ہی کسی کو آتا ہو۔ اب کے آس پاس کے بچے

نہانے کے بعد ناخن صاف کرتے یا کاٹتے ہیں ابا یہ سن کر بہت خوش ہوئے۔ آخر میں بندر صاحب نے سب کو جھک جھک کر سلام کیا اور پھر —

تماشا ختم پیسہ ہضم

نل ، دمنتی

خادم - جبل پوری

ریاست گوالیار میں نرورگڑھ ایک پرانی بستی ہے۔ یہاں کا قلعہ بہت بڑا ہے۔ اسی کے بارے میں مثل مشہور ہے کہ "گڑھ میں گڑھ نرورگڑھ، باقی سب گڑھیاں"۔

اگلے زمانے میں یہ بستی اور قلعہ دونوں آباد تھے۔ یہاں کے راجاؤں میں راجہ نل نیک مزاج، انصاف پسند، رحم دل اور رعیت کے درد و دکھ کا خیال رکھنے والا مشہور راجہ ہوا ہے۔ اس راجہ میں صرف اخلاقی خوبیاں ہی نہ تھیں، بلکہ تندرستی، خوب صورتی اور بہادری میں بھی وہ اپنی مثال آپ تھا۔ لیکن انسان چاہے جتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو اگر اس میں کوئی عیب ہوتا ہے تو وہ اس کی ساری خوبیوں پر پانی پھیر دیتا ہے۔ راجہ نل میں بھی ایک بڑا عیب تھا۔ جس نے اسے پریشان، ذلیل اور گھر سے بے گھر کیا۔

ان دنوں کسی راجہ کی لڑکی شادی کے قابل ہو جاتی تو وہ بہت بڑا جلسہ کرتا۔ دور دور کے امیدوار راجاؤں کو شرکت کی دعوت دیتا اور اپنی لڑکی کو اختیار دیتا کہ وہ جسے پسند کرے اس کے گلے میں ہار پہنا دے۔ جس راجہ کے گلے میں لڑکی ہار ڈال دیتی اسی کے ساتھ اس کی شادی ہو جاتی۔

دمنتی کے باپ نے بھی ایسی ہی مجلس مقرر کر کے بہت سے راجاؤں کو بلایا اور جب دمنتی نے راجہ نل کے گلے میں ہار پہنا دیا تو ان دونوں کی بڑی دھوم دھام سے شادی کر دی گئی۔ اس کے بعد وہ نرورگڑھ آ کر بارہ برس تک عیش و آرام سے زندگی بسر کرتے رہے۔ اس عرصے میں ان کے یہاں ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہو چکے تھے۔

راجہ نل کو جوا کھیلنے کا بڑا شوق تھا وہ اپنا زیادہ وقت اسی میں گذارا کرتا تھا۔ ایک روز اپنے بھائی کے ساتھ چوپڑ کھیلنے جو بیٹھا تو رفتہ رفتہ سارا مال و زر اور راج پاٹ ہار گیا یہاں تک کہ دھوتی کے سوا اس کے پاس کچھ باقی نہ رہا۔

اتفاق سے دونوں بچے ننہال گئے ہوئے تھے نل دمنتی کو لے کر محل سے باہر آ گیا۔ ادھر اس کے بھائی

نے سارے شہر میں منادی کرادی کہ اگر کسی نے نل دمنتی کو اپنے گھر میں پناہ دی تو اُسے سولی پر چڑھا دیا جائے گا۔

بے چارے تین دن تک دربدر ٹھوکریں کھاتے پھرے مگر کسی نے پانی تک نہ پلایا۔ آخر مجبور ہوکر جنگل کی طرف چل دیئے اور جنگلی روکھڑلیوں سے پیٹ کی آگ بجھائی۔

دمنتی راجہ کے گھر پلی، بڑھی، راجہ کے گھر بیاہی گئی۔ وہ اب تک ایسی مصیبتیں کاہے کو پڑی تھی جنگل میں ننگے پیر چلتے چلتے اس کے پیروں میں چھالے پڑ گئے اور ان چھالوں میں کانٹے لگنے سے اس کی جان پر بن بن گئی۔ نل کو اس کی حالت پر بڑا افسوس ہوا اور اس نے کہا کہ "پیاری دمنتی یہ ساری مصیبت خود میری مول لی ہوئی ہے۔ مجھے اپنی حالت پر چھوڑ دو۔ تم میرے ساتھ کیوں تکلیفیں اُٹھا رہی ہو۔ میرا کہا مانو اور اپنے میکے چلی جاؤ۔"

دمنتی یہ سن کر رو پڑی اور جھلا کر بولی "مجھے کوئی ایسی ویسی عورت سمجھ رکھا ہے؟ جو میں اس بُرے وقت میں اپنے آرام کا خیال کروں۔ میں اس سے زیادہ مصیبتیں جھیلنے کے لئے تیار ہوں مگر تمھیں اکیلا نہیں چھوڑ سکتی اور اب اگر مجھ سے ایسی بات کہی تو پھر میں دنیا ہی سے چلی جانے کی کوشش کروں گی۔"

کئی دن کے فاقوں سے دونوں کا بُرا حال ہو رہا تھا ایک روز نل کو کبوتروں کا جھنڈ نظر آیا۔ نل نے اپنی دھوتی کا جال بنا کر اُن پر پھینکا تو وہ دھوتی لے کر اُڑ گئے۔ اس لئے اسے دمنتی کی آدھی ساڑھی پھاڑ کر اپنا بدن ڈھانکنا پڑا۔ دوسرے دن دوپہر کو دمنتی ایک سایہ دار درخت کے نیچے گہری نیند سو رہی تھی۔ نل نے اُس کے کمھلائے ہوئے چہرے کو دیکھ کر آنسو بہائے اور کچھ دیر سوچنے کے بعد سوتا ہوا چھوڑ کر چل دیا۔ جب دمنتی کی آنکھ کھلی تو وہ خود کو اکیلا دیکھ کے بہت گھبرائی۔ اِدھر اُدھر دیکھا نل کا کہیں پتہ نہ تھا۔ مجبور ہوکر آگے بڑھی۔ ابھی تھوڑی ہی دور چلی تھی کہ ایک اژدھے نے حملہ کیا۔ وہ زور سے چیخی۔ آواز سُن کر ایک بھیل آگیا جس نے اپنے تیر سے اژدھے کو مار ڈالا اور دمنتی کو گرفتار کرکے اپنے گھر لے گیا۔ دمنتی اس دیو صورت کالے بھیل کو دیکھ کر سہمی جا رہی تھی کہ بھیل نے اُسے اپنی گھر والی بن جانے کے لئے مجبور کیا۔ دمنتی یہ سن کر آگ بگولا ہوگئی۔ بھیل نے اپنا مطلب پورا ہوتے نہ دیکھا تو تیر کمان اُٹھا کر ایک تیر سے اس کا خاتمہ کر دینا چاہا۔ خدا کی قدرت تانت ٹوٹ کر کمان کا ایک سرا کنپٹی پر اس زور سے لگا کہ وہ سانس بھی نہ لے سکا اور بے دم ہوگیا۔ دمنتی راتوں رات وہاں سے چل کھڑی ہوئی اور کئی دن بعد ایک چھوٹی سی راج دھانی میں جا پہنچی اور وہاں کے رئیس کے یہاں کھانا پکانے پر ملازم ہوگئی۔

دمنتی کے باپ کو جب یہ حال معلوم ہوا تو اس نے ان دونوں کو تلاش کرنے کے لئے جاسوس روانہ

[...]دے۔ تھوڑے دن بعد ان لوگوں نے دمنتی کو تلاش [...]کے اس کے باپ کے پاس پہنچا دیا۔

اب ذرا نل کا حال بھی سنئیے، وہ دمنتی کو جنگل [...]ں چھوڑ کر گھومتا پھرتا اجودھیا جا پہنچا اور یہاں اپنا [نا]م بدل کے اجودھیا کے راجہ کا خدمت گار بن گیا [ا]س طرح کئی برس بیت گئے۔ لیکن دمنتی کے جاسوس [ا]س کی تلاش سے غافل نہیں ہوئے تھے۔ آخر کار انھوں نے [...]وج نکال کے دمنتی کے باپ کو اطلاع کر دی۔

یہ خوش خبری سن کر دمنتی کے باپ نے اجودھیا کے راجہ کو ایک خط لکھا جس میں تحریر تھا کہ راجہ نل کے ملنے کی اب کوئی امید باقی نہیں ہے۔ اس لئے دمنتی کا پھر بیاہ[1] کیا جائے گا جس کے باقاعدہ انتخاب کے لئے آپ بھی تشریف لائیے۔

لیکن یہ خط اس راجہ کو ایسے وقت پہنچایا گیا کہ نل کے سوا اور کوئی گھوڑے ہانک کر اتنی جلدی انتخابی مجلس میں شریک نہیں ہو سکتا تھا۔ دمنتی اپنی خوب صورتی اور نیک سیرتی میں ایسی مشہور تھی کہ اب بھی بڑے بڑے راجہ اس کے ساتھ شادی کرنے کے لئے خواہش مند تھے۔

اجودھیا کے راجہ نے تھوڑے وقت میں اتنی دور پہنچنا دشوار سمجھ کر بہت افسوس کیا تو نل نے اس کی ہمت بندھا کر کہا کہ آپ گھبرائیں نہیں میں وقت سے پہلے وہاں پہنچا سکتا ہوں اور فوراً ہی تیز رفتار گھوڑوں کا رتھ تیار کرا راجہ کو ساتھ لے قبل از وقت دمنتی کے گھر پہنچ گیا۔

دمنتی نے جب اپنے شوہر کو پہچان لیا تو ماں سے اجازت لے کر بھیس بدل کے اس کے پاس آئی اور باتوں ہی باتوں میں پوچھا کہ کیوں صاحب کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ نل نے دمنتی کے ساتھ انصاف کیا؟ نل نے کہا "بے شک اسے ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ لیکن اس نے جو کچھ بھی کیا وہ دمنتی کی بھلائی کے لئے تھا۔ مگر یہ تو کہو کہ کیا دمنتی کو یہ بات زیبا تھی کہ وہ نل کی زندگی میں اسے چھوڑ کر دوسرے کی ہو جائے۔ کیا ایک شوہر پرست عورت کا یہی شیوہ ہونا چاہئے؟" یہ کہتے وقت اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ دمنتی نے پاؤں پکڑ کر کہا "میرے سرتاج یہ سب کچھ ڈھونگ تمہارے ہی لئے تو رچا گیا ہے۔ بھلا یہ تو سوچو کہ اگر مجھے ایسا ہی منظور ہوتا تو پھر صرف اجودھیا کے راجہ کو ہی کیوں بلایا جاتا" نل نے اسے گلے لگا لیا اور آن کی آن میں یہ خبر سب جگہ مشہور ہو گئی۔ اجودھیا کے راجہ نے نل سے معافی چاہی اور مبارک باد دے کر رخصت ہوا۔

دمنتی کے باپ نے نل سے کہا کہ میں بوڑھا ہو چکا ہوں۔ تمہارے سوا میرا اور کون ہے۔ اب تم ہی میرا راج پاٹ سنبھالو، اور مجھے آرام سے بیٹھ کر رام نام جپنے دو مگر نل کی غیرت نے گوارا نہیں کیا اور دمنتی کو وہیں چھوڑ تھوڑی سی فوج ساتھ لے کر اپنے وطن کی طرف چل دیا۔

[1] سوئمبر

اس زمانے میں نرور گڑھ کی رعیت اس کے بھائی کے ظلم و ستم سے عاجز آگئی تھی۔ راجہ نل کی خبر سنتے ہی سارا شہر استقبال کے لئے اُمنڈ آیا۔ نل نے اپنے بھائی کے پاس پیغام بھیجا کہ یا تو وہ دوبارہ چوپڑ کھیلے یا جنگ کے لئے تیار ہو جائے۔ اس کے بھائی نے جان و مال کی شرط پر چوپڑ کھیلنا منظور کر لیا۔ خدا کے فضل سے اس مرتبہ بازی نل کے ہاتھ رہی۔ اس کا بھائی ہار گیا اور اپنی بدسلوکیوں کا بدلہ ملنے کے خوف سے بہت گھبرایا مگر نل نے یہ کہہ کر معاف کر دیا کہ بھائی اس میں تمھارا کوئی قصور نہیں ہے بلکہ یہ سب کچھ میری قسمت کا پھیر اور جوئے کی نحوست تھی۔ پھر اس نے اپنی بیوی بچوں کو بلا لیا۔ شہر میں خوشی کا جشن منایا گیا۔ مسرت کے شادیانے بجے۔ اور راجہ نل نے جوا نہ کھیلنے کی قسم کھا کر چوپڑ کی بساط اور پانسے وغیرہ عام مجمع کے سامنے سندھ ندی کے حوالے کر دئے اور پھر زندگی بھر جوئے کا نام نہیں لیا۔

کہتے ہیں کہ راجہ نل چوپڑ کا موجد تھا۔ چنانچہ اب بھی نرور گڑھ قلعے میں کئی جگہ چوپڑ کے کھدے ہوئے نقش موجود ہیں۔

(۲)

مگر یہاں کی آب و ہوا کچھ ایسی خراب ہے کہ نئے بسنے والے زیادہ دنوں تک زندہ نہیں رہتے۔ زیادہ سے زیادہ چند پیڑھیوں میں ہی خاندان کے خاندان مٹ جاتے ہیں۔ بس تھارو لوگ ایک قوم ہے جسے یہاں کی آب و ہوا راس آئی ہے۔ یہاں کی کھیتی اُن ہی کی بدولت قائم ہے۔ تھارو وہاں کی کھیتی میں استاد ہیں۔ سال میں دو فصلیں پیدا کر لیتے ہیں۔ ربیع کی فصل کے لئے سینچائی کرتے ہیں۔ دھان کے علاوہ اس علاقے میں مکّا جو اجوار، چنا بھی ہوتا ہے۔ گنے کی بھی کچھ کاشت ہوتی ہے۔ تھارو لوگوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ڈیڑھ دو ہزار سال ہوئے یہ پہاڑی علاقے سے اُتر کر ترائی میں پھیل گئے۔ روایت مشہور ہے کہ عرصہ ہوا کہ مینی تال کے ایک چھتری راج کو دشمنوں نے گھیر لیا تو اس کی رانیاں دشمنوں سے بچنے کی غرض سے اپنے نوکروں کے ساتھ نکل کر جنگلوں میں چلی گئیں اور وہیں بس گئیں پورب کے تھار اور پچھم کے موکساس بس ان ہی کی اولاد ہیں۔

ان میں اب تک عورتوں کا مرتبہ مردوں سے زیادہ اونچا ہے۔ اُن کی عورتیں اکثر اپنے خاوند کے ساتھ اسی خیال سے کھانا نہیں کھاتیں۔ یہ لوگ ہزاروں برس سے جنگل میں رہتے رہتے نرے جنگلی ہو گئے ہیں۔ انھیں جنگل اور ندی سے دور چین ہی نہیں ملتا۔ یہ بڑے ہی ہوشیار شکاری ہوتے ہیں۔ پچھلے چالیس سال سے انھوں نے کافی ترقی کر لی ہے۔ ورنہ ان کا علاقہ۔ جادو، ٹونے اور بھوت پریت کا گھر تھا۔

تھارو بہت محنتی ہوتے ہیں۔ کیونکہ اُن کو یہاں کی آب و ہوا راس آگئی ہے اور بیماری بھی نہیں ستاتی یہ میدان کے لوگوں سے چوگنا کام کرتے ہیں۔ کھانے پینے کی انھیں کچھ کمی نہیں۔ اس لئے سب خوش و خرم رہتے ہیں۔ ان کے مکان بہت صاف ستھرے کھلے اور ہوادار ہوتے ہیں۔ یہ اپنے جانوروں کو الگ دوسرے چھپروں میں باندھتے ہیں۔ یہ بہت سچے، ایمان دار اور بھولے ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے پہلے تو

انھیں اُن کے پردہت جنھیں بھرارا کہتے ہیں، بھگتے تھے اور اب یہ بنیئے کے چکر میں پڑ جاتے ہیں۔ ترائی کے انگریزی علاقے کے اکثر تھارو اپنے سیٹھ، ساہوکاروں اور مہاجنوں سے تنگ آکر نیپال جا بستے ہیں۔ یہ بہت آزاد طبیعت ہوتے ہیں۔ پچھلے چند سالوں میں جب گورکھپور کے زمین داروں نے ان پر کچھ دباؤ ڈالا تو یہ ہزاروں کی تعداد میں نیپال جا بسے۔ یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔ ان کی پنچائتیں بہت زبردست ہیں۔ چھوٹے موٹے معاملات تو مقامی پنچایت ہی طے کر دیتی ہے مگر بڑے بڑے معاملے ساری برادری کے سامنے پیش ہوتے ہیں۔ قصہ چاہے نیپال کا ہو چاہے انگریزی راج کا، برادری وہیں جمع ہوتی ہے، جہاں سرپنچ ہوتا ہے۔ اُن کے جھگڑے عدالتوں میں کم جاتے ہیں۔ یہ لوگ کئی گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ ان کی الگ الگ پنچائتیں ہیں۔ چند سال ہوئے حسن پور گاؤں میں پچھوایا تھاروں کے سامنے یہ معاملہ پیش تھا کہ یہ اپنے آپ کو راجپوت کیوں نہ کہیں۔ پنچایت نے بہت سوچ بچار کے بعد اسے رد کر دیا۔ اس فیصلے کی تین وجہیں تھیں:۔

اول:۔ تھاروں میں جہیز ناجائز ہے اور اس حماقت کو اپنے یہاں رائج کرنے کو تیار نہیں۔

دوم:۔ ان میں بیواؤں کی شادی ہوتی ہے اور یہ اسے بند کرنا نہیں چاہتے۔

سوم:۔ یہ سب کے سب کسان ہیں اور راجپوت کو ہل کو ہاتھ لگانا قسم ہے۔ چنانچہ تھارو اب بھی نرا تھارو ہے۔ مگر اپنی ترقی کی خوب کوشش کر رہے ہیں۔ ان کی پنچائتیں اُن کے سدھار میں لگی ہیں چنانچہ اب اُن کے یہاں شادی بیاہ کے موقع پر شراب بند ہے۔ بے جا لینے دینے کی اجازت نہیں۔ پڑھائی کی طرف بھی دھیان ہو چلا ہے۔ انگریزی راج نینی تال ضلع میں انھوں نے سب جگہوں سے زیادہ ترقی کی ہے۔ اور پچھڑی قوموں میں سب سے زیادہ پڑھے لکھے لوگ پائے جاتے ہیں۔

(۲)

پری :- پگلی ...... تم کیا جانو ...... اب میں اس بری طرح نہیں رہ سکتی ۔ پرانا کرتا ...... پھٹی جوتیاں مجھے نہیں بھاتیں ۔ میں پرستان میں جاکر بہترین لباس پہنوں گی ۔

ماں :- پھر زرین کا کیا حشر ہوگا ۔

پری :- زرین ہی کو حاصل کرنے کے لئے یہ سب کچھ کیا گیا تھا ۔

ماں :- تو سچ مچ ! تم زرین نہیں ہو ؟ میں کس طرح یقین کروں ۔

پری :- میں تم کو یقین دلاتی ہوں ۔

ماں :- خدایا زرین کا کیا حال ہوگا ۔

پری :- زرین کی تم کچھ فکر نہ کرو ۔ اس کو ہر طرح آرام پہنچایا جاتا ہے ۔

ماں :- آخر اس غریب بچی کے پکڑنے سے کیا حاصل ؟

پری :- زرین کو ناچنا بہت اچھا آتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ وہ پکڑلی گئی ۔

ماں :- یہ سب کیا طلسمی کھیل ہے ۔ میری سمجھ میں نہیں آتا ۔

پری :- ٹھیک ہے ۔ تم کبھی نہ سمجھ سکو گی ۔ اچھا خدا حافظ ۔

ماں :- خدایا میری مدد کر (سامنے سے باری آتا ہے)

باری :- ہیں ! تم روتی کیوں ہو ۔

ماں :- میری زرین ...... آہ ...... آہ ...... میری زرین

باری :- اچھا سمجھا ۔ تمھاری زرین کو پریاں پکڑلے گئی ہیں ۔

ماں :- کیا بتاؤں بابا ...... آہ میری زرین !

باری :- تم فکر نہ کرو ۔ میری بہن کو بھی پکڑلے گئی تھیں ۔ یہاں قریب میں ایک شاہ صاحب رہتے ہیں ، ان کی مدد سے یہ مشکل آسان ہو جائے گی ۔

ماں :- مجھے بھی اُن تک پہنچا دو میاں ۔

باری :- تمھارے ہاں لڑکی کا پھٹا ہوا کوئی کپڑا ہے ۔

ماں :- ہاں وہی کرتا جس کو پھینک کر پریوں نے دوسرا لباس پہنایا تھا ۔

باری :- پھر تو ٹھیک ہے ۔ تمھارا گھر زیادہ دور تو نہیں ۔

ماں :- بالکل قریب وہ دکھائی دے رہا ہے۔

باری : اچھا تم جلدی سے آؤ۔ میں ابھی شاہ صاحب کے ہاں جاکر پوچھ آتا ہوں (ماں جاتی ہے) باری پلٹ کر دیکھتا ہے۔ ایک فقیر داخل ہوتا ہے (باری جھک کر سلام کرتا ہے) السلام علیکم۔

فقیر :- وعلیکم السلام۔ جیتے رہو بیٹا۔ کہو اچھے تو ہو۔

باری : جی ہاں، آپ کی دعا ہے۔

فقیر :- بیٹا آج تم کچھ پریشان سے نظر آتے ہو۔

باری : جی ہاں، ایک غریب عورت کی لڑکی کو پریاں پکڑ لے گئی ہیں۔ اس کی حالت قابل رحم ہے۔ وہ دیکھئے آ رہی ہے (ماں داخل ہوتی ہے اور ٹھٹک کر رک جاتی ہے۔)

ماں :- مائی گھبراؤ نہیں۔ تمہاری لڑکی مل جائے گی

باری : میں نے اس کا پرانا کرتا بھی منگوا لیا ہے۔

فقیر :- واہ بیٹا اب تم کافی تجربہ کار بن گئے

فقیر کرتا لے کر اپنی جھولی سے ایک ڈبیا نکالتا ہے اور زمین پر بیٹھتا ہے۔ یہ دیکھ کر وہ دونوں بھی زمین پر بیٹھتے ہیں (فقیر ڈبیا کھول کر)

فقیر :- تمہاری آنکھوں میں ابھی طلسمی سرمے کا اثر ہے یہ کاجل اس کو زائل کر دے گا۔ (آنکھوں میں کاجل لگاتا ہے) کرتا زمین پہ رکھ کر ایک چھوٹا سا ڈنڈا اٹھاتا ہے اور کچھ پڑھ کر اس کے کرتے کے اطراف پھراتا ہے۔

فقیر :- اب تم کہیں قریب چھپ جاؤ۔ اب کچھ دم میں پریاں آئیں گی۔ سوائے لڑکی کے کسی کو بھی یہ کرتا دکھائی نہ دے گا۔ وہ فوری سمجھ جائے گی کہ پرستان میں ہے (ایک دوسری ڈبیا دیتے ہوئے) جب تم یہ دیکھو کہ لڑکی خاموش ہے تو تم یہ خاک ان پر ڈالو .... پھر مشکل آسان ہے۔ اچھا اب میں جاتا ہوں۔ (اٹھ کر جانے لگتا ہے)

ماں :- میں آپ کا تہِ دل سے شکریہ ادا کرتی ہوں۔

فقیر :- خدا حافظ۔

باری : عورت کی طرف دیکھ کر۔ گھبراؤ نہیں۔ میں تمہاری مدد کروں گا۔

وہ دیکھو پریاں آ رہی ہیں۔ چلو ہم ان پودوں میں چھپ جائیں۔ (دونوں چلے جاتے ہیں سب سے پہلے آہستہ آہستہ آواز سنائی دیتی ہے۔ اس کے بعد پریاں ناچتی ہوئی داخل ہوتی ہیں۔ ان میں زمین بھی ہے)

نمبر ۱ :- (جو پہلے منظر میں تھی۔ پریوں کی تعداد پانچ یا سات ہو تو کافی ہے۔) آج ہم جی بھر کر ناچیں گے۔ دیکھو آسمان پر چاند نکلا ہوا ہے۔

نمبر ۲ :- زمین اپنے ناچ سے ہمیں خوش کر دے گی۔

نمبر ۳ :- واقعی اس کا ناچ دیکھے کئی دن ہو گئے۔

نمبر ۴ :- آج سے تقریباً ایک سال پہلے زمین ہمیں ملی تھی۔

زمین:- تم لوگ مجھے دق نہ کرو۔ ورنہ شہزادی سے تمہاری شکایت کروں گی۔

نمبر۵:- گویا صاحبزادی کا دماغ آج کل ساتویں آسمان پر ہے۔

نمبر۱:- زیادہ نہ بڑھو ورنہ زمین ناراض ہو جائے گی۔

(زمین کی نگاہ کرتے پر پڑتی ہے اور وہ خاموش ہو جاتی ہے۔)

(زمین کو اس حالت میں دیکھ کر باری بھاگ آتا ہے اور سب پردہ خاک ڈالتا ہے۔ اس وقت اسٹیج کی روشنی بدل کر دھیمی اور خاکستری رنگ کی کر دی جائے بلکہ آتش بازی سے کام لے کر دھواں پیدا کرنا زیادہ مناسب ہے۔)

پریاں:- حیران، پریشان کچھ دیکھنے لگتی ہیں۔

نمبر۱:- تم اپنا طلسمی سرمہ کہاں چھوڑ آئیں۔

نمبر۳:- میں محل میں بھول آئی۔

نمبر۱:- کیا تم میں سے کسی کے پاس بھی نہیں ہے۔

نمبر۲:- اگر ہو بھی تو کیا کیا جا سکتا ہے۔ مقابلہ ناممکن ہے۔

سب پریاں بے ہوش ہو جاتی ہیں (روشنی کو بدل دیا جائے) ماں داخل ہوتی ہے اور زمین سے لپٹ جاتی ہے۔

ماں:- پیاری زمین تم مجھ سے کتنے دن جدا رہیں۔

زمین:- ماں، میں تم کو بالکل بھول گئی تھی۔

ماں:- ہاں بیٹا ایک سال تک میرا بھی یہی حال رہا۔ یہ سب پریوں کی چالیں تھیں۔

زمین:- اماں۔ آخر تم نے یہ سب کیوں کر کیا۔

ماں:- ہم کو ان (باری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) کا ممنون ہونا چاہیے۔

باری:- نہیں میں نے تو کوئی ایسا کام نہیں کیا۔

ماں:- بیٹا تم مدد نہ کرتے تو میری زندگی برباد ہو چکی تھی۔

زمین:- میں آپ کی بے حد ممنون ہوں کاش میں اپنے محسن کو پھر دیکھ سکوں۔

باری:- انشاء اللہ

ماں:- ہمیشہ دیکھا کرو گی (پردہ)

یہ آنے والے زمانے کی ایک کہانی ہے۔ ہم میں سے کوئی نہیں کہہ سکتا کہ درحقیقت آئندہ کیا ہوگا، اس لئے ہم صرف خیالی پلاؤ پکا کر اپنے آپ کو خوش کرنے کے لئے ایک کہانی کہتے ہیں۔

ستاروں نے ٹمٹمانا بند کر دیا۔ وہ دنیا کو دیکھ رہے تھے جو بہت میلی کچیلی ہو گئی تھی اور بڑھاپے کی وجہ سے اس میں جُھریاں بھی پڑ گئی تھیں۔ دنیا کی کھال زمین ہے جس پر ہم اُچھلتے کودتے ہیں۔ یہ جگہ جگہ سے پھٹ گئی تھی۔ اب اس پر خوب صورت پیڑ نہیں اُگتے تھے۔ درخت اور پھل پانی کی کمی کی وجہ سے گرنے لگے تھے۔

یہ سب دیکھ کر دنیا کو بہت رنج ہوا۔ وہ اس بات سے اتنی رنجیدہ ہوئی کہ اپنے آپ کو ہلا دیا اور اس میں زلزلہ سا آ گیا۔ پہاڑوں نے آگ کے شعلے برسانا شروع کر دئے تاکہ جو لوگ اب تک دنیا میں رہتے ہیں ان کو جلا دیں اور وہ اپنا اپنا بوریا بستر کسی دوسری دنیا کے سفر کے لئے سنبھالیں، جہاں زلزلے اور آتش فشانی نہیں ہوتی۔ چرند، پرند نے بھی مچھلیوں اور کیڑے مکوڑوں سمیت سفر کی تیاری کی۔

جن کو گرمی پسند تھی انھوں نے سورج میں جا بسنے کی ٹھانی، دوسروں نے چاند میں، مگر زیادہ تر ایسے تھے کہ اُن کی سمجھ میں ہی نہیں آتا تھا کہ جائیں کہاں؟ آسمان کے متعلق اس سے پہلے انھوں نے کچھ سوچا ہی نہ تھا۔ وہ بہت بڑا اور اونچا نظر آ رہا تھا۔ ہاتھی نے کہا میں یہ فیصلہ کرنے کے لئے کہ ہم کہاں جائیں تم سب کو جغرافیہ سمجھاؤں گا۔ اس نے اپنے کان میں سے نقشہ (اٹلس) نکالا۔ روزانہ شام کو تمام جانور، چڑیا، مچھلیاں کیڑے، مکوڑے اور تمام رینگنے والی چیزیں ہاتھی کے پاس جمع ہو جائیں اور زہرہ، مریخ، مشتری، زحل وغیرہ ستاروں کے متعلق معلومات حاصل کرتیں۔ ذرا سی دیر میں ان سب کو معلوم ہو جاتا کہ وہ کہاں جائیں گے کیا کیا باتیں اس جگہ کے لئے ضروری تھیں اور کس طرح اس میں داخلہ ہوگا۔

صرف چیونٹیاں خاموش تھیں۔ انھوں نے جانوروں کی بے چینی اور جگہ کی تبدیلی کے بارے میں کوئی دلچسپی

...ہر نہیں کی۔ ہاں وہ اپنا روز کا کام برابر کرتی رہیں یے کہ دنیا میں کچھ ہوا ہی نہیں رہا۔ انھوں نے اپنی ایک دنیا خود بنائی۔ اس پر اُن کی ملکہ کی حکومت تھی۔ تربیت یافتہ سپاہی، کام کرنے والے نوکر چاکر، نرسیں اور تمام دوسری چیونٹیاں سویرے سے رات کے اندھیرے تک اپنا اپنا کام کرتی رہتی تھیں۔ اسی وجہ سے شاید دنیا والوں کی گھبراہٹ نے انھیں ذرا بھی پریشان نہ کیا۔

مگر جناب ہاتھی کو چیونٹیوں کے اس اطمینان نے نچلا نہیں بیٹھنے دیا۔ وہ غالباً جغرافیہ سکھانے کی وجہ سے اپنی ذمے داری کو محسوس کرنے لگے تھے۔ انھوں نے اپنی جگہ بیگم صاحبہ (ہتھنی) سے فرمایا "یہ میرا فرض ہے کہ جان دار اس بڑھی دنیا سے صحیح سلامت نکل جائے اور آیندہ زندگی کے لئے اسے نئی اور اچھی دنیا ملے۔

ہاتھی نے اپنی لانبی ریشمی ٹوپی پہنی۔ جس کے متعلق بیگم صاحبہ فرماتی ہیں کہ وہ ٹوپی اُسے عہدے دار بنا دیتی تھی۔ وہ چیونٹیوں کی ملکہ کے محل کی طرف روانہ ہوا تاکہ ملکہ کو دنیا کی اونچ نیچ سمجھائے۔ ہاتھی بڑی احتیاط سے سنبھل سنبھل کے قدم رکھتا ہوا ملکہ تک پہنچا۔ اس کو خیال تھا کہ کہیں ملکہ کی رعایا پیروں تلے آکر دب نہ جائے۔

محل مٹی کا ٹیلا تھا۔ اس کے پاس ناگ پھنی کی جھاڑیاں تھیں۔ وہاں پہنچ کر ہاتھی تین بار چنگھاڑا جب اس نے ملکہ کو محل کے باہر کھڑکی میں سے جھانکتے ہوئے دیکھا تو بہت ہی مودبانہ طریقے سے لمبے سلام کیا اور کہا "خاتون میں درخواست کرتا ہوں کہ آپ ہمارے جغرافیے کے درجے میں ضرور شریک ہوں۔ وہاں آپ دوسری آرام کی دنیاؤں میں جانے کا راستہ سیکھیں اس لئے کہ دنیا جس میں ہم رہتے ہیں اب پرانی ہوگئی ہے اور اس قابل نہیں رہی کہ زیادہ دنوں ہم اس میں رہیں۔"

ملکہ نے جواب دیا۔ "یہ تو ہمیں معلوم ہی تھا۔ ہمیں دوسری آرام دہ دنیاؤں میں جانے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ ہم خود اپنی ایک نئی دنیا بسا رہے ہیں" اپنے تاج کو ٹھیک طرح سر پر جماتے ہوئے وہ کہتی رہی "ہم اس وقت تک نہیں جائیں گے جب تک کہ یہ دنیا ریزہ ریزہ ہو کر ختم نہ ہو جائے۔ پھر ہم میں سے ہر ایک اپنے کئے کا پھل پائے گا۔ تم سب جب سیاروں اور ستاروں پر اپنے وجود کو قائم رکھنے کی کوشش کروگے جو خواب و خیال سے بڑھ کر کچھ نہیں اس وقت چیونٹیوں کی دنیا بادلوں میں مزے سے ناچتی پھرے گی۔ اس کے ایک سرے سے دوسرے تک ہمارا حسب حال کتبہ اور اصول عمل "چیونٹیوں کی دنیا چیونٹیوں کو مبارک" لکھا ہوگا۔ جس کے معنے یہ ہوئے کہ ہم اپنے سوا اور کسی کو اس میں رہنے کا حق نہیں دیں گے۔"

ہاتھی نے اپنی ریشمی ٹوپی اتارتے ہوئے ملکہ کو سلام کیا اور چل دیا۔ اس کو اِن باتوں سے ٹھیس لگی تھی۔ اس نے نقشہ اپنے کان میں سے نکالا اور زہرہ میں جانے کا سب سے قریب کا راستہ معلوم کرنے لگا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کی نئی دنیا زہرہ میں بنے گی۔

پہیلیاں[لہ]

(۱) ایک چڑیا چونڈے دار
دیوے انڈے نو ہزار

(۲) کچا کچلو دودھ گراتا۔ پکا پھوڑو جیوا اڑ آتا
اس کی بوجھ کوئی نہ پاتا۔ ارتھ بتاوے تم کو ماتا

(۳) ہری ڈنڈی سفید بھات
لوگو لینا ہاتھوں ہات

(۴) سفید مرغی سبز پر۔ جو نہ بوجھے سو جائے گھر

(۵) لکڑی کا گھوڑا۔ چمڑے کی لگام
جو نہ بوجھے سو حجام

(۶) سُرخ ڈنڈی سفید پر
بوجھو تو بوجھو نہیں سدھارو گھر

(۷) ایک نار نورنگی چنگی۔ چھ نالے لٹکائے
ناک میں نکیسر پہنے۔ دونوں کان بندھائے

(۸) ست دھرم کا سوداگری۔ جتنا ہوئے نیلے
خدا سی چپکی بھدکتی جائے
نوسو انڈے دیتی جائے

(۹) اتنی سی فتنی۔ کام کرے کتنی

(۱۰) چھوٹی سی ہے ایک نار
ڈبکی مارے جائے پار

(۱۱) سب تن زخمی بن پیروں وہ چلتا ہے
راج دلارا سب کا پیارا قسمت سے وہ ملتا ہے

(۱۲) مولی کا سا قتلا دہی کا سا بھیس
بوجھ تو بوجھ نہیں چھوڑ ہمارا دیس

(۱۳) ایک پہیلی میں کہوں تو سن لے میرے پوت
بنا پروں وہ اُڑ گئی۔ باندھ گلے میں سوت

(۱۴) چار کھونٹ چودہ چوبارے
جن میں کھیلیں دو بنجارے

(۱۵) ایک تھال موتیوں سے بھرا۔ سب کے سر پر اوندھا دھرا
چاروں اور وہ تھال پھرے۔ موتی اس سے ایک نہ گرے

(۱۶) نیلی چادر میں چاول بندھے
دن کو غائب رات کو ملے

شاہد علی لکھا

لہ جواب صفحہ ۳۷۳ پر دیکھو۔

اس مرتبہ ہم تمھیں ایک ایسی چیز بنانے کی ترکیب بتاتے ہیں جس کی ہر پڑھے لکھے آدمی کو ضرورت ہوتی ہے ۔ یہ فائل کہلاتا ہے خواہ طالب علم ہو یا استاد، دفتر کا منشی ہو یا دوکان دار، اخبار کا ایڈیٹر ہو یا مضمون نگار، غرض ہر ایک اپنے ضروری کاغذات رکھنے کے لئے مختلف چیزیں استعمال کرتا ہے۔ جو لوگ احتیاط سے کام نہیں لیتے وہ نقصان اٹھاتے ہیں ۔ اگر ایک بھی ضروری کاغذ گم ہو جاتا ہے تو کبھی کبھی بہت نقصان ہو جاتا ہے

ان کاغذات کو محفوظ رکھنے کے لئے سب سے زیادہ مفید چیز فائل ہے۔ اب تو تمھیں فائل بنانا آہی جائے گا بس اپنے ضروری کاغذات اسی میں رکھا کرنا ۔ اپنی بنائی ہوئی چیز ہوگی ۔ اپنے ہی کاغذات ہوں گے ۔ دیکھ کر طبیعت بھی خوش ہوگی ۔ اب طریقہ سن لو:۔

کسی وزن کا گتا لے کر اس میں سے (۱۴ انچ × ۱۰ انچ) کے دو مستطیل کاٹ لو ان میں سے ایک پر کوئی رنگین کاغذ چپکا دو ۔ رنگین کاغذ کے بجائے اپنے ہاتھ کی ابری لگا سکتے ہو۔ چپکانے کا طریقہ وہی ہوگا جو بلاٹنگ پیڈ کے مضمون میں بتایا جا چکا ہے ۔ اب اس کے دوسری طرف کسی اور موزوں رنگ کا کاغذ چپکا دو (۱) اس کے بعد

(۱)
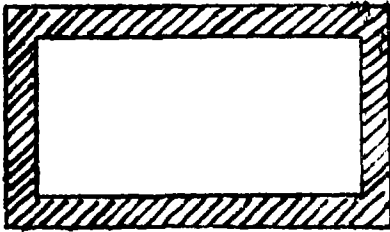
دوسرا مستطیل لے کر اس کی لمبائی میں سے ایک ڈیڑھ انچ چوڑی پٹی کاٹ لو (۲) اور حصہ ب میں سے دو سوت

(۲)

چوڑی پٹی نکال لو اب (BINDING CLOTH) یا کسی اور کپڑے کی ایک ۳ ½ انچ چوڑی اور ۱۶ انچ لمبی پٹی کاٹ کو اس پر لیہی لگاؤ اور (۲، ب)

پٹیوں کو اس صورت سے چپکا دو (۳) اور دوسری

طرف موڑو (۴)، جس طرف پٹی لگائی گئی ہے اس طرف

ایک کاغذ اور چپکا دو۔ نمبر(۵)، موڑو اور دوسری

طرف ایک کاغذ اور چپکا دو (نمبر۶) شکل نمبر(۱) اور

اور شکل نمبر ۶ کے دوسرے رخ پر دو دو سوراخ کرکے جوتے والے زنگ لگا دو اور ان میں فیتا ڈال دو۔ بس فائل تیار

پہیلیوں کے جواب

(۱) پوست (۲) گولر (۳) بیلے کا پھول (۴) مولی (۵) کھڑاؤں (۶) ہار سنگھار (۷) ترازو (۹) سوئی (۱۰) سوئی (۱۱) روپیہ (۱۲) روپیہ (۱۳) پتنگ (۱۴) آسمان، سورج، چاند (۱۵) آسمان (۱۶) آسمان تارے

ایک تو ہے خوردبین جس سے بڑی ننھی ننھی اور ایسی چیزیں بھی دکھائی دیتی ہیں جو ویسے نظر نہیں آتیں اور ایک ہے دوربین جس کے ذریعے چاہو تو کروڑوں میل کے ستارے بھی دیکھ لو۔ مگر ان دونوں کے علاوہ

ایک اور چیز بھی ہے۔ بہت دلچسپ، یہ گل بین ہے۔ اگر تم ایک آنکھ بند کرکے دوسری آنکھ سے اس میں دیکھو تو رنگ برنگے پھول نظر آئیں گے۔ بازار سے مول نہ لانا بہت مہنگی ملے گی۔ خود بنالو۔ بہت آسانی سے بن جائے گی۔ ترکیب ہم سے سن لو۔

پہلے ایک معمولی دفتی کا خول بناؤ۔ اس کی لمبائی آٹھ انچ اور قطر ڈیڑھ انچ ہو۔ اب تین عدد صاف شفاف شیشیوں کو گول کرلو۔ ان کا قطر ۱½ انچ

سے ایک ذرا نکلتا ہوا ہو۔ ان میں سے ایک شیشے پر A لگا دو۔ مضبوطی کا خیال رکھنا۔

اب کچھ رنگین کانچ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اس میں ڈال دو۔ چوڑیوں کے ٹکڑے ہوں تو بہت اچھا ہے۔ یہ مختلف رنگوں کی ہوتی ہیں۔ سبز، سرخ نیلی، زرد وغیرہ۔

دوسرا گول شیشہ ب کے اندر کی طرف لگادو یوں سمجھو کہ اس خول کے ایک طرف ایک چھوٹی سی ڈیڑھ انچ کی ڈبیا لگی ہے۔ جس میں کانچ کے ٹکڑے پڑے ہیں اور ہر طرف سے نظر آرہے ہیں، لیکن گرتے نہیں۔

اب تین سفید لمبے لمبے شیشے اور لے لو۔ ان میں سے ایک کی لمبائی ۲½ اور دو کی چھ انچ ہو۔ ایک

اس طرح آپس میں باندھو کہ ایک مثلث معلوم ہو۔ دیکھو س خوب مضبوط باندھنا۔ اب اسے س کی طرف سے داخل کر دو یعنی س اور ن مل جائیں

کی گل بین تیار ہو گئی۔ اسے ذرا اوپر سے بھی خوب صورت بنا دو۔ ہاں تو اسے دیکھو گے کیسے؟ بس ایک آنکھ بند کر لو۔ اور دوسری سے وہ جو س

بس چھوٹ موٹ کو ذرا سی جگہ رہ جائے۔ اب رہ گیا ایک گول شیشہ اسے س کی جگہ لگا دو۔ دیکھو یہ خول ہر طرف سے بند ہو گیا نا؟ تو اب ایک کاغذ میں گول سوراخ کر کے س پر چپکا دو۔ لیجئے صاحب آپ

پر تم نے سوراخ بنایا ہے تو اس سوراخ سے دیکھو گل بین کو آہستہ آہستہ گھماتے بھی جاؤ۔ بڑے اچھے اچھے پھول دکھائی دیں گے۔ یہ کھلونا تمہیں پسند آیا تو دوسرے کھلونے بنانے کی ترکیب بتائیں گے۔

لنگڑی

تعداد :- دس سے تیس تک
جگہ :- صحن ، میدان ، کشادہ جگہ -

میدان میں کھلاڑیوں کی تعداد کے مطابق ایک دائرہ کھینچا جاتا ہے - اس کے ایک طرف جیسا کہ شکل میں دکھایا گیا ہے ایک دروازہ رکھا جاتا ہے - پھر سب کھلاڑی دو ٹولیوں میں تقسیم ہو جائیں - اگر وہ اس قسم کی غلطی کرتا ہے تو وہ باہر نکال دیا جاتا ہے اور اس کی باری

ختم ہو جاتی ہے - وہ اپنی مرضی سے بھی باہر نکل سکتا ہے جیسے ہی وہ باہر نکلتا ہے اس کی ٹولی کا دوسرا کھلاڑی ایک پیر پر اچھلتا ہوا ، پہلے کھلاڑی کی طرح دائرے میں آجاتا ہے اور مخالف ٹولی کے کھلاڑیوں

کو چھوکر باہر نکالنے کی کوشش کرتا ہے - اس طرح اس ٹولی کے دوسرے کھلاڑی باری باری سے دائرے میں جاتے ہیں - جتنے وقت میں اندر والے کھلاڑی باہر نکل جاتے ہیں وہ وقت لکھ لیا جاتا ہے - اس کے بعد دونوں ٹولیاں جگہ بدل لیتی ہیں - اندر والی ٹولی

باہر اور باہر والی ٹولی اندر آجاتی ہے۔ جتنے وقت میں یہ کھلاڑی باہر نکلتے ہیں، وہ وقت بھی لکھ لیا جاتا ہے۔ جس ٹولی کے کھلاڑیوں کو دائرے کے اندر کے کھلاڑیوں کو باہر نکالنے میں کم وقت لگتا ہے، وہ فریق جیتا ہوا خیال کیا جاتا ہے۔ اور دوسرا ہارا ہوا۔

احتیاط:۔

(۱) دائرے میں ایک پیر پر پھدکنے والا کھلاڑی جیسے ہی دائرے سے باہر نکلے ویسے ہی اس کا دوسرا ساتھی دروازے سے اندر آگھسے۔ اس سے بہت وقت بچتا ہے۔

(۲) ایک پیر پر پھدکنے والا کھلاڑی دائرے کے کسی حصے سے باہر نکل سکتا ہے۔

ایک ٹولی کے تمام کھلاڑی دائرے کے اندر چلے جائیں۔ دوسری ٹولی کے کھلاڑی دائرے کے اندر دروازے پر ایک قطار میں کھڑے ہوجائیں۔

کھیل شروع ہونے پر باہر کے فریق کا پہلا کھلاڑی ایک پیر پر دائرے کے اندر آتا ہے اور دائرے کے اندر کے زیادہ سے زیادہ کھلاڑیوں کو چھونے کی کوشش کرتا ہے مگر دائرے والے ادھر ادھر دوڑتے ہیں اور اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ چھوئے نہ جائیں جتنے کھلاڑی چھوجاتے ہیں وہ مرے ہوئے تصور کئے جاتے ہیں اور ان کو اسی وقت دائرے سے باہر نکل جانا پڑتا ہے۔ پیچھا کرنے والوں کو پھدکتے وقت پیر بدلنے یا جسم کا کوئی حصہ زمین سے لگانے کی اجازت نہیں ہے، نہ اس کو اپنا پیر دائرے سے باہر نکالنا چاہیئے۔

۹ جولائی ۱۹۳۹ء

مکرمی و محترمی ایڈیٹر صاحب تسلیم

ماہ جولائی کا پیام تعلیم وصول ہوا۔ آپ نے حقیقت میں رسالے کی ترقی میں بہت کام انجام دیا۔ آپ کی یہ پرجوش کوششوں کا نتیجہ ہے کہ ماہ جولائی کا پیام تعلیم پہلے سے بھی بہت اچھا نکلا۔ اس کو دیکھتے ہی میں اس قدر خوش ہوا کہ اس کا قلم بند کرنا میرے بس سے باہر ہے۔ جولائی کے پرچے سے میری خریداری کی مدت ختم ہوتی ہے۔ میں مزید ایک سال کی توسیع کرنا چاہتا ہوں براہ کرم منیجر صاحب سے کہہ کر اگست کا پرچہ میرے نام وی پی سے روانہ فرمائیے۔ ہماری دعا ہے کہ آیندہ کا پیام تعلیم اس سے بلند دیکھیں

نوٹ:۔ ایسے ایسے خط ہمارے پاس بہت سے آتے ہیں۔ منیجر

کاغذ کاٹنا

(۲)

غبارے

سامان :-

(۱) بڑے غباروں کے لئے (دو) ، دو انچ مربع کاغذ کے سات رنگین ٹکڑے ، نیلے ، ہرے ، لال کالے ، سفید ، زرد ، نارنجی رنگ کے۔

(۲) چھوٹے غباروں کے لئے ، چھ یا سات ایک انچ مربع کاغذ کے ٹکڑے ان ہی رنگوں کے۔
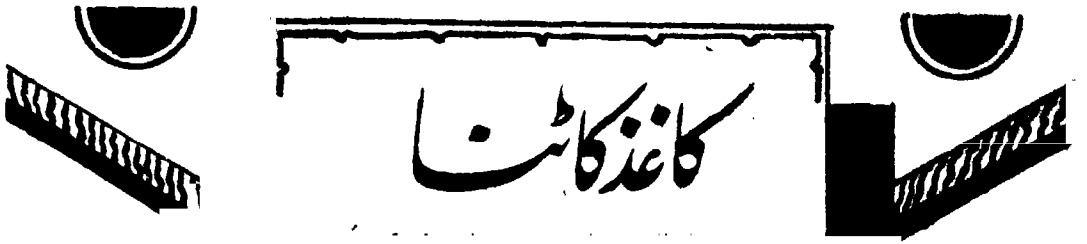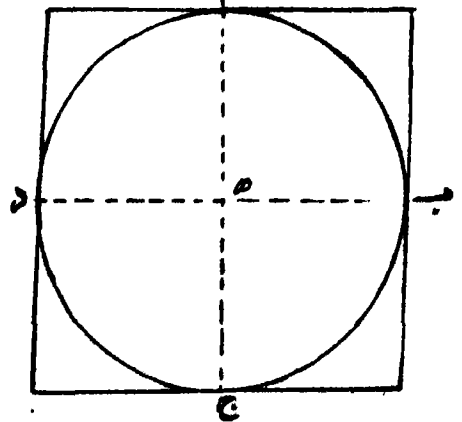
(۳) ایک تختہ سفید یا رنگین ڈرائنگ پیپر پندرہ انچ لمبا ۱۱ انچ چوڑا۔

ترکیب :-

دو انچ مربع کاغذوں کو پنسل سے چار حصوں میں تقسیم کردو۔ اب (ھ) کو مرکز بناؤ اور اس پر پرکار کی نوک کو رکھو پھر الف پر پنسل رکھ کر ایک گول دائرہ کھینچ دو۔ جو ب ۔ ج اور د کو کاٹے گا۔ ہر مربع اس طرح گول بنا دو۔ پھر انھیں بہت احتیاط سے قینچی سے کاٹ لو۔ چھوٹے غبارے بھی اسی طرح

بنیں گے۔ اب ان غباروں کو جس طرح تصویر میں بتایا گیا ہے ، کاغذ پر چپکا دو اور ان کے تاگے کالی پنسل سے کھینچ دو۔

کالا
اودا
سرخ
سبز
اودا
زرد
زرد
سرخ
کالا
پیلا
سفید
اودا
اودا
نارنجی
سبز
سرخ

دلچسپ معلومات

برطانیہ میں سنہ ۱۹۳۶ء میں ۵۰۱۶ کمپنیاں کرائے پر سواری گاڑیوں کو چلانے کا کام کرتی تھیں اس کے مقابلے میں سنہ ۱۹۳۷ء کے اختتام تک تعداد صرف ۴،۹۸ رہ گئی۔ ہاں گاڑیوں کی تعداد ۴۰۰۴،۴ سے ۴،۷۵۹۴ ہوگئی اور ان میں اوسطاً بیٹھنے کی گنجائش ۳۴۰۳ کے بجائے ۳۵۰۵ سیٹ ہوگئی صرف ۶۴۸۱ ایسے لوگ ہیں جو ایک ایک گاڑی کے مالک ہیں۔ ورنہ لندن پاسنجر ٹرانسپورٹ بورڈ سنہ ۱۹۳۶ء میں ۶۵۳۷ گاڑیوں کا واحد مالک تھا اور سنہ ۱۹۳۷ء میں ۶۳۰۵ اور بڑھ گئیں۔ دو اور کمپنیوں نے بھی سنہ ۱۹۳۶ء کے مقابلے میں سنہ ۱۹۳۷ء میں ایک ہزار کا اضافہ کیا بہت زیادہ ایسی کمپنیاں ہیں جن میں ہر ایک کم از کم دس گاڑیوں کی مالک ہے سنہ ۱۹۳۷ء میں مسافروں کی تعداد ۶۶۶۲۰۰۰۰۰ تھی جو ۳،۷ فی صدی سنہ ۱۹۳۶ء کے مقابلے میں بڑھ گئی تھی

ایک افریقی سفید بالوں والے نے افریقہ کو مغربی سرے سے مشرقی سرے تک پیدل چل کر پار کیا۔ اس کے ساتھ اس کی بیوی اور لڑکی بھی تھی ۔ وہ انگولا سے موزمبیق جہاں وہ پیدا ہوا تھا پہنچے۔

سودا ایکس انھیاسا (اسی آدمی کا نام ہے۔) پرتگالی مشرقی افریقہ میں ایک سپاہی کی حیثیت سے لڑا تھا۔ اس کے بعد اس کو پرتگیز گنی اور انگولا کی مقامی لڑائیوں پر بھیجا گیا اور انگولا میں وہ ایک شہری کی حیثیت سے رہنے لگا۔ اس کو برسوں سے اپنی پیدائش کی جگہ دیکھنے کی خواہش تھی۔ روپیہ نہ ہونے کی وجہ سے وہ کسی سواری پر نہیں جا سکتا تھا۔ چھ سال پہلے اس نے پیدل جانے کا ارادہ کیا اور اس کی لڑکی اور بیوی بھی اس کے ساتھ پیدل چلنے پر راضی ہوگئیں۔

حال ہی میں یہ تینوں لورنکو مارکوئس پہنچے ہیں۔ جہاں ان کے اس طویل سفر نے لوگوں میں کھلبلی مچادی ہے۔ وہ اپنے سفر ریگستان اور جنگلوں کے عجیب وغریب پر لطف اور دلچسپ قصے سناتے ہیں کہ کس طرح انھوں نے غیر آباد اور مشکل گذار راستوں کو طے کیا (وطن کی محبت ایسی ہوتی ہے کہ اس کے حاصل کرنے کے لئے ہر قسم کے دشوار گذار راستوں کو طے کرنا ہوتا ہے۔
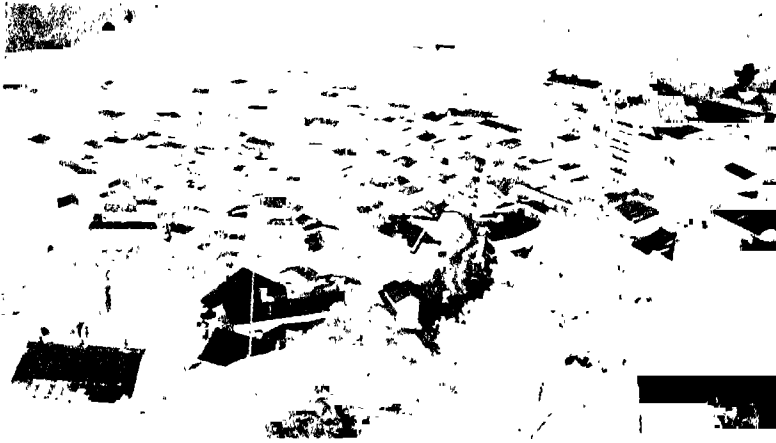
''کوہ مری کا ایک نظارہ'' مرسلہ شیخ محمد اقبال صدیقی کیمبل پور

''پنہاری''

(مرسلہ محمد دین راولپنڈی)

''کچھ بجا رہے ہیں''
مرسلہ احمد الصمد بنوں

پیام برادری کے چند ممبر

شیخ محمد اقبال صدیقی (کیمبل پور)

عبدالستار (کراچی)

ام-خانم اللہ نثار چار سدہ (پشاور)

ام-نور محمد شفق (پشاور)

سویڈن نیشنل رائل اکاڈمی آف سائنس کی ۲۰۰ برس کی سال گرہ منانے کے لئے سویڈن گورنمنٹ نے چار ٹکٹ کم قیمت کے چھاپے ہیں۔ ٹکٹوں پر جان برزی لوئس اور کارل وان لنی نامی دو ممبروں کی تصویریں ہیں۔ سویڈن میں یہ ٹکٹ ہر ڈاک خانے میں عام طور سے مل سکیں گے اور جمع کرنے والوں کو دقت نہیں ہوگی

یونان کے ٹکٹ یونان سے جزیرہ لونین کی ۷۵ ویں سال گرہ کے موقع پر پانچ خاص ٹکٹ جاری ہوئے تھے۔ ان ٹکٹوں پر ملکہ وکٹوریہ کی تصویر ہے۔ یہ تصویر اس واقعے کی یاد دلاتی ہے جب کہ ۱۸۶۴ء میں شاہ یونان کو شادی پر یہ جزیرے دیئے گئے تھے اس سے پہلے کبھی برطانیہ کے حکمران کی تصویر کسی دوسرے ملک کے ٹکٹوں پر نہیں چھپی تھی۔

ہندوستانی ریاستوں کے ٹکٹ لندن کے بازاروں میں یہ بہت ہی کم ہوتا ہے کہ ہندوستان کی ریاستوں کے ٹکٹوں کا مکمل مجموعہ فروخت ہو۔ ان کی قیمت کا اندازہ بھی مشکل ہی سے لگایا جا سکتا ہے۔ بہر حال ابھی ابھی سات سو ریاستوں اور ایک ہزار چار سو ایسی ریاستوں جن سے برطانیہ کا معاہدہ ہے، کے ٹکٹ اچھی حالت میں بک رہے ہیں ان کی قیمت تقریباً ۲۶۰ روپئے ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ یورپ میں ہندوستانی ریاستوں کے ٹکٹ عام طور سے پسند نہیں کئے جاتے۔

واشنگٹن سے مارسلیز تک پہلی ہوائی ڈاک یانکی کلیپر نامی جہاز پر گئی تھی۔ ۳۰ سینٹ کا ہوائی ٹکٹ اس موقع پر استعمال ہوا تھا۔ ٹکٹ کا رنگ نیلا ہے جمع کرنے والے اسے شوق سے جمع کر رہے ہیں۔

مناکو میں دس خیراتی ٹکٹ جاری ہو رہے ہیں ان ٹکٹوں پر گذشتہ عہد کے بادشاہوں کی تصویریں ہوں گی۔ ان ٹکٹوں کے متعلق یہ خیال کیا جا رہا ہے کہ جمع کرنے والے اور بیچنے والے سب کے سب اس کا بائیکاٹ کریں گے اور فہرست چھاپنے والے بھی اپنی فہرست میں ان کو مشتہر نہیں کریں گے ؎

یکم جولائی کو کراچی پینگولر کرکٹ ٹورنامنٹ کے فائنل میں ہندو ٹیم کے مقابلے میں مسلم ٹیم کی زبردست فتح ہوئی۔ مسلم ٹیم نے مسلسل تین سال تک چیمپین شپ حاصل کیا ہے۔ میچ دیکھنے کے لئے بہت بڑا مجمع تھا اور گورنر سندھ بھی موجود تھے۔

ڈورنڈ فٹ بال ٹورنامنٹ ۱۶ ستمبر سے شروع ہوگا۔ اس میں ٹیموں کا داخلہ ۱۰ ستمبر تک ہوگا اور ٹیموں کی واپسی (ڈرا) ۱۱ تک

مدراس میں ۳ جولائی کی شام کو مدراس کرکٹ کلب ہاکی ٹورنامنٹ کا فائنل ہوا۔ بھوپال وانڈررس اور سینٹ جوزف کالج بنگلور کے درمیان مقابلہ تھا۔ بھوپال وانڈررس کو پانچ گول سے کامیابی حاصل ہوئی۔

ڈاکٹر اے. سی. چٹرجی کے پاس جو انڈین ہاکی فیڈریشن کے سکریٹری ہیں، ایک تار سکریٹری چیمپئن ٹو مانڈے ہاکی ہالینڈ کے پاس سے آیا ہے۔ تار میں لکھا ہے کہ دنیا کی ہاکی چیمپین شپ میں ہندوستانی ٹیم حصہ لے گی اس کے علاوہ اور ملکوں میں بھی ہندوستان کی ٹیم کے لئے میچز کھیلنے کا انتظام کیا جا رہا ہے۔

کوئٹہ میں اسٹاف کالج (×) نے کوئٹہ کالو ہینڈی کپ پولو ٹورنامنٹ اسٹاف کالج (ح) سے کھیل کر دو گول کے مقابلے میں پانچ گول سے جیت لیا۔

ہاگ ۳۰ جون، ڈچ فٹ بال ایسوسی ایشن نے انگلش فٹ بال ایسوسی ایشن کا دعوت نامہ قبول کر لیا ہے۔ ۸ نومبر کو انگلینڈ میں شیفیلڈ ویڈنسڈے گراؤنڈ پر ان دونوں ٹیموں کا مقابلہ ہوگا

اِنعامی مقابلہ

سو روپئے کے انعام

ابھی تھوڑے دنوں کی بات ہے تم نے اردو اکادمی جامعہ ملیہ کی طرف سے تین ہزار روپئے کے انعامی مقابلے کا اعلان پڑھا ہوگا۔ مقابلے اور پھر انعامی مقابلے کے ذریعے کسی کام کے لئے آمادہ کرنا بہت اچھا دستور ہے۔ پیامِ تعلیم تو کسی نہ کسی شکل میں اس سلسلے کو برابر جاری رکھتا ہے۔ اگر اس کی مالی حالت اچھی ہوتی تو وہ اردو اکادمی سے بھی آگے ہوتا اور ہزاروں روپئے کے انعام اپنے پیامیوں میں تقسیم کرتا۔ پھر بھی ہم دس دس روپئے کے دس انعاموں کا اعلان کرتے ہیں یہ دس انعام دس بہترین کہانیوں پر دیے جائیں گے۔

تم نے جولائی کے پیامِ تعلیم میں ایک کہانی ننھا ٹٹو پڑھی ہوگی۔ بس اتنی ہی صاف سادہ اور آسان زبان میں یہ کہانیاں لکھی جائیں گی۔ کہانی لکھنے کے لئے عمر کی قید نہیں ہے۔ پیامِ تعلیم پڑھنے والا چھوٹا یا بڑا مقابلے میں حصہ لے سکتا ہے۔

کہانی لکھتے وقت ان باتوں کا خیال رکھا جائے۔

(۱) کہانی خوش خط۔ کاغذ کے ایک ہی طرف ایک سطر چھوڑ کر لکھی جائے۔

(۲) کہانی کے عنوان کے نیچے یہ جملہ ضرور لکھ دیا جائے۔ "اگست ۳۹ء کے انعامی مقابلے کے لئے لکھی گئی"۔

(۳) کہانی "ننھا ٹٹو" سے کم از کم بیس پچیس سطر بڑی ہوگی (سطر پیامِ تعلیم کی)

(۵) کہانی زیادہ سے زیادہ ۵ ستمبر تک پیامِ تعلیم کے دفتر میں پہنچ جائے۔

(۶) جس کہانی پر انعام دے دیا جائے گا، وہ مکتبے کی ملک ہوگی۔ لکھنے والے کو آئندہ اس پر کوئی حق نہ ہوگا۔

معمّا

میں ایک بارہ حرفی جملہ ہوں جس کے

(۱) ۲ + ۳ حرف کو ملانے سے ایک جلانے والی چیز کا نام بنتا ہے۔

(۲) ۸ + ۹ + ۷ کے ملانے سے بدن کا ایک ضروری عضو بنتا ہے۔

(۳) ۷ + ۶ + ۵ + ۸ کو ملانے سے رسم کے معنی پیدا ہوتے ہیں۔

(۴) ۹ + ۸ + ۷ کو ملانے سے گھنٹے کا ہم معنی لفظ بنتا ہے۔

(۵) ۳ + ۴ + ۷ کو ملانے سے انسان کے بدن کا ایک رنگ بنتا ہے۔

(۶) ۷ + ۶ + ۵ کو ملانے سے گیہوں کی بدلی ہوئی صورت۔

(۷) ۷ + ۵ + ۸ + ۲ کو ملانے سے بادشاہ کے معنی پیدا ہوتے ہیں۔

(۸) ۹ + ۷ + ۴ کو ملانے سے استاد کے معنی پیدا ہوتے ہیں۔

(۹) ۱ + ۸ کو ملانے سے عدالت ججی کے ایک اہم عہدے دار کا نام بنتا ہے۔

(۱۰) ۸ + ۹ ایک ایسی چیز کا نام بنتا ہے جس میں پانی بھرا جاتا ہے۔

قواعد:-

(۱) اس معمّے میں صرف وہی پیامی شرکت کر سکیں گے جو پیام تعلیم کے خریدار ہیں۔

(۲) پیام برادری کے ممبر بھی حل بھیج سکتے ہیں۔

(۳) تمام حل ۱۵ اگست تک آپا جان معرفت ایڈیٹر پیام تعلیم دہلی کے نام آجانا چاہئیں۔

(۴) اس انعامی مقابلے کی فیس ایک آنہ ہے جو ایک ایک پیسہ والے ٹکٹوں کی صورت میں وصول ہونا چاہیے۔

(۵) پہلا انعام........ اس شخص کو دیا جائے گا جن کا حل ہمارے حل کے مطابق ہوگا اگر ایک سے زیادہ صحیح حل وصول ہوں گے تو انعامات بذریعہ قرعہ اندازی دیے جائیں گے۔
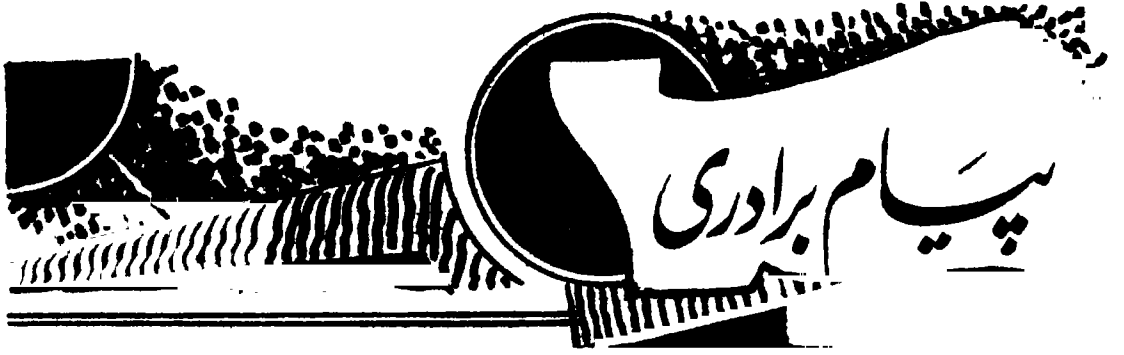
عزیز بچیو اور بچو!

خوش رہو اور تندرست ۔ اب تو اکثر جگہ مدرسے کھل گئے ہیں، خصوصاً یوپی اور بہار میں اور ہمارے اکثر پیامی اپنے نئے درجوں میں لکھنے پڑھنے میں مشغول ہو گئے ہوں گے۔ دہلی میں اور آس پاس اگست سے چھٹیاں ہوتی ہیں ان مہینوں میں یہاں موسم بھی بہت خراب ہوتا ہے۔ ویسے بھی زکام، ملیریا، پھوڑے پھنسیاں برسات کا خاص تحفہ ہیں۔ ان بیماریوں سے بچنے کی ترکیب یہی ہے کہ کھانے پینے اور دوسری باتوں میں احتیاط کی جائے رات کو برآمدے میں سویا کرو۔ آنگن میں سونا ہو تو مچھر دانی لگا لو۔ سڑے گلے پھلوں، مٹھائیوں، باسی ترکاریوں سے پرہیز کرو۔ روز نہاؤ۔ صبح کو کچھ دور ٹہلنے ضرور جاؤ۔ ان باتوں کا خیال رکھو گے تو تمھیں اس موسم میں کوئی شکایت نہ پیدا ہوگی۔

پچھلے پرچے کے معمے کا حل ان بچیوں اور بچوں نے بھیجا ہے:۔

الطاف فاطمہ، لکھنؤ۔ مظہر حیدری، دہلی۔ بیگم جعفری، دانا پور۔ حامد حسین، سنبھلی۔ محمد منیر، سیال کوٹ۔ محمد حبیب، بنارس۔ محمد شمس الہدیٰ، رانی گنج۔ سید محمد غلام اکبر حسین، گنبھی راؤ پٹیھ۔ احمد صمد، بنولا۔ مبارک الدین، آگرہ۔ حسن آرا بیگم، میرٹھ۔ حبیب الرحمٰن، لکھنؤ۔ محمد خورشید اقبال، سہارن پور۔ عبد القیوم، پشاور۔ یونس بھائی، البوت محل۔ ام اشرف خاں، پنڈی بہار الدین۔ سید شاہ شرف عالم بھاگل پور۔

ان میں عبد القیوم کا حل نامکمل ہے۔ یونس بھائی کے حل میں تین غلطیاں ہیں۔ ام اشرف خاں۔ سید شاہ شرف عالم اور مبارک الدین نے ٹکٹ نہیں بھیجے۔ ان کے علاوہ سب بچوں کے حل صحیح ہیں۔ قرعہ ڈالنے پر یہ دو نام نکلے ہیں۔ الطاف فاطمہ، مظہر حیدری۔ ان بچوں کو انعام بھیج دیے جائیں گے۔

اس پرچے میں بھی ایک معما چھپ رہا ہے۔ اس کے حل ۱۰ ر اگست تک پیامِ تعلیم کے دفتر میں پہنچ جائیں۔ اس سلسلے میں مجھے دو باتیں کہنی ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ معمے صرف بچوں اور بچیوں کی خاطر چھاپے جاتے ہیں۔ بڑوں کو اس میں حصہ نہ لینا چاہیے۔ دوسرے یہ کہ اگر کسی پیامی نے معما بنا کر بھیجا تو وہ خوشی سے چھاپ دیا جائے گا مگر اس کے حل پیامِ تعلیم کے دفتر میں آئیں گے۔

جناب ایڈیٹر صاحب آج کل سال گرہ نمبر کی تیاری میں مصروف ہیں۔ انھوں نے اور اچھے اچھے مضمونوں کے علاوہ اکسکرشن اور بچوں کے کیمپ پر بھی مضامین شائع کرنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے۔ یہ دونوں عنوان مجھے بہت پسند آئے۔ میں چاہتی ہوں کہ بچے بھی ان پر مضمون لکھیں۔ اکسکرشن تفریحی ہونا چاہیے (جیسے کسی دریا کے کنارے یا کسی باغ میں جائیں) یا تاریخی (کوئی تاریخی عمارت دیکھنے جائیں۔ مثلاً تاج محل، ہمایوں کا مقبرہ وغیرہ) بچوں کے کیمپنگ میں یہ دکھایا جائے گا کہ بچوں نے کس طرح کیمپنگ کی اور کیمپنگ کے زمانے میں کیا کیا دلچسپیاں رہیں۔

یہ دونوں مضمون زیادہ سے زیادہ ۱۵ ر ستمبر تک میرے پاس آجائیں۔ بہت خوش خط لکھے ہوں۔ سطریں کھلی کھلی، کاپی کے زیادہ سے زیادہ چھ صفحوں پر۔ جن بچوں کے مضمون انعام کے قابل سمجھے جائیں گے انھیں اچھا سا انعام دیا جائے گا۔ معمے کے ساتھ اور ان مضمونوں کے ساتھ ایک آنے کے ٹکٹ ضرور آنے چاہئیں۔

اچھا اب رخصت ۔ تمھاری آپا جان۔

جلسوں کی رودادیں

بریلی:۔

بریلی کی شاخ کا ایک جلسہ ۲۰ ر جولائی کو ساڑھے چھ بجے جناب مطیع الرحمٰن صاحب کے مکان پر منعقد ہوا۔ کلام پاک کی تلاوت کے بعد مجیب حسین اور منظر صاحب نے جاگو اور جگاؤ کی نظم پڑھی۔ پھر رشیدہ بانو نے کچھ پہیلیاں سنائیں۔ پھر گوہر، مجیب، منظر حسین، نصیر الدین اور متین الرحمٰن نے تقریریں کیں۔ ان تقریروں پر نمبر بھی دئے گئے۔ متین الرحمٰن کی تقریر سب سے اچھی رہی۔ اس کے بعد تقریر کا جادو ایک ڈراما ہوا۔ اس میں متین الرحمٰن اور منظر حسین وغیرہ نے حصہ لیا۔ گھاس اور پودا کے عنوان سے ایک مکالمہ بھی ہوا۔ پھر رشیدہ بانو اور دوسری بچیوں نے موقع اور موسم کے مناسب سے اچھی اچھی نظمیں بھی پڑھیں۔ ساڑھے آٹھ بجے جلسہ بہت کامیابی

کے ساتھ برخاست ہوا۔ متین الرحمٰن سکریٹری

لکھنؤ (لڑکیوں کی شاخ)

۱۸ جون اتوار کو ہماری برادری کا جلسہ ساجدہ انصاریہ کی صدارت میں منعقد ہوا۔ موضوع "آن حضرت" تھا۔ جلسے کی ابتدا حالی مرحوم کی مشہور نظم سے (وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا) سے کی گئی۔ یہ نظم جناب نسیم صاحب نے بہت اچھی طرح گا کر پڑھی۔ اس کے بعد تقریریں شروع ہوئیں۔ جناب ساجدہ صاحبہ اور جناب نسیم صاحبہ کی تقریریں بہت پسند کی گئیں۔ اس کے علاوہ اور بھی تقریریں ہوئیں جن کے نام یہ ہیں:۔
جناب وسیمہ صاحبہ۔ جناب خدیجہ صاحبہ۔ عزیز فاطمہ انصاریہ۔ اس کے بعد جناب محمد متین صاحب نے بھی تقریر کی۔ سکریٹری نے گذشتہ جلسے کی کارروائی سنائی اور جلسہ برخاست ہوگیا۔

عزیز فاطمہ انصاریہ۔ سکریٹری

لکھنؤ:۔

بروز جمعہ بتاریخ ۱۳ جولائی۔ لکھنؤ شاخ کا جلسہ زیر صدارت جناب عتیق الرحمٰن صاحب۔ مولوی عنایت اللہ صاحب کے مکان پر منعقد ہوا اور نئے عہدے داروں کا انتخاب ہوا۔

صدر:۔ عصمت اللہ صاحب
سکریٹری:۔ (خاکسار) محمد مہدی انصاری
نائب سکریٹری۔ غوث محی الدین صاحب
خزانچی:۔ مصطفیٰ کمال صاحب

اس کے بعد جناب صدر نے موضوع مقررہ پر تقریریں کرنے یا مضمون پڑھنے کی اجازت دی۔ جناب صباح الدین اور احمد حسین صاحب نے اقبال پر مضمون پڑھے۔ عتیق الرحمٰن صاحب نے اسی موضوع پر تقریر کی۔ چونکہ وقت زیادہ ہوگیا تھا۔ اس لئے بحکم صدر جلسہ برخاست ہوا۔ اور طے پایا کہ اپنا سرپرست نواب اسمٰعیل خاں صاحب کو بنانے کی کوشش کریں گے۔

مہدی انصاری سکریٹری

بھوپال :-

(۱) بتاریخ ۸ جون ۱۹۳۹ء بوقت ۹ ½ بجے صبح دفتر پیام برادری تلیا بھوپال میں جلسہ منعقد کیا گیا۔ ماسٹر امیرالدین صاحب نے جلسے کی صدارت فرمائی۔ ان پیامیوں نے "تعلیم اور تقریر" پر تقریریں کیں۔

مسٹر غنی انصاری۔ مسٹر سید مہر عالم۔ مسٹر سعید اختر۔ مسٹر نعیم حامد رضوی۔ مسٹر برج نرائن۔ مسٹر عبدالعلیم
مسٹر عبدالماجد۔ مسٹر عبدالراشد۔ محترمہ مس امیرالدین۔ شرقی خالدی

سب سے بہتر تقریر مسٹر غنی انصاری کی رہی جو کہ برادری کے بہترین مقرر ہیں اور جن پر برادری کو فخر ہے۔ اس کے علاوہ شرقی کی تقریر بھی اچھی تھی۔ اس کے بعد صاحب صدر نے اپنے مخصوص انداز میں ۲۵ منٹ تک بہترین تقریر کی۔ جلسہ ۱۱ ½ بجے ختم ہوا۔

(۲) بتاریخ ۱۴ جون ۱۹۳۹ء بوقت ۶ بجے شام نیشنل اسکول بدھواڑہ بھوپال میں جلسہ منعقد ہوا۔ موضوع "علم و عمل" تھا۔ ان پیامیوں نے علم و عمل پر تقریریں کیں

عبدالغنی انصاری۔ سید مہر عالم۔ سعید اختر۔ عبدالماجد۔ مسعود احمد۔ شرقی خالدی۔

بہترین تقریریں غنی انصاری، مہر عالم، شرقی کی تھیں۔ سب کے آخر میں قابل صدر مسٹر امیرالدین نے بہترین تقریر کی۔ شام کو ۸ بجے جلسہ ختم ہوا۔

(۳) ۱۸ جون ۱۹۳۹ء بوقت ۹ بجے صبح خزانچی برادری مسٹر زبیر قریشی کے والد محترم مولوی محمد مہدی صاحب کے انتقال پر اظہار افسوس کیا گیا۔ شرقی انصاری نے اپنی تقریر میں مرحوم کے حالات پر کافی روشنی ڈالی۔ مرحوم عربی، فارسی، انگریزی، فرانسیسی، جرمنی اور ترکی زبان کے ماہر تھے اور مہتمم تاریخ رہ چکے تھے۔ صاحب صدر مسٹر حامد محمد خاں صاحب نے اپنے دل کش انداز میں مرحوم کے صفاتِ حمیدہ پر بہترین تقریر کی۔

آخر میں مرحوم کے لئے دعائے خیر کی گئی اور جلسہ ۱۰ بجے ختم ہوا۔

سال گرہ نمبر کے لئے تم کیا کر رہے ہو

بچوں کی علمی کتابیں

کائنات ۔ سورج، چاند، ستارے اور ہماری یہ دنیا کیا ہے؟ ان سب باتوں کو دلچسپ مثالوں سے سمجھایا گیا ہے۔ قیمت ۴ر

دہلی ۔ دہلی کی آٹھ شاہی عمارتوں کے دلچسپ حالات اور اُن کی تصویریں۔ قیمت ۴ر

دُنیا کے بچے ۔ دنیا کے چودہ مختلف ملکوں کے بچوں کے دلچسپ حالات لکھے گئے ہیں۔ قیمت ۵ر

دُنیا کے بسنے والے ۔ اس میں مختلف ملکوں کے لوگوں کے حالات دلچسپ انداز میں لکھے گئے ہیں۔ قیمت ۵ر

عجائب خانہ سمندر ۔ ہماری اِس دُنیا کی طرح ایک دنیا سمندر کی بھی ہے اِس میں اسی سمندری دنیا کے حالات لکھے گئے ہیں۔ بہت سی تصویریں ہیں قیمت

تعلیمی کھیل ۔ اس میں ایسے تعلیمی کھیل درج ہیں جن سے انگریزی، ڈرائنگ اور حساب کی لیاقت بڑھ جاتی ہے۔ قیمت ۳ر

دھوئیں کی پھانسی ۔ سائنس کے مشکل مشکل مضامین کہانیوں میں لکھے گئے ہیں۔ بہت دلچسپ۔ قیمت ۵ر

اونچے درجے کے پڑھے لکھے

تعلیمی تاش جیسا اسکول کے لڑکوں اور معمولی تعلیم یافتہ لوگوں میں مقبول ہے ویسا ہی اونچے درجے کے پڑھے لکھوں میں پسند کیا جاتا ہے۔

تعلیمی تاش کے کھیل میں کبھی آپ قہقہہ لگائیں گے اور کبھی آپ سنجیدہ بن جائیں گے، ساتھ کھیلنے والے پر آپ کو رشک آئے گا اور کبھی اپنا شاندار ہاتھ بن جانے پر آپ کو بے حد مسرت ہوگی۔

تعلیمی تاش ایک عجیب کھیل ہے، اس میں علم کی خوبیاں اور کھیل کی دلچسپیاں لا دی گئی ہیں، ابھی ایک تاش منگائیے کھیلنے کے قواعد کی کتاب بکس کے ہمراہ دیجی جاتی ہے

قیمت فی بکس
بڑا سائز ــ اردو انگریزی ۱۲/ ــ اردو ۸/ ــ ہندی ۱۲/
چھوٹا سائز ــ اردو ۶/ ــ انگریزی ۸/

مکتبہ جامعہ دہلی

Only Cover Printed at the Calcutta Art Press. Delhi.

پیامِ تعلیم

آخری قطرہ

ہاتھی کا غسل (مرسلہ شیخ محمد اقبال کوچل پور)

کام اور سیر
(مرسلہ شیخ محمد اقبال صدیقی)

مشکل چڑھائی (مرسلہ اسلم حسن گورکھ پور)

جلد ۲۲ — ستمبر سنہ ۳۹ء — نمبر ۹

فہرست مضامین

قیمت سالانہ ۲؍ — [illegible] — فی پرچہ ۳؍

بچوں سے باتیں

مولوی سعدالدین انصاری صاحب نوی جامعی جامعہ کے استاد ہیں۔ آپ کوئی دو سال ہوئے عربی میں ڈاکٹری کی ڈگری لینے مصر تشریف لے گئے ہیں اور جامعہ ازہر میں تعلیم پاتے ہیں۔ پیامِ تعلیم آپ کے پاس برابر جاتا ہے۔ ابھی ابھی اُن کا ایک خط آیا ہے۔ اس میں وہ تمہارے پرچے کے بارے میں لکھتے ہیں، "پرچہ بحمداللہ خوب نکل رہا ہے۔ مصر میں ہر قسم کی ترقیوں کے باوجود بچوں کا کوئی پرچہ اتنا اچھا نہیں نکلتا...... آپ کے پیامِ تعلیم کو جو لوگ دیکھتے ہیں وہ اگرچہ اردو کی وجہ سے سمجھتے نہیں ہیں تاہم کچھ تصویروں وغیرہ سے اور کچھ میرے سمجھانے سے اس کی خوبیوں کا پوری طرح اندازہ کر لیتے ہیں"

جامعہ کی گرمیوں کی چھٹیاں ختم ہو گئیں۔ پہلی اگست سے تمام مدرسے کھل گئے اور باقاعدہ پڑھائی شروع ہو گئی ہے۔ استادوں کا مدرسہ اس سال قرول باغ سے اوکھلے چلا گیا۔ امید ہے کہ اگلے سال تک جامعہ کے اور دوسرے شعبے بھی اوکھلے چلے جائیں گے۔

مدرسہ ابتدائی جامعہ نگر اوکھلا کے نگراں جناب چودھری اکبر علی صاحب ایم اے (کولمبیا) انٹرمیڈیٹ کالج رام پور کے پرنسپل ہو کر رام پور تشریف لے گئے ہیں۔ اوکھلے میں اُن کی جگہ نگرانی کا کام جناب سعید انصاری صاحب ایم اے (کولمبیا) پرنسپل استادوں کا مدرسہ کے سپرد ہوا ہے۔ سعید صاحب ان دونوں مدرسوں کی نگرانی کریں گے۔

پیامِ تعلیم کے سو روپے والے انعامی مقابلے میں کہانیاں ابھی بہت کم آئی ہیں۔ آخری تاریخ ۵ ستمبر ہے اس لئے مقابلے میں حصہ لینے والوں کو اب دیر نہ کرنی چاہئے۔

محترمہ آپا جان اس بات سے بہت خوش ہیں کہ اس مرتبہ کافی بچوں نے معمے کے حل بھیجے۔ انھیں امید ہے کہ آئندہ اور بہت سے بچے نہایت سرگرمی سے اس میں حصہ لیں گے لیکن انھیں یہ شکایت بھی ہے کہ پکنک اور اسکاؤٹنگ پر اب تک سوائے علی گڑھ کے پیامیوں کے اور کسی نے مضمون نہیں بھیجے ہیں۔ مضمون دفتر میں پہنچنے کی آخری تاریخ ۱۵ ستمبر ہے

آپا جان چاہتی ہیں کہ اب کی سالگرہ نمبر میں برادری کی تمام شاخوں کے گروپ فوٹو شائع ہوں اس لئے تمام شاخیں اپنے عہدے داروں کے گروپ فوٹو جلد سے جلد بھیج دیں۔

جو کرنا ہے ابھی کر لو

محمد شفیع الدین صاحب نیّر استاد ماڈرن اسکول نئی دہلی

گذشتہ زمانہ تو جا ہی چکا ۔ جواب آئے گا اعتبار اُس کا کیا
جو موجود ہے بس وہ ہے کام کا ۔ کہیں تم اسے بھی نہ دینا گنوا

جو کرنا ہے کر لو اسی وقت ابھی
یہی زندگی ہے یہی زندگی

یہ سچ ہے جو تم اُٹھ کھڑے ہو ذرا ۔ تو ہے سہل ہر کام چھوٹا بڑا
مگر صرف باتوں سے ہوتا ہے کیا ۔ کہا ٹھیک یہ جس کسی نے کہا

جو کرنا ہے کر لو اسی وقت ابھی
یہی زندگی ہے یہی زندگی

گئے کچھ نہ کچھ دُور جو چل پڑے ۔ جہاں تھے وہاں سے تو آگے بڑھے
مگر جو ارادہ ہی کرتے رہے ۔ وہ بیٹھے وہیں رہ گئے اس لئے

جو کرنا ہے کر لو اسی وقت ابھی
یہی زندگی ہے یہی زندگی

یہ مانا کہ محنت اکارت گئی ۔ یہ مانا کہ ناکام کوشش رہی
یہ سچ ہے کہ تم نے ترقی نہ کی ۔ مگر ہرج کیا ہو گیا ، پھر سہی

جو کرنا ہے کر لو اسی وقت ابھی
یہی زندگی ہے یہی زندگی

اگر چاہتے ہو زمانے میں نام ۔ اگر چاہتے ہو کرو کوئی کام
اگر چاہتے ہو رہو شادکام ۔ نہ کرتے رہو آج، کل، صبح شام

جو کرنا ہے کر لو اسی وقت ابھی
یہی زندگی ہے یہی زندگی

طلسمی دوا

(علی محمد جلال الدین درجہ دہم)

بہت دنوں کی بات ہے کسی ملک میں ایک بادشاہ رہتا تھا۔ اس کے تین بیٹے تھے۔ تینوں بہت خوب صورت اور ہوشیار تھے۔ ہر شخص اُن کی تعریف کرتا تھا۔

ایک سال ایک خطرناک بخار سارے ملک میں پھیل گیا۔ بادشاہ بھی اس کا شکار ہوگیا اور ایسا بیمار پڑا کہ بچنے کی کوئی اُمید نہ رہی۔ ملک کے تمام چھوٹے بڑے حکیموں نے اس کا علاج کیا لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ آخر دوسرے ملک کا ایک حکیم محل کے پھاٹک کے پاس آیا اور بادشاہ تک پہنچنے کی اجازت چاہی۔ بادشاہ نے اُسے بڑی خوشی سے اپنے پاس بلایا۔

بوڑھے حکیم نے اپنے سفید بالوں سے ڈھکے ہوئے سر کو بادشاہ کے سامنے ہلایا اور بولا "جناب بادشاہ سلامت! — آپ کو تندرست کرنے والی صرف ایک ہی چیز ہے اور وہ ایک طلسمی دوا کی ایک بوتل ہے جو خاموش جھیلوں کے سبز بونوں کے قبضے میں ہے۔ اگر یہ بوتل نہیں ملی تو آپ کی زندگی محال ہے۔"

بادشاہ نے بہت کم زور آواز میں اپنے بیٹوں سے کہا "پیارے بچو! مجھے اُمید ہے کہ تم لوگ وہاں سے میرے لئے

طلسمی دوا کی بوتل تلاش کر لاؤ گے۔"

کم سن شہزادوں نے جوش بھرے
لہجے میں جواب دیا "پیارے ابا ہم لوگ
اس کام کے لئے دل و جان سے تیار ہیں
اور آج ہی یہاں سے روانہ ہو جائیں گے"

تینوں شہزادے اس حکیم کے آس
پاس جمع ہو کر پوچھنے لگے کہ انھیں طلسمی دوا
کی تلاش میں کس طرف جانا چاہیئے۔ لیکن
حکیم پلک مارتے میں غائب ہو چکا تھا۔

سب درباری حیرت سے ایک دوسرے
کا منہ دیکھنے لگے۔ آپس میں کانا پھوسی ہونے
لگی کہ یہ کام اتنا آسان معلوم نہیں ہوتا دیکھیں
کون سا شہزادہ اس آزمائش میں پورا اترتا
ہے اور بادشاہت کے لائق ٹھہرتا ہے۔

تینوں بھائی اسی روز روانہ ہو گئے۔
انھوں نے اپنے ساتھ توشہ باندھ لیا
اور تیر کمان اور ایک ایک مضبوط چھڑی لے
لی۔ انھوں نے کہا "بونوں سے تو ہم ڈرتے
نہیں اور ہمیں اپنا سفر بھی تیزی سے طے
کرنا ہے۔ جنگلی جانوروں سے حفاظت کے
لئے بس تیر کمان اور یہ چھڑی کافی ہے۔

محل سے باہر نکلتے وقت سورج ڈوب
رہا تھا جس وقت وہ شہر میں سے گذرے، شہر والے
دوکانوں اور چھتوں پر سے اُن کی تعریف کے
نعرے لگا رہے تھے۔ اکثر شہر کے پھاٹک
تک ساتھ ساتھ گئے۔

شہر سے نکل کر انھیں کھلے میدان
اور پھر جنگل ملے۔ ابھی وہ آدھا راستہ طے
کر پائے تھے کہ انھیں ایک ستون نظر آیا جس
کے چاروں طرف سے چار سڑکیں آکر ملتی تھیں
اسی ستون سے لگی ہوئی ایک ننھی سی عورت
بیٹھی تھی۔ اپنا سوکھا ہوا جھریوں والا چہرہ
ایک کھانا پکانے کے برتن پر جھکائے ہوئے
تھی۔

اُس نے شہزادوں سے کہا: "اچھے شہزادو! مجھے کچھ کھانے کو دو۔ میں بہت دنوں سے بھوکی ہوں۔"

بڑے شہزادے نے کہا: "اگر تم چاہو تو ہمارا کھانا پکا سکتی ہو۔ ہم بھی بھوکے ہیں لیکن خیرات بانٹنے کو ہمارے پاس کچھ نہیں۔"

بوڑھی عورت چلا کر بولی: "جو دوسروں پر مہربانی نہیں کرتا، اس پر بھی کوئی مہربان نہیں ہوتا۔" یہ کہہ کر وہ اپنی سوکھی سوکھی انگلیاں بڑے شہزادے کی طرف کرکے اُٹھنے لگی۔

جب وہ سیدھی کھڑی ہوئی تو اس کا قد شکل سے دو فٹ اونچا تھا۔ اس کے بھورے بھورے بالوں کی لٹیں جوش اور غصے سے ہل رہی تھیں۔

اس نے کہا: "او نالائق شہزادے تو نے خاموش جھیلوں کے ایک بونے کو روٹی کا ایک ٹکڑا تک دینے سے انکار کیا ہے اس لئے یہ تیرے لئے بددعا ہے کہ تو اسی جگہ گڑا رہ جا۔"

جیسے ہی اس عورت نے یہ بات اپنے منہ سے نکالی بڑا شہزادہ اُسی جگہ سخت ہو کر اکڑ گیا۔ اس کے دونوں بازو خوف سے کانپنے لگے اور بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ آہستہ آہستہ شہزادے کے بازو شاخیں اور جسم ایک اینٹھا ہوا تنا بن گیا۔

دونوں چھوٹے بھائی سہم گئے اور اس سے پہلے کہ ننھا بونا اُن کی طرف بھی اپنی سوکھی سوکھی انگلیاں ہلائے وہ بے تحاشا سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔

دونوں اس قدر تیز بھاگے کہ تھوڑی دور جا کر زمین پر لیٹ گئے اور ہانپنے لگے۔

چھوٹا شہزادہ بولا "اُف، فوہ۔ بھائی کیا سے کیا ہو گیا۔ کسے معلوم تھا کہ وہ ننھی سی بوڑھی عورت ایک زبردست جادوگرنی ہوگی۔ ہم لوگ بال بال بچے۔ اُف، فوہ اب جو میں اس بات کا

دھیان کرتا ہوں تو جی لرز جاتا ہے۔ شہزادہ یہ کہتا جاتا تھا اور دائیں بائیں دیکھتا جاتا تھا کہ کہیں اب بھی بونا اس کا پیچھا نہ کر رہا ہو۔

اس نے اپنے منجھلے بھائی سے کہا۔ "بھائی اب ہم لوگوں کو کچھ اور آگے چلنا چاہیے اُس چڑیل جادوگرنی سے دو تین میل کا فاصلہ تو ہو جائے۔"

منجھلے شہزادے نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔ "آہ میرا پیارا بھائی۔ اب ہم لوگ تجھے اس خوفناک جادو سے کس طرح نجات دلائیں۔"

دونوں شہزادے غم سے سر کو ہلاتے ہوئے اُٹھے اور آگے چل پڑے۔

چلتے چلتے وہ ایک ہری بھری چراگاہ میں پہنچے۔ یہاں ایک دریا بہتا تھا۔ اس دریا کے اوپر ایک معمولی سا لکڑی کا پل تھا۔ پل کے کنارے ایک بڈھا آدمی سبز لباس پہنے کھڑا تھا۔ یہ اس پل کا محافظ تھا اور ہر گذرنے والے سے محصول وصول کرتا تھا۔

جب شہزادے قریب پہنچے تو اس نے اپنی مہین اور تیز آواز میں پکار کر کہا۔ "دو دو آنے دیتے جاؤ۔"

تھکے ماندے شہزادوں نے جھنجھلا کر کہا۔ "بدتمیز بڈھے راستے سے ہٹ جا۔ تجھے معلوم نہیں کہ ہم بادشاہ کے بیٹے ہیں (ٹمٹماتی ہوئی لالٹینوں کی طرف اشارہ کر کے) وہ دیکھ اس شہر میں جا رہے ہیں۔"

بوڑھا محافظ غصے سے اپنی داڑھی نوچ کر بولا۔ "ہرگز نہیں، جب تک محصول نہ لوں گا تم دونوں کو پل پر سے گذرنے نہ دوں گا۔ یہ میرا فرض ہے۔"

منجھلے شہزادے نے بوڑھے محافظ کو ایک طرف ڈھکیل دیا اور غرور سے اکڑ کر بولا۔ "تو اپنی بڑبڑ بند نہ کرے گا ہم تجھے

بادشاہ کے بیٹے ہیں اور عام شہریوں کے
مانند محصول نہیں دینا چاہتے۔"

بوڑھے محافظ نے کہا: "جناب میرے
ساتھ بدسلوکی نہ کیجئے۔ مجھے یہ حکم ہے کہ میں
ہر گذرنے والے سے محصول وصول کروں۔
پل کا محافظ بادشاہ کے بیٹوں کی بھی پروا نہیں
کرتا۔"

منجھلے شہزادے نے چلا کر کہا: "او
سبز بوڑھے طوطے! تجھے محصول نہیں ملے گا۔"
یہ کہہ کر اُس نے بوڑھے محافظ کے اس زور
سے طمانچہ مارا کہ بے چارا لٹو کی طرح لڑھکتا
ہوا دریا میں جاگرا۔

پہلے تو وہ پانی میں ڈوب گیا۔ پھر
پانی کے اوپر آگیا۔ اس کا چہرا غصے سے
تمتا رہا تھا۔ اس نے ایک ہاتھ پانی پر مارتے
ہوئے دوسرے ہاتھ سے منجھلے شہزادے
کی طرف اشارہ کیا اور کہنے لگا: "جو دوسروں
کے ساتھ بُرا برتاؤ کرتا ہے۔ اسے بھی بُرے
برتاؤ کا مزا چکھنا پڑتا ہے۔ میں خاموش
.... جھیلوں کا سبز لونا ہوں۔ تمہارے بڑے
بھائی کو سزا مل چکی ہے اور اب تمہاری باری
ہے۔"

شہزادے نے ایک چیخ ماری اور آگے
کی طرف اچھل پڑا اور اسی پل پر گرا جو نہایت
مضبوط تھا۔ شہزادہ گرتے ہی پل کے اور
تختوں کی طرح ایک تختہ بن گیا۔

چھوٹا شہزادہ گھٹنوں کے بل کھڑا ہو کر
چلانے لگا: "آہ میرے پیارے بھائی کا قصور
معاف کردو! آہ اسے بچاؤ!"

لیکن لونا اس وقت تک غائب ہو چکا
تھا۔ اس نے سہم کر پاؤں کے پاس والے
تختے کو دیکھا اور وہاں سے اندھا دھند شہر کی
روشنی کی طرف بھاگنے لگا۔

(باقی پھر)

محمد حسین حسان

سعید اور وحید کے دادا کا ایک باغ تھا۔ خوب بڑا سا۔ اس باغ میں ایک درخت تھا بالکل ٹیڑھا ترچھا اور جھکا ہوا جیسے کوئی ستر اسی برس کا کبڑا۔
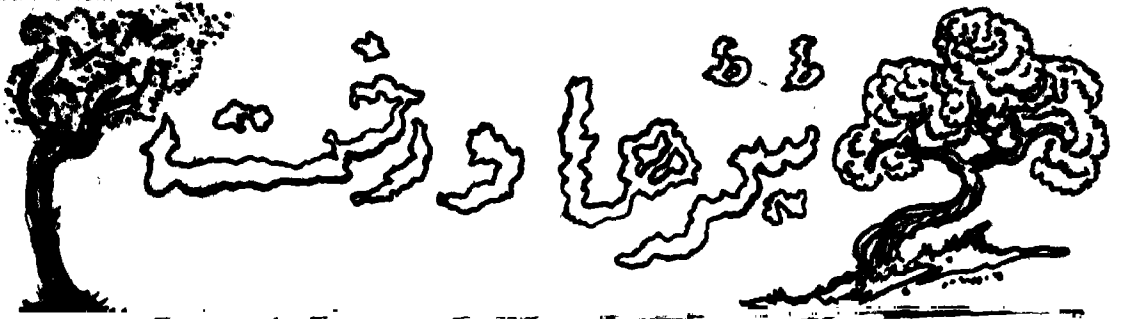
"دادا میاں یہ درخت ٹیڑھا کیسے ہوگیا"
دادا۔ بیٹے جب یہ تمہاری طرح ننھا سا تھا تو مالی کی لاپرواہی سے ٹیڑھا ہوگیا۔ تھوڑے

ایک دن شام کو سعید کے دادا اس باغ میں سیر کے لئے گئے۔ سعید اور وحید بھی ساتھ تھے ٹہلتے ٹہلتے اس درخت کی طرف بھی آنکلے۔ سعید نے پوچھا
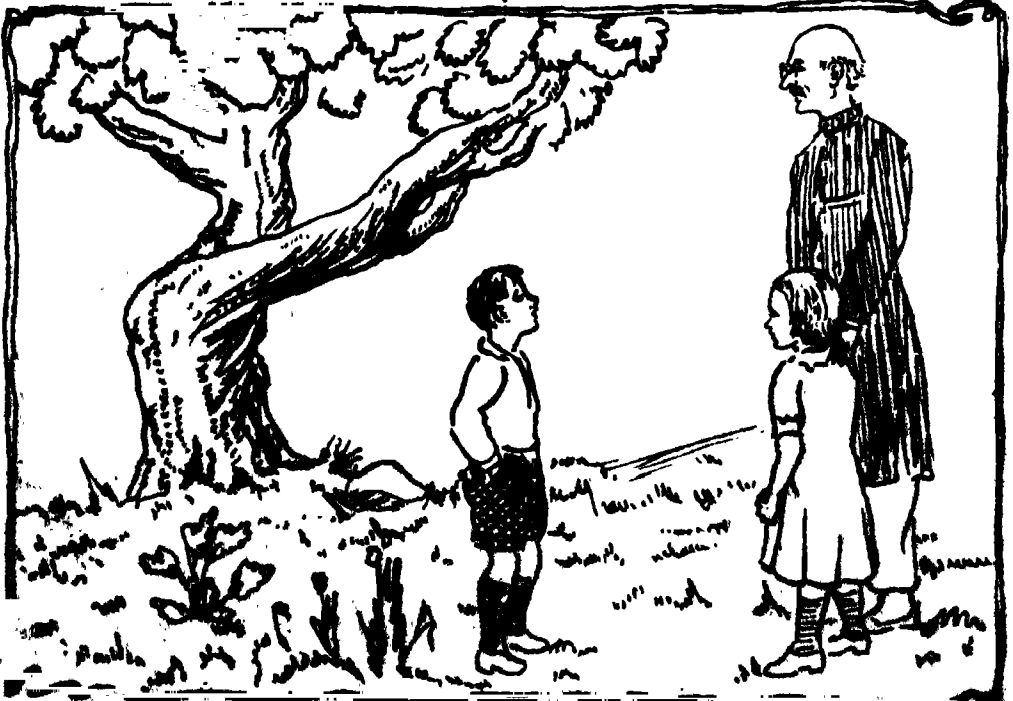
ہی دنوں میں یہ اتنا ٹیڑھا ہوگیا کہ اسے سیدھا کرنا ناممکن ہوگیا۔ بس یہ اسی طرح بڑھتا رہا۔
وحید۔ دادا میاں یہ تو بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے

جیسے ہماری کتاب میں کبڑے میاں کی تصویر

دادا۔ ہاں بیٹا آدمی کو بھی درخت کی طرح سمجھو
اگر کوئی بچپن میں سیدھا کھڑا ہونے کی عادت نہ
ڈالے تو بس اس کی کمر پھر سیدھی نہیں ہوتی اور

ٹیڑھی کمر

بڑھاپے میں اگر وہ اسی طرح کبڑا ہو جاتا ہے
جیسے تمہاری کتاب کی تصویر اچھا تم اور وحید
بھی اسی طرح ٹیڑھے یا کبڑے بننا چاہتے ہو۔

دونوں۔ ارے نہیں دادا میاں آپ کی طرح (دادا جان کی)
ہونا چاہتے ہیں خوب لمبے اور سیدھے۔

دادا۔ اچھا تو یاد رکھو سیدھا رہنے کے لئے دو چیزیں
ضروری ہیں۔ سر اونچا رکھو اور سینہ اوپر کو
اٹھائے رکھو۔

دونوں۔ بہت اچھا دادا جان۔

دوسرے دن صبح کو دونوں مدرسے گئے
اور ماسٹر صاحب کو ٹیڑھے درخت کا قصہ سنایا

وحید۔ ہم اس درخت کی طرح نہیں بڑھنا چاہتے
ٹیڑھے، ترچھے۔

سعید۔ اور کیا۔ دادا میاں نے ہمیں بتا دیا ہے کہ
سر اونچا رکھو، سینہ اوپر اٹھائے رکھو۔

ماسٹر۔ تمہارے دادا جان نے ٹھیک بتایا ہے لیکن
تم سیدھا بڑھنا چاہتے ہو تو تمہیں ایک بات اور
کرنا ہوگی۔

سب لڑکے۔ وہ کیا ماسٹر صاحب؟

ماسٹر۔ بیٹھنے میں بھی اس بات کا خیال رکھو۔

لڑکے۔ کیسے ماسٹر صاحب؟

ماسٹر۔ جب تم درجے میں بنچ یا کرسی پر بیٹھو تو اپنے

سیدھی کمر

پیر فرش پر رکھو اور تمہاری کمر بالکل سیدھی رہے
(سب لڑکے کمر سیدھی کر کے بیٹھ گئے)

سعید۔ بس اب ہم دادا جان کے درخت کی طرح
ٹیڑھے ترچھے نہیں بڑھیں گے۔

دنیا کے مشہور بچے

محمد عبدالقادر [illegible]

چند سال پہلے کا ذکر ہے، گرمیوں کی چھٹیوں کے بعد امریکہ کے صدر مسٹر ہوورکا دس سال کی عمر کا لڑکا جب مدرسے میں آیا تو ماسٹر نے پوچھا "کیا بات ہے تم آج کل پہلے سے زیادہ خوش نظر آرہے ہو" لڑکے نے کہا "مجھے ان چھٹیوں میں میری پسند کے موافق نوکری مل گئی ہے۔ اب مجھے اپنی معمولی ضرورتوں کے لئے اپنے والدین سے روپیہ پیسہ مانگنے کی ضرورت نہیں میں اپنے پڑھنے کی کتابیں، مدرسے کی فیس، کلب کا چندہ، سیر و تفریح کا خرچ اپنی ذاتی آمدنی سے ادا کرکے ہر ماہ تھوڑی سی رقم بچا بھی لیتا ہوں۔ گرمیوں سے پہلے ہمارے محلے کے لڑکے کہیں نہ کہیں نوکری کرکے اپنی ضرورتیں پوری کرتے تھے۔ کوئی میوہ توڑنے پر تھا تو کوئی اخبار بیچنے پر، کوئی بازار سے سودا لانے کا کام کرتا تو کوئی کسی ہوٹل میں جاکر چند گھنٹے کام کرتا، تو کوئی باغوں سے پھول چن کر لاتا۔ ان سب میں میں ہی ایک بے روزگار تھا۔ وہ لڑکے کسی ضرورت کے موقع پر اپنی کمائی کے پیسے خوش ہو ہو کر خرچ کرتے تھے۔ جب وہ اپنی آمد خرچ کا حساب کرتے تو ہو بہو کسی بڑی دوکان کے سیٹھ یا ہمارے ابا کے سکریٹری معلوم ہوتے تھے مجھے ان کی اس حالت پر بہت رشک آتا تھا۔ کسی ضرورت کے لئے ابا جان سے پیسے مانگتے میں مجھے بڑی شرم آتی تھی۔ کبھی کبھی یہ لڑکے مجھے مفت خور کہہ کر چھیڑتے بھی تھے۔ لیکن اب وہ سب مجھ پر رشک کرتے ہیں کیونکہ مجھے ایک مکان کی ساتویں منزل پر معمار کو چونا، پتھر وغیرہ اٹھاکر دینے کی مزدوری ملی ہے۔ جب کبھی ان میں سے کوئی ادھر آنکلتا ہے تو اپنی ٹوپی تھام کر میری طرف بڑی حسرت سے دیکھتا ہے۔ مجھے بلندیوں پر چڑھنے کا بڑا شوق ہے اور اب سر پر بوجھ لے کر اوپر چڑھتے وقت کی خوشی کچھ نہ پوچھئے۔ جی چاہتا ہے کہ اسی طرح چڑھتا چلا جاؤں"

اس بچے کی یہ باتیں سن کر [illegible] نے کہا۔

"میں تم کو مبارکباد دیتا ہوں بے شک تمہاری یہ خوشی واجبی اور اس وقت کا سبق بر محل تھا جب

تک ہمارے ملک میں تم جیسے بچے موجود ہوں گے عزت و شہرت ہمارے قدم چومتی رہے گی اور سب سے بڑھ کر ہمارا ملک آزادی جیسی نعمت سے مالا مال رہے گا۔ دوسروں کے طفیلی بن کر زندگی بسر کرنا سب سے بڑی بے غیرتی ہے۔ اپنی محنت کی کمائی پر زندگی بسر کرنا عین شرافت ہے اور قانونِ قدرت کا بھی یہی منشا ہے۔ دیکھو دنیا کے کسی جانور کے بچے کچھ کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں تو اپنے ماں باپ کی جان پر بیٹھ کر کبھی نہیں کھاتے۔"

پیام بھائیوں کو یہ سن کر بہت افسوس ہوگا کہ اس کے تھوڑے دنوں بعد امریکہ کے بے تاج بادشاہ کے اس خوددار اور غیور لڑکے کا اس مکان کی گیارھویں منزل پر کام کرتے ہوئے پاؤں پھسل گیا۔ یہ بہادر لڑکا اس صدمے سے مر گیا۔ مسٹر تھوور نے لاکھوں ہمدردی اور غم ظاہر کرنے والوں کے جواب میں کہا۔ "میں خوش ہوں کہ میرے لڑکے نے اپنی جان دے کر دنیا والوں کے لئے اپنے پر بھروسہ کرنے اور اپنی عزت آپ کرنے کا بہترین نمونہ قائم کیا ہے۔"

عادت اسی طرح چھوٹے گی

ایم اے فاروقی۔ جودھ پور

خدا نے ایسی ننھی ننھی مخلوق پیدا کی ہے کہ تعجب ہوتا ہے۔ بعض تو ایسی ننھی کہ بغیر خوردبین کے نظر نہیں آتی۔ اسی طرح کی جان دار مخلوق امیبا بھی ہے۔

یہ جانور برساتی پانی کے گڑھوں اور حوضوں وغیرہ میں پایا جاتا ہے۔ امیبا عام طور سے نظر نہیں آتا۔ خوردبین کی مدد سے دیکھا جاتا ہے۔ یہ گھاس یا کائی پر چپٹا ہوا پایا جاتا ہے۔

اس کی شکل گیند جیسی ہوتی ہے جس کا قطر ا انچ کے سویں (۱/۱۰۰) حصّے کے برابر ہوتا ہے۔ اس کا جسم ہمارے تمہارے جیسا نہیں ہوتا۔ نہ منہ ہوتا ہے نہ معدہ، نہ دماغ، نہ کوئی اور عضو۔ ان سب کے بدلے ایک گول سی چیز ذرا صاف گوشت کی ہوتی ہے جس کو انگریزی میں نکلیس کہتے ہیں۔ یہ چیز جسم کے ٹھیک بیچ میں ہوتی ہے امیبا صرف تین چیزوں سے بنا ہے۔ کھال، گوشت اور نکلیس۔

تم سوچتے ہو کہ جب اس کے ہاتھ پیر نہیں تو چلتا کیوں کر ہے۔ تو جناب اس میں یہ طاقت ہے کہ جا ہے جہاں سے اپنے جسم کو کھینچ سکیڑ کر دو ایک انگلیاں سی پیدا کرلے۔ ان ہی انگلیوں سے وہ کھانے اور چلنے دونوں کا کام لیتا ہے۔ وہ ہماری تمہاری طرح ساگ ترکاری نہیں کھاتا۔ اُسے تو گوشت ہی پسند ہے۔ وہ اپنے سے چھوٹے جان داروں کو کھاکر پیٹ بھرتا ہے۔

جب اس کو کھانا نظر آتا ہے تو انگلیاں نکال کر دوڑتا ہے اور اُن سے کھانے کو گھیر لیتا ہے پھر ہاتھ کھینچ کر ملا لیتا ہے۔ اس طرح وہ ہاتھوں یا پیروں کی جگہ ایک معدہ بن جاتا ہے جس میں امیبا اپنا کھانا ہضم کرتا ہے
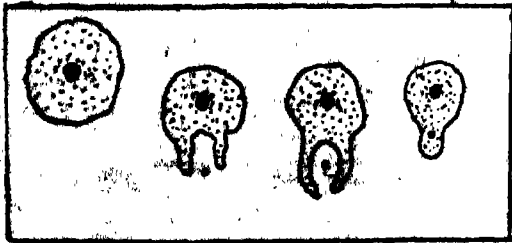
کھانا ہضم ہونے کے بعد جو کچھ بچتا ہے ...

...ـت سمٹ کر گل جاتا ہے اور پانی میں مل جاتا ہے۔ ایمیبا سانس لینا بھی جانتا ہے۔ اس کے پھیپھڑے نہیں ہوتے پھر بھی سانس لیتا ہے۔ اس کو سانس لینی ہوتی ہے تو وہ ہوا جذب کرلیتا ہے اور خراب ہوا مساموں کے ذریعے نکال دیتا ہے۔

جب ایمیبا کو کھانا پانی میسر نہیں آتا تو وہ اپنے اوپر ایک سخت خول چڑھا لیتا ہے اور اندر ہی اندر کئی بچوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ کھانے پانی کی کمی سے بھی وہ نہیں مرتا بلکہ ریت کے ذروں کی طرح پڑا رہتا ہے جیسے کہ نیند میں ہو اور جب

ایمیبا کو موت نہیں آتی۔ وہ ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔ نہ صرف زندہ رہتا ہے بلکہ اپنی قوم کو بڑھاتا رہتا ہے۔ وہ اس طرح کہ جب ایمیبا موٹا ہو جاتا ہے تو اس کے دو ٹکڑے ہو جاتے ہیں اور دو بچے بن جاتے ہیں۔ اس طرح ایمیبا بڑھاپا آنے پر مرنے کے بجائے نئی زندگی حاصل کرلیتا ہے۔

اچھا موسم آتا ہے تو خول اُتار پھینکتا ہے اور نکل آتا ہے۔ بعض موت کے شکار ہو ہی جاتے ہیں۔ لیکن بہت کم۔ جو مرتے ہیں حادثات سے ہی مرتے ہیں۔ مثلاً پتھر سے دب جانا یا آگ یا تیزاب سے جل جانا وغیرہ ؛

ـلے ، ـلے یہ تصویریں اصل سے بہت بڑی کی گئی ہیں۔
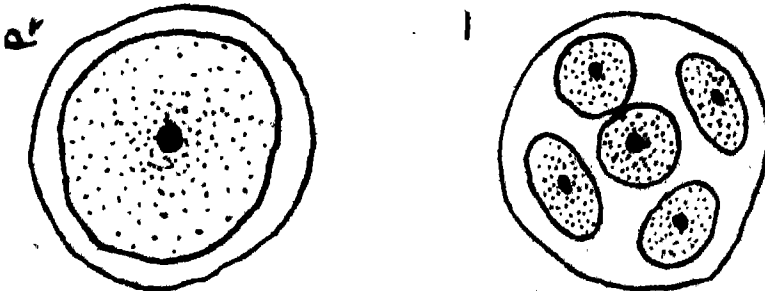
ماسٹر کلو رام

احمد حسن فتح گڑھ

جب میں پانچویں درجے میں پڑھتا تھا تو ماسٹر کلو رام ہمیں ڈرائنگ پڑھاتے تھے۔ ہم سب لڑکے ماسٹر کلو رام کو "ماسٹر صاحب" کہتے تھے۔ پانچویں درجے میں، میں ڈرائنگ میں بہت تیز تھا۔ میرے سپرد یہ کام تھا کہ بلیک بورڈ پر کسی چیز کی شکل بنا دوں میں عموماً آم، امرود، پیالی، صراحی، مٹکے وغیرہ کی شکلیں بنا دیتا۔ ستمبر کے مہینے میں ایک نیا لڑکا داخل ہوا یہ بھی ڈرائنگ میں بہت تیز تھا۔ ماسٹر صاحب نے مجھے چھوڑ اس بچارے کو پکڑ لیا۔ میں خوش تھا کہ اب روز روز کی بیگار سے جان چھوٹی۔

ماسٹر کلو رام کا رنگ بہت کالا تھا اور بال جن میں کنگھی برسوں سے نہیں ہوئی تھی کچھ ولائتی اور کچھ دیسی سے تھے۔ مونچھیں خوب موٹی، ایک سرا اوپر ایک نیچے۔ پیشانی تنگ، بھنویں بہت گھنی آنکھیں چھوٹی، ناک خوب چوڑی۔ جاڑوں کے دنوں میں صاف ستھری دھوتی اور ایک روئی کا خاکی رنگ کا بنڈلا پہنتے تھے۔ یہ گلے سے پنڈلیوں تک آتا تھا

ماسٹر کلو رام کنجوس مشہور تھے۔ پان کی لت بھی تھی اور تمباکو بھی کھاتے تھے۔ پانوں کی لال رنگ کی ڈبیا اور ایک بٹوا ہر وقت جیب میں رہتا تھا ماسٹر صاحب درجے میں آتے تو سب لڑکے کھڑے ہو جاتے اور ماسٹر صاحب درجے میں آتے ہی کرسی پر بیٹھ جاتے اور کسی ایک لڑکے کو حکم ہوتا کہ وہ بلیک بورڈ صاف کرے۔ یہ حکم دے کر جیب سے ڈبیا بٹوا نکالتے۔ پان اور پھر چھالیا کھاتے۔ پھر تمباکو ہاتھوں سے رگڑتے اور پھٹ پھٹ کرکے پھانک لیتے۔ اس کے بعد حکم ہوتا "احمد چلو بورڈ پر" یہ آواز میں کیوں کر بتاؤں کیسی ہوتی تھی میں اُن کی آواز کی نقل خوب کر سکتا ہوں۔ اگر ماسٹر صاحب مجھے حکم دے رہے ہوں اور ریڈیو کا آلہ ان کے سامنے رکھ دیا جائے اور آپ کے سامنے رکھ دیا جائے ریڈیو سٹ تو آپ خوب لطف اٹھائیں گے۔ یہ پتہ نہ چلے گا کہ کون بول رہا ہے۔ آواز کی تشبیہ کتنا بے ادبی ہوگی۔ غرض یہ حکم سن کر میں

اپنا سوال بنے کر بلیک بورڈ پر چلا جاتا اور ماسٹر صاحب کے کہنے کے مطابق یا پھر خود ہی کوئی چیز بنا دیتا۔ جب تصویر بن جاتی تو ہم سب لوگ اسے دیکھ دیکھ کر اپنی کاپی پر بناتے۔ اس دوران میں ماسٹر صاحب اپنے پیر اُٹھا کر میز پر رکھ لیتے اور فوراً خرّاٹے لینے لگتے اور جب ہم لوگوں کے ہنسنے اور باتیں کرنے کی آوازیں بہت زیادہ ہو جائیں تو نیند ہی میں ماسٹر صاحب کا ہاتھ اٹھتا اور میز پر گر پڑتا۔ آواز سن کر سب لڑکے تھوڑی دیر کے لئے تو چپ ہو جاتے اور پھر دہی شور۔

"ارے بھئی ربڑ دینا۔"

"ذرا دیکھنا صراحی کی گولائی ٹھیک ہے؟"

"لاؤ میری ربڑ، اپنی ربڑ لاتے نہیں۔"

"کیوں حامد! آج شام کو فٹ بال کھیلنے چلو گے۔"

اس عرصے میں ماسٹر صاحب کو کوئی بھولی بھٹکی مکھی تنگ کرتی اور وہ اس کو سوتے میں ہاتھ ہلا کر بھگانا چاہتے تو لڑکے زور سے ہنس پڑتے۔ اب ماسٹر صاحب اُٹھ بیٹھتے، کھڑکی میں سے پیک باہر تھوکتے، اپنی ولایتی اور دیسی موچھوں پر تاؤ دیتے، ہاتھ میں بیت لئے لڑکوں کی طرف بڑھتے اور اُن کے ہنسنے پر نازاں ہوتے۔ عقل مند ماسٹر بتاتا کہ پاس کے درجے میں شور ہوتا تھا۔ تھوڑی دیر میں گھنٹہ بجتا ٹن ٹن ٹن ٹن

ماسٹر صاحب فوراً درجے سے چلے جاتے۔

آپ کے بیت کا مزا میں نے صرف ایک مرتبہ چکھا ہے۔ ویسے بہت سے لڑکوں کو اس کا اتفاق ہوا ہے۔ اگر کبھی ہیڈ ماسٹر صاحب کے اِدھر اُدھر سے گذرنے کا امکان ہوتا تو ماسٹر صاحب بیت لے کر تمام درجے میں چکر لگاتے اور جن لڑکوں سے ڈرائنگ نہ بنتی انھیں بیت سے ٹھوکے دیتے۔ اور کہتے "ٹھیک کیوں نہیں بنانا؟" اس پر بیچارا لڑکا جب تک ماسٹر صاحب دوسری جگہ پہنچ جاتے چپ چاپ ربڑ سے اِدھر اُدھر کی لکیریں بنانے لگتا۔

اکتوبر کے ایک بہت ٹھنڈے دن کا ذکر ہے بادل چھائے ہوئے تھے۔ تیسرا گھنٹہ بجا ٹن ٹن ٹن ٹن اور ایک لمحے میں ماسٹر کلو رام بیت لئے آ پہنچے اور کرسی پر بیٹھ کر پان کھایا اور افضل کو حکم دیا کہ بورڈ پر کتاب کی شکل بناؤ۔ بچارا افضل کسی کام میں مشغول تھا یا کسی سے باتیں کر رہا تھا۔ وہ فوراً اٹھا اور ماسٹر صاحب سے پوچھا۔ "کس چیز کی شکل بناؤں؟" ایسی بدحواسی کی بات پر ماسٹر صاحب کو بہت غصہ آیا۔ آپ نے بہت زور سے چلّا کر کہا "میری شکل بناؤ اور نہیں تو کیا۔ چل جلدی۔" افضل نے جلدی سے ماسٹر صاحب کی شکل کو ناپ لیا اور کچھ عجیب طرح کی شکل بنائی۔ بال بالکل جھنجھولے کے سے اور آنکھیں

چھوٹی چھوٹی ناک موٹی۔ مونچھیں خوب موٹی۔ ایک سرا اوپر دوسرا نیچے اور اس کے نیچے بورڈ پر لکھ دیا" ماسٹر کلورام صاحب بی اے ڈی پلکر ار ان ڈرائنگ" جب یہ شکل بنائی جا رہی تھی ہم لوگوں کا ہنسی کے مارے بُرا حال تھا تو رومال منہ میں ٹھونس لیا تھا۔ سب سے پچھلی سیٹ پر سے ایک آواز آئی۔ "ماسٹر صاحب تصویر بنائیں؟" ماسٹر صاحب نے اونگھتے ہوئے کہا "ہاں چلے جاؤ۔" اس جملے پر سبھی لڑکے بے اختیار ہنس پڑے۔ شاید ماسٹر صاحب سمجھے کہ کسی نے پانی پینے کی اجازت مانگی ہے۔ افضل کی اس زور کی ہنسی پر ماسٹر صاحب اُٹھ بیٹھے اور بیت ہاتھ میں لے کر اتنی زور سے "خاموش" کہا کہ پانی برسنے لگا[1]

ماسٹر صاحب جو افضل صاحب سے چند دن سے حسد کرنے لگے تھے فوراً کھڑے ہو کر بولے۔ "ماسٹر صاحب! یہ سب افضل صاحب کی کارستانی ہے۔ بورڈ کی طرف...... ماسٹر صاحب دیکھئے افضل......" بچارے کو ہنسی آگئی۔ ہنسی پر ایک بیت پڑا۔ افضل اس کا منہ چڑا رہا تھا اب ماسٹر صاحب ایک قدم میری طرف بڑھے اور مخاطب ہو کر بولے "تم بتاؤ کہ کیا بات ہے؟" ماسٹر صاحب کی شکل کچھ عجیب طرح کی ہو رہی تھی ان کی گھنی مونچھوں میں ایک مکھی ناچ رہی تھی مجھے ہنسی آگئی۔ اور دو بیت ہمارے داہنے بازو پر پڑے۔ بڑے کھٹے بیت تھے۔ اب ماسٹر صاحب مڑ کر دیکھتے ہیں تو بلیک بورڈ پر اُن کی شکل...... اب تو ماسٹر صاحب کو بڑا غصہ آیا۔ بڑے زور سے گرج کر پوچھا یہ شکل کس گدھے نے بنائی ہے۔ اس پر افضل صاحب ایک دم اپنی جگہ پر سے جو اُٹھے تو پیچھے والی ڈیسک گراتے گراتے بچائی۔ اور کھڑے ہو کر اپنی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا" ماسٹر صاحب اس گدھے نے آپ کے حکم کے مطابق یہ تصویر بنائی ہے۔" "سور، غلام پاجی"۔ ماسٹر صاحب بیت لئے افضل کی طرف بڑھے۔ مگر آہ! بچارے کا پیر دھوتی میں پھنس گیا اور بچارے کلورام صاحب......
...... اور اُن کے ساتھ ڈیسک......
...... آگے نہیں لکھوں گا بے ادبی ہوگی دوسرے درجوں کے لڑکے کھڑکیوں میں سے جھانک رہے تھے۔

---

[1] اس وقت سچ مچ پانی برسنے لگا۔

برسات

محمد حسین حسان

احسن :- ارشد، ارشد جلدی سے اِدھر آؤ۔ دیکھو ابا کا تانگا کتنی تیزی سے گھر کی طرف آرہا ہے۔

ارشد :- اُف، اوہ ذرا بادل تو دیکھو کیسے گھر کر آئے ہیں۔

احسن :- جبھی ابا جلدی سے گھر پہنچنا چاہتے ہیں۔ لے لو۔ وہ آگئے۔

احسن کے ابا جلدی سے تانگے سے اُترے۔ تانگے والے کو پیسے دئے اور سیدھے گھر میں آئے۔ کہنے لگے چوک میں سودا خرید رہا تھا ایکا ایکی ایک طرف سے کالے کالے بادل اُٹھنے لگے اور کوندا ہونے لگا میں نے جلدی سے تانگا کیا اور بس گھر کی طرف چل پڑا۔ شکر ہے کہ بوندیں پڑنے سے پہلے گھر پہنچ گیا۔ بادل چاروں طرف گھر کر آئے ہیں۔ خوب برسیں گے۔ دیکھو اندھیرا کتنا ہوگیا۔

ارشد :- ابا ابا یہ بادلوں میں پانی کیوں کر جاتا ہے

باپ :- بات یہ ہے کہ دریاؤں، تالابوں اور جھیلوں سے جو پانی اوپر ہوا میں چلا جاتا ہے بس اسی سے بادل بنتے ہیں۔ یہ پانی ہر وقت ہوا میں جاتا رہتا ہے مگر ہم اسے دیکھ نہیں سکتے

احسن :- یہ تو ہم نے اپنے درجے میں بھی پڑھا ہے بلکہ ماسٹر صاحب نے تجربہ بھی کرایا ہے۔ ہم پانی کا برتن کمرے میں یا کمرے کے باہر رکھ دیتے تھے اور پانی خشک ہو جاتا تھا۔ کیونکہ پانی ہوا میں چلا جاتا تھا۔ ہم گیلے کپڑے سوکھنے کے لئے ڈالتے ہیں اور وہ خشک ہو جاتے ہیں۔

ارشد :- امی نے آج ہی گیلے کپڑے الگنی پر ڈالے تھے اور سب خشک ہو گئے۔ تو کیا ان کا پانی بھی ہوا میں چلا گیا۔

احسن :- ہاں ہر گیلی چیز کا پانی ہوا میں چلا جاتا ہے

باپ :- اچھا ارشد ذرا اپنے باورچی خانے میں جاکر دیکھو یہاں بھی پانی سیدھا ہوا کی طرف جا رہا ہے۔ کچھ سمجھے بھی۔ کیتلی کی ٹونٹی کی طرف دیکھو۔ ٹونٹی پر ننھا سا بادل نہیں نظر نہیں آرہا ہے؟

ارشد :- ہاں ہاں ابا کیتلی میں پانی اُبل رہا ہے۔ یہی پانی ہوا میں جا رہا ہے اور اسی سے ٹونٹی
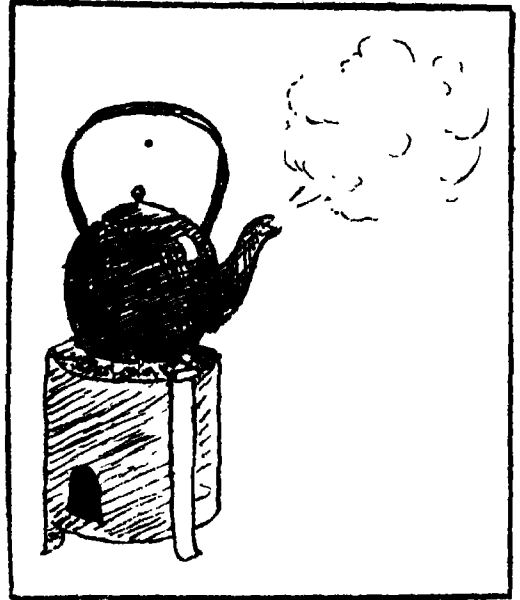
پر ننھا سا بادل بن گیا ہے۔

باپ :- یہ پانی بادل بننے سے پہلے ایک اور حالت میں بدل جاتا ہے۔ یہ جب ہوا میں جاتا ہے تو پہلے بھاپ بنتا ہے۔ تم اسے دیکھ نہیں سکتے۔ ذرا غور سے دیکھو۔ ٹونٹی اور بادل کے بیچ میں جو ذرا سی جگہ ہے یہاں کچھ نظر نہیں آتا مگر اس ذرا سی جگہ میں بھاپ ہی بھاپ ہے یہی بھاپ ٹونٹی میں سے نکلتی ہے اور ذرا اوپر جاکر بادل بن جاتی ہے۔

ارشد :- تو ابا یہ بھاپ بادل کیسے بن جاتی ہے

باپ :- اوپر جاکر بھاپ ٹھنڈی ہو جاتی ہے اور اس کے ننھے ننھے قطرے بن جاتے ہیں۔ یہ قطرے اتنے ہلکے ہوتے ہیں کہ ہوا میں تیرتے رہتے ہیں بس ان ہی قطروں سے بادل بنتا ہے۔

ارشد :- تو کیا ہماری کیتلی والے بادل آسمان کے بادلوں جیسے ہیں۔

باپ :- اور کیا یہی بھاپ اسی طرح اور اوپر ہوا میں جاکر ٹھنڈی پڑ جاتی ہے اور ننھے ننھے قطرے بن جاتی ہے۔ یہ قطرے ہوا میں تیرتے رہتے ہیں اور بادل کہلاتے ہیں۔

اس وقت ہوا کے ایک جھونکے کے ساتھ کھڑکی پر مینہ کا ایک زبردست چھینٹا پڑا۔ احسن نے کہا "ارشد ارشد! جلدی آؤ۔ دیکھو کھڑکی پر آسمانی بادل کے قطرے"

ارشد :- اُف، اوہ! کتنے بڑے قطرے ہیں۔ یہ تو ہمارے کیتلی والے بادل کے قطروں سے بہت بڑے ہیں۔

باپ :- ہاں یہ قطرے بہت بڑے ہیں۔ تمہارے کیتلی والے بادل میں بھی ایسے ہی بڑے بڑے قطرے بن سکتے ہیں۔

جاؤ ایک برتن اٹھا لاؤ۔ ہاں یہ اُٹھلا برتن ٹھیک ہوگا۔ دیکھو باورچی خانے کے پاس والے برتن میں برف کے ٹکڑے کا بکس ہے۔ اس بکس کو کھول کر

برف کے اوپر یہ برتن رکھ دو .... ہاں اب خوب ٹھنڈا ہوگیا ہوگا۔ اسے اب کیتلی والے بادل کے اوپر رکھ دو ہائیں، ہائیں بھاپ کے پاس ہاتھ نہ لے جاؤ۔ احسن میاں ذرا تم آجاؤ۔ ارشد تو اپنا ہاتھ جلالیں گے۔ ارشد میاں تمھیں بتایا تو تھا کہ ٹونٹی اور بادل کے بیچ میں ذرا سی جو جگہ ہے یہاں گرم گرم بھاپ ہے۔ اچھا احسن ادھر دیکھو، برتن پر کتنے بڑے بڑے قطرے ہیں۔

ارشد:۔ ارے! ابا یہ اتنے بڑے قطرے کیسے بن گئے؟

باپ:۔ تمھارا برتن برف کی وجہ سے بہت ٹھنڈا ہوگیا تھا۔ اس نے کیتلی والے بادل کے ننھے ننھے قطروں کو بھی ٹھنڈا کر دیا۔ اور جوں جوں ان قطروں کو ٹھنڈ پہنچی یہ ایک دوسرے کی طرف دوڑے اور بڑے قطرے بن گئے بس یہی حال آسمانی بادل کا ہے جب انھیں زیادہ ٹھنڈ پہنچی یہ ننھے ننھے قطرے دوڑ کر ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں اور بڑے قطرے بن جاتے ہیں اور جب ہوا ان قطروں کا بوجھ نہیں سہار سکتی یہ نیچے گر جاتے ہیں۔ بس یہی بارش ہے۔

نیویارک کے چوہے

سید شمس الہدیٰ صاحب

ایک دن شام کو نیویارک میں یکایک بجلی کا خزانہ ٹوٹ گیا۔ ہر جگہ تاریکی چھاگئی۔ زمین کے نیچے چلنے والی گاڑیاں سرنگوں میں دھنس گئیں۔ سینما کی تصویریں پردے پر رُک گئیں۔ سڑکوں کی روشنیاں بجھ گئیں۔ شہر میں ایک آفت بپا تھی۔

بجلی کا خزانہ درست ہوا تو تحقیقات کے لئے پانچ کمیٹیاں مقرر ہوئیں۔ پتہ چلا کہ ایک چوہا خزانے میں گھس گیا تھا اور اس نے اپنے تیز دانتوں سے خزانے کے اصلی تارکو کسی طرح کاٹ دیا تھا۔ چوہا وہیں جھلسا ہوا اور مرا ہوا پڑا تھا۔

سرکاری روئداد سے پتہ چلا ہے کہ ممالک متحدہ امریکہ میں چوہوں کی آبادی......... سے زیادہ یعنی ملک کے ہر مرد، عورت اور بچے کے درمیان میں ایک چوہا ہوتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ ایک چوہا سال میں دو ڈالر کی غذا کھاتا ہے اور اس سے کئی گنا زیادہ نقصان پہنچاتا ہے۔ ممالک متحدہ میں چوہوں کے سالانہ مجموعی نقصان کا تخمینہ.........اشلنگ سے زیادہ ہے۔

بہت سے لوگ صرف یہی جانتے ہیں کہ چوہے غلہ چراتے ہیں۔ لیکن جتنا چرا کر کھاتے ہیں اُن سے کہیں زیادہ برباد کر دیتے ہیں۔ دوکانوں میں جہازوں پر۔ ریلوں میں وہ دستانوں ٹوپیوں کمبلوں، کتابوں، چمڑے کی چیزوں اور تجارت کے اسباب کو کتر کے برباد کر دیتے ہیں۔ لکڑی کی بنیادوں اور دیواروں کو طرح طرح سے نقصان پہنچاتے ہیں۔ ڈاک کے تھیلوں میں خطوں کو کتر کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے ہیں۔ دیا سلائیوں کی دکانوں میں گھس کر آگ لگا دیتے ہیں۔

بعض نقصان تو ناقابل یقین ہیں۔ وہ اکثر گھوڑوں کے پاؤں کتر ڈالتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان سے خون جاری ہوجاتا ہے۔ حال ہی میں امریکہ کے ایک سرکس کے تین ہاتھیوں کے ناخنوں کو چوہوں نے مل کر کھالیا تھا جس سے وہ اس بری طرح زخمی ہوئے

کہ آخر میں مر گئے۔

جب چوہے بھوکے ہوتے ہیں تو اپنی قدرتی بزدلی کو کھو دیتے ہیں اور بلیوں اور کتوں اور یہاں تک کہ آدمیوں پر حملہ کرنے لگتے ہیں۔ ابھی حال ہی میں انگلستان میں ایک انگریز مزدور ایک کوئلے کی کان کے اندر گیا یہ کئی ہفتوں سے بند تھی اور پھر کسی نے اس کو زندہ نہ پایا بھوکے چوہوں نے بدقسمت کان کن کو ہلاک کر ڈالا بعد میں اس کی صرف ہڈیاں ملیں۔ لندن کے مضافات میں ایک ماں اور اس کے بچے کام کرنے کے بعد گھر جانے سے ڈرتے تھے۔ جب تک کہ اس کا شوہر نہ آتا وہ گھر میں داخل نہ ہوتے۔ کیونکہ یہ لوگ جب گھر چھوڑ کر چلے جاتے تو چوہے یہاں آکر قابض ہو جاتے۔ اور جب بچے گھر میں داخل ہوتے تو وہ ان پر حملہ کرتے اور جب تک بڑے بڑے ہتھیاروں سے مار کر بھگائے نہ جاتے نہ بھاگتے۔

نیویارک کے لوگ چوہوں سے اس قدر عاجز ہیں کہ ہر مکان، ہر کارخانہ اور ہر عمارت میں چوہوں کو نکال باہر کرنے کے لئے طرح طرح کی ترکیبیں جاری رہتی ہیں۔ عام طور سے فاسفورس، سنکھیا، اسکوئل (سوسن کی قسم کا ایک پودا) اور تھیلیم (ایک کمیاب سفید نرم دھات) چوہوں کے لئے قاتل ہیں۔ یہ مزے دار کھانے کی چیزوں کے ساتھ کاغذ میں چھپا کر چوہوں کے بل کے پاس رکھ دئے جاتے ہیں۔ اور وہ کھاتے ہی مر جاتے ہیں۔ چوہوں کی عجیب فطرت یہ ہے کہ اگر چیزیں کھلی پڑی رہیں تو اُن کو کم کھاتے ہیں۔ لیکن اگر وہی چیزیں کہیں چھپی ہوئی رکھی ہوں تو خواہ مخواہ اُن کو کھائیں گے اور برباد کریں گے۔

گیس کے ذریعے سے بھی چوہے مارے جاتے ہیں جہازوں پر چوہوں کو مارنے کے لئے گیس ہی استعمال کیا جاتا ہے۔

چوہے دانی سے چوہوں کو مارنا کچھ زیادہ کامیاب طریقہ نہیں ہے۔ بعض چوہے تو بہت ہی چالاک ہوتے ہیں وہ سمجھ جاتے ہیں کہ ان کو پھانسنے کے لئے یہ ترکیب کی گئی ہے۔ اس لئے اُن کی طرف وہ مائل ہی نہیں ہوتے اور بعض تو اُچک اُچک کر اس طرح چوہے دانی کے چارے کو کھا لیتے ہیں کہ ان کا پھنسنا محال ہو جاتا ہے۔ اور پھر ایک چوہا جب پھنس جاتا ہے تو دوسرے چالاک چوہے عبرت حاصل کرتے ہیں۔ نیویارک کے ایک قصاب کی دوکان میں گوشت کا ایک بڑا ٹکڑا لٹکا ہوا تھا۔ چوہوں کا گوشت تک پہنچنا آسان نہ تھا۔ لیکن ان ہوشیار چوہوں نے گوشت کے ٹکڑے کو حاصل کرنے کے لئے ایک نادر طریقہ اختیار کیا۔ ایک چوہے کی پیٹھ پر دوسرا چوہا چڑھا اس کے اوپر تیسرا اور اسی طرح انھوں نے قطب صاحب کی لاٹ کی طرح اپنی ایک لاٹ بنائی اور آخری چوہے نے سب سے اوپر چڑھ کر جس چیز میں گوشت لٹکا ہوا تھا کتر ڈالا۔ گوشت دھم سے نیچے گرا۔ اور چوہوں نے خوب عیش اڑائی

بعض چوہے انڈے بھی دلچسپ طریقے سے چراتے ہیں۔ ایک اپنی دم کو انڈے میں لپیٹ لیتا ہے اور اس کو کھینچ کر چلتا ہے۔ دوسرا چوہا پیچھے پیچھے چلتا ہے اور انڈے کے توازن کو قائم رکھتا ہے کہ ٹوٹنے نہ پائے۔ بوتل سے تیل، زیتون، گھی، شہد بھی بڑے مزے سے چراتے ہیں۔ چوہے اپنے دم کو اس میں ڈال دیتے ہیں اور پھر نکال کر اس کو چاٹتے ہیں۔

ان چوہوں سے مختلف قسم کی بیماریوں کے جراثیم بھی پھیلتے رہتے ہیں۔ پلیگ، ٹائیفائڈ بخار اور یرقان کے جراثیم چوہوں کے ذریعے سے پھیلتے ہیں۔ یورپ میں اب سے بہت دنوں پہلے چوہوں کے ذریعے سے پلیگ اس ہولناک اور مہلک طریقے سے پھیلا کر یورپ کی آدھی آبادی موت کے گھاٹ اتر گئی۔ نیویارک میں لوگ سائنس کے تمام ذریعے چوہوں سے محفوظ رہنے کی خاطر استعمال میں لارہے ہیں۔ لیکن چوہوں کی بے پناہ قوت اب تک غالب ہے۔ ممکن ہے کہ سائنس کی اور ترقیوں سے وہاں اور پھر دنیا کے تمام لوگوں کو ان موذی چوہوں سے نجات حاصل ہو۔

سائنس کی الماری

محمد حسین حسان

آج آپا جان پرندوں کے بارے میں کچھ بتانے والی تھیں مگر پرندوں کا ڈھانچا سبھی بچوں کو معلوم تھا وہ روز طرح طرح کی چڑیوں کو دیکھتے تھے۔ بعض چڑیاں تو اُن کے درجے کی کھڑکی میں آکر بیٹھ جاتی تھیں۔ سب کو معلوم تھا کہ اُن کے دو ٹانگیں دو بازو اور پر ہوتے ہیں۔ تمام پرندوں کا یہی ڈھانچا ہوتا ہے۔ چاہے وہ ننھی چڑیاں ہوں، چاہے کبوتر ہو، فاختہ ہو، مینا ہو کوئل ہو، عقاب ہو، مور ہو، مرغابی ہو۔ اور مرغی ہو

سعیدہ :- آپا جان! مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ پرندوں کا خون بھی گرم ہوتا ہے۔ میرے گھر میں چڑیوں کا گھونسلا تھا ایک دن اس میں سے ایک بچہ گر پڑا میں نے جلدی سے اُسے اُٹھالیا۔ اتفاق سے چارپائی پر گرا تھا۔ چوٹ نہیں آئی۔ امی نے سیڑھی منگا کر اسے فوراً گھونسلے میں رکھ دیا پر آپا جان میں نے جو اُسے ہاتھ میں لیا تو اس کا بدن گرم گرم تھا۔

رشید :- اور آپا جان ایک دن میں کھیلتا کھیلتا دادا جان کے باغ میں چلا گیا۔ وہاں تالاب کے کنارے اُتھلے پانی میں بطخیں تیر رہی تھیں۔ میں نے ایک بطخ کو پکڑ لیا۔ اس نے چھوٹنے کی کوشش کی میں نے اس کے بازوؤں میں اُنگلیاں گڑو دیں۔ اس روز بہت سردی تھی۔ مگر آپا جان بطخ کا بدن گرم تھا۔

آپا جان :- تم دونوں ٹھیک کہتے ہو۔ ہم کی طرح پرندوں کا خون بھی گرم ہوتا ہے۔ مگر ایک اہم بات ابھی باقی ہے۔ اچھا یہ بتاؤ کہ ایک بلی اور پرندے کے منہ کے اندر کے حصے میں کیا فرق ہے۔

نصیر :- آپا جان پرندے کے منہ میں دانت نہیں ہوتے۔ دیکھئے میری مینا کے منہ میں کہیں دانت ہیں۔

آپا جان :- شاباش! تمھاری مینا کے منہ میں واقعی دانت نہیں ہیں۔ دانت کسی پرندے کے نہیں ہوتے۔ اب بچوں نے پرندوں کے بارے

یہ باتیں بورڈ پر لکھیں۔

(۱) پرندوں کے پر ہوتے ہیں۔

(۲) پرندوں کے دو بازو اور دو ٹانگیں ہوتی ہیں۔

(۳) پرندوں کے دانت نہیں ہوتے۔

(۴) پرندوں کا خون گرم ہوتا ہے۔

پرندوں کے بارے میں بات چیت ختم ہوئی تو آپا جان نے گھڑی دیکھی ابھی گھنٹہ بجنے میں بہت دیر تھی۔ ادھر بچوں میں بھی کچھ بے چینی سی تھی جیسے وہ سائنس کی الماری کے بارے میں کچھ اور جاننا چاہتے ہیں۔ آپا جان یہ بات سمجھ گئیں اور بولیں۔

"ہمیں مچھلی کے بارے میں بھی کچھ باتیں معلوم ہو گئی ہیں اور پرندوں کے بارے میں بھی۔ اب کسی دوسری چیز کا نام لو۔"

عمر کامل :- آپا جان سانپوں کے بارے میں کچھ بتا دیجئے یہ کس گروہ میں شامل ہیں۔

آپا جان :- کیوں میاں مصطفےٰ تمھارے باپ کو تو سانپ پکڑنے کا بہت شوق ہے۔ انھوں نے بہت سے سانپ پکڑے ہوں گے۔ تمھیں بھی ان کے دیکھنے کا موقع ملا ہوگا اور ان کے بارے میں بہت سی باتیں معلوم ہو گئی ہوں گی۔ یہ تو سب جانتے ہیں کہ سانپ رینگنے والا جانور ہے۔ تمھیں کچھ اور باتیں معلوم ہوں تو بتاؤ۔

مصطفےٰ :- جی ہاں ان کے پیر یا بازو نہیں ہوتے نہ بال یا پر ہوتے ہیں۔

آپا جان :- اچھا آؤ۔ تمھارے سانپوں کو ذرا قریب سے دیکھیں۔ سب بچے آپا جان سمیت سانپوں کے پاس اکٹھا ہو گئے اور سب جھک جھک کے غور سے سانپوں کو دیکھنے لگے۔ سعیدہ جلدی سے بول اٹھی۔ ارے ان کے بدن پر تو ننھے ننھے سنے یا پرت ہیں۔ اس وقت آپا جان کو کوئی چیز یاد آ گئی اپنی میز تک گئیں دراز کھولی اور کینچلی نکال لائیں پھر بولیں۔

"دیکھو یہ ایک بڑے سانپ کی کینچلی ہے۔ میرے چچا نے مجھے بھیجی تھی۔ اس پر تم سنے یا پرت آسانی سے دیکھ سکتے ہو۔"

واقعی اس کینچلی پر پتلے پتلے اور چپٹے سنے یا پرت بہت صاف دکھائی دے رہے تھے۔ یہ ایک دوسرے سے اس طرح جڑے ہوئے تھے جیسے کسی کھپریل کے کھپرے یا کبھی تم نے نئی قسم کی عمارت میں لکڑی کی کھپریل دیکھی ہے۔ بس جیسے اس میں ایک دوسرے پر لکڑی کے ٹکڑے جڑے ہوتے ہیں۔ بس یہی حال ان سنوں کا تھا۔ اب بچے گویا یہ طے کر چکے تھے کہ سب رینگنے والے جانوروں کے سنے یا پرت ہوتے ہیں۔ مگر آپا جان نے کہا اچھا اب ایک اور رینگنے والے جانور کو دیکھیں۔" آپا جان انھیں

کچھوے والے برتن کے پاس لائیں۔ ایک کچھوا
برتن میں سے نکال کر سعیدہ کو دیا اور بولیں کیا
اس کے بدن پر بھی سنے ہیں؟"

سعیدہ :۔ اسے! یہ بھی کیا رینگنے والا جانور ہے؟
اس کے تو چار پاؤں ہیں۔

آپا جان :۔ ہاں بیٹی کچھوا بھی رینگنے والا جانور ہے
رینگنے والے جانوروں کے یا تو بہت چھوٹے
چھوٹے پیر ہوتے ہیں یا بالکل نہیں ہوتے۔

سعیدہ :۔ پر آپا جان مجھے اس کے جسم پر سنے تو نظر نہیں
آئے۔ اس کی پیٹھ پر تو بہت سخت قسم کا ایک خول
ہے۔ یہ سن کر سب بچوں نے کچھوے کی پیٹھ کو
غور سے دیکھا۔ یہ خول پتھروں جیسے سنوں سے
بنا تھا اور یہ دیکھ کر سب کو حیرت ہوئی سنے
ایک دوسرے سے اتنے قریب قریب جڑے
ہوئے تھے کہ دور سے دیکھنے سے کچھوے کی
پیٹھ بس ایک سخت خول معلوم ہوتی تھی۔

آپا جان نے بتایا کہ کبھی تو رینگنے والے جانوروں
میں کسی کے بدن پر تو سنے الگ الگ ہوتے ہیں اور
کسی کے بدن پر قریب قریب جڑے ہوتے ہیں کہ
جسم کا ایک ہی حصہ معلوم ہوتا ہے۔ جیسے یہی کچھوا
ہاں کچھوے کی گردن اور پیروں پر بھی سنے ہوتے
ہیں۔ ذرا غور سے دیکھو معلوم ہوتے ہیں نا؟

مصطفےٰ :۔ ہاں آپا جان معلوم ہوتے تو ہیں۔

آپا جان :۔ تو سانپ، کچھوا، چھپکلی، گرگٹ،
گھڑیال، مگرمچھ یہ سب رینگنے والے
جانور ہیں۔

مصطفےٰ :۔ اور آپا جان رینگنے والے جانوروں کا
خون تو گرم ہوتا نہیں۔ ابا نے کئی دفعہ میرے
ہاتھ میں سانپ دیا۔ مجھے تو بہت ٹھنڈا ٹھنڈا
لگا۔

آپا جان :۔ تم ٹھیک کہتے ہو۔ سانپ کا خون گرم
نہیں ہوتا۔ سب رینگنے والے جانوروں کا
خون ٹھنڈا ہوتا ہے۔

پھر آپا جان نے بتایا کہ ٹھنڈے اور گرم خون
کا مطلب کیا ہے یعنی یہ کہ کسی کا خون اگر گرم ہوتا ہے
تو وہ سردی، گرمی ہر حالت میں ایک سا رہتا ہے۔ اور
اگر ٹھنڈا خون ہوتا ہے تو گرمی میں گرم اور سردی میں
ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ سانپ ہی کو لو یہ جس وقت کسی
پتھر پر بیٹھا ہوا دھوپ کھاتا ہے تو اس کا خون گرم
ہو جاتا ہے اور جب یہ ٹھنڈی جگہ یا کسی ٹھنڈے سوراخ
میں جاتا ہے تو اس کا خون ٹھنڈا پڑ جاتا ہے

اب بچوں نے رینگنے والے جانوروں کے بارے
میں یہ اہم باتیں لکھیں۔

(۱) رینگنے والے جانوروں کے جسم پر سنے یا پرت ہوتے ہیں
(۲) رینگنے والے جانوروں کا خون گرم ہوتا ہے۔
(۳) کچھ جانوروں کے پیر ہوتے ہیں کچھ کے نہیں۔

روم کے افسانے

ہنی بال

(سالک لکھنوی)

حضرت عیسیٰ کی پیدائش سے دو سو برس پہلے ایک دن کارتھیج کے پرانے شہر کی سڑکوں پر لوگ جمع تھے اور روم کے سفیروں کو دیکھنے کے لئے کھڑے ہوئے تھے۔ ہر طرف یہی چرچا تھا کہ لوگ جو روم سے آئے ہیں، لڑائی اور میل کا فیصلہ کرنے آئے ہیں۔

"کیوں بھئی تمھارا کیا حال ہے، صلح ہوگی یا جنگ؟" کارتھیج کے ایک کالے کلوٹے آدمی نے اپنے قریب کھڑے ہوئے دوسرے آدمی سے پوچھا، اور دوسرے آدمی نے جواب دیا "جنگ ہوگی جنگ۔ کیونکہ دنیا میں ایک ساتھ دو بڑی قومیں حکومت نہیں کرسکتیں۔ یا تو روم مٹ جائے گا اور ہم لوگ دنیا کے بادشاہ بن جائیں گے یا پھر ہمیں مٹنا پڑے گا اور روم سب پر قبضہ کرے گا۔ مگر جب تک ہمارا سپہ سالار ہنی بال زندہ ہے ہمیں ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ کیا تم نہیں جانتے کہ جب ہمارے ہنی بال کا نام روم والوں کے سامنے لیا جاتا ہے تو وہ کانپ جاتے ہیں؟ تم دیکھ لینا کہ ایک دن وہ خود روم پر قبضہ کرے گا اور پھر ہمارا وطن کارتھیج پوری اطالیہ کا مالک ہو جائے گا۔ اور ہم دنیا میں سب سے زیادہ دولت والے ہوں گے........"

خدائے پاک غرور کا سر نیچا ہی رکھتا ہے۔ جو آدمی ابھی اپنے ساتھی سے اس غرور کے ساتھ اپنے سپہ سالار اور وطن کی باتیں کر رہا تھا اُسے کیا خبر تھی کہ سو برس بھی نہ گذرنے پائیں گے کہ دنیا سے کارتھیج کا نام و نشان مٹ جائے گا اور چاروں طرف تباہی دکھائی دے گی۔

لیکن جن دنوں کی یہ بات ہے ان دنوں کارتھیج تھا بھی ایک بہت ہی خوب صورت شہر۔ بڑے بڑے قلعے اور صاف ستھرے مکان تھے۔ مندروں کے کلس سونے کے تھے اور وہاں کے رہنے والے بہت دولت مند خیال کئے جاتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ کارتھیج والے اپنے آگے کسی کو کچھ سمجھتے ہی نہ تھے اور روم سے تو جان جان کر لڑتے اور اکثر جیت بھی جاتے ادھر روم بھی کوئی چھوٹا سا شہر نہ تھا اور اگرچہ

معلوم میں کارتھیج کی اتنی دولت نہیں تھی پھر بھی انھیں
اپنی بہادری، اپنی قوت اور اپنی چالوں پر بڑا گھمنڈ
تھا اور سب سے بڑی بات جو روم میں تھی وہ ان کا
آپس کا ایکا تھا جس کی وجہ سے وہ ہمیشہ بے فکر
رہتے تھے۔

رومیوں کو دیکھنے کے لئے بھیڑ بڑھتی جا رہی
تھی۔ اسی بھیڑ میں سے ایک عورت بولی :- "ہنی بال
کو رومیوں سے سخت نفرت ہے اور یہ سبق اسے
خود اس کے باپ ہملکار نے پڑھایا تھا۔ جب ہنی بال
نو برس کا تھا تو اس کا باپ اسے مندر میں لے گیا۔
اور وہاں اسے قسم کھلائی کہ ہمیشہ رومیوں کے خلاف
رہے گا تو میں کہتی ہوں کہ یہی نفرت تو ہے جو ہنی بال
کو چین نہیں لینے دیتی اور وہ رومیوں کو دبائے
چلا جاتا ہے۔"

ابھی عورت بول ہی رہی تھی کہ پہلا آدمی بولا :
...... "ہملکار، ہاں ہملکار بہت بڑا سپہ سالار
تھا۔ اس نے ہمارے لئے ہسپانیہ فتح کیا۔ لیکن
تم دیکھ لینا کہ اس کا لڑکا ہنی بال اس سے بھی بڑھ چڑھ
کر ہوگا۔ دوسرے تو ابھی سے اس کا لوہا ماننے لگے
ہیں اور جو قسم اس نے بچپن میں کھائی تھی اسے بھی
پورا کر رہا ہے۔ آخر سگنتم اس نے کیوں چھینا؟ بس
اسی لئے کہ رومیوں سے لڑنے کا ایک بہانہ ہاتھ
آجائے۔ سگنتم کا شہر اب تک رومیوں کا تھا۔
ہنی بال کی دلیری نے اُسے ہمارا بنا دیا اور اب ہم
سگنتم کے مالک ہیں۔ اسی لئے تو رومیوں کے تن بدن
میں آگ لگ گئی ہے۔ سفیر پر سفیر بھیج رہے ہیں
مگر اس سے ہونا کیا ہے ؟"

"چپ رہو، چپ رہو" عورت بولی۔ "وہ دیکھو
وہ روم والے آرہے ہیں!" رومی سفیر تیزی سے گذرنے
لگے۔ وہ بھی جنگ اور صلح کے فیصلے کے لئے اتنے
ہی بے چین تھے جتنے کہ کارتھیج والے۔

جب وہ کارتھیج کی حکومت کے سامنے پہنچے
تو فے بیوس، جو رومی سفیر کا سردار تھا، چلّایا۔
"کیا تم جانتے ہو کہ ہنی بال نے کیا کیا ہے ؟
ہماری حکومت نے اُسے تنبیہ کی تھی کہ اگر اس نے
سگنتم پر حملہ کیا تو اُسے روم سے لڑنا پڑے گا۔ مگر اس
نے ہماری بات نہیں مانی اور سگنتم پر حملہ کر بیٹھا۔ اب ہم
یہ پوچھنے آئے ہیں کہ تمہاری حکومت اس بارے
میں کیا کہتی ہے ؟"

"ہنی بال نے جو کچھ کیا ہے اپنے وطن اور
وطن والوں کے لئے کیا ہے" کارتھیج والوں نے
جواب دیا اور پھر وہ سب اپنے سپہ سالار ہنی بال
کی طرف سے بولنے لگے۔ فے بیوس مارے غصے
کے بیتاب ہوگیا۔

"میں تمہارے لئے جنگ یا صلح لایا ہوں"۔
وہ چلّایا "بتاؤ تم کیا لینا چاہتے ہو، جنگ یا صلح ؟"

"جو تمھارا جی چاہے دے دو!" کارتھیج والوں نے جواب دیا۔ فے بیوس نے تلوار کھینچ لی۔
"میں تمھیں جنگ دیتا ہوں!"
"ہم یہ تحفہ قبول کرتے ہیں، شکریہ!" کارتھیج والے جوش میں چلائے۔

اس فیصلے کے بعد فے بیوس نے ہر طرف دوڑ دھوپ شروع کر دی تاکہ رومی فوج کم زور نہ پڑنے پائے۔ وہ ہسپانیہ گیا کہ وہاں کے لوگوں کو کارتھیج والوں کے خلاف ابھارے۔ مگر کامیاب نہ ہوا۔ وہ فوراً وہاں سے گال کو پلٹا لیکن گال والوں نے بھی منہ موڑ لیا۔ پھر وہ گیلک کے قبیلوں کی طرف آیا اور اگرچہ وہ سب کے سب روم کی وفاداری کا حلف اٹھا چکے تھے مگر اس آڑے وقت میں وہ صاف جواب دے گئے۔

آخر وہ روم کو پلٹا اور وہاں آکر اس نے دیکھا کہ پورے روم میں ایک بے چینی پھیل گئی ہے اور جسے دیکھو وہ لڑائی کی تیاری کر رہا ہے۔

ادھر ہسپانیہ میں ہنی بال اپنی کارتھیجی اور ہسپانوی فوج کو تعلیم دے رہا تھا کہ آنے والی لڑائی کا زبردست مقابلہ کرے۔ اس نے سوچ لیا تھا یا تو مر جائے گا یا دشمنوں پر ثابت کر دے گا کہ کارتھیج دنیا کی سب سے بڑی طاقت ہے۔ پیرنیس کے اونچے اونچے پہاڑ اس کے سامنے تھے اور انھیں پار کرنے پر تلا ہوا تھا۔ اُسے یہ امید بھی تھی کہ راہ میں جتنے گیلک قبیلے اُسے ملیں گے وہ سب اس کا ساتھ دیں گے اور وہ اس کی مدد سے گال اور اتر رو ریپی کو فتح نہیں کرے گا بلکہ خاص روم پر بھی دھاوا بول دے گا۔

ہنی بال نے آگے بڑھنا شروع کیا۔ اس کے ساتھ ۹۰۰۰۰ آدمی ۲۰۰۰۰ گھوڑے اور ۳۷ ہاتھی تھے کیونکہ اس زمانے میں افریقہ کے ہاتھی لڑائی میں بڑا کام دیتے تھے۔

وہ بڑھنے کو تو بڑھ گیا مگر جگہ جگہ اسے مشکلیں گھیرتی رہیں۔ جس گاؤں سے گذرتا وہاں کے چھوٹے موٹے قبیلے اس سے لڑنے کو تیار ملتے یہاں تک کہ پیرنیس کے پہاڑ تک پہنچتے پہنچتے اس کی چوتھائی فوج کا خاتمہ ہو گیا۔ لیکن ابھی ایک اور آفت باقی تھی۔ پیرنیس کے برف سے لدے ہوئے پہاڑوں کو دیکھ کر ہی ۱۱۰۰۰ سپاہی جی چھوڑ بیٹھے اور آگے بڑھنے سے انکار کر دیا مگر ہنی بال جو نا امید ہونا جانتا ہی نہ تھا اب بھی پریشان نہیں ہوا اور سپاہیوں کا انکار سن کر بولا، "تم لوگوں میں سے جو جانا چاہے، جا سکتا ہے" کیونکہ وہ جانتا تھا کہ بزدل سپاہی جی توڑ کر نہیں لڑ سکتے اور ۱۱۰۰۰ آدمی واپس چلے گئے۔

ہنی بال اپنے بقیہ ساتھیوں کے ساتھ پیرنیس پر چڑھتا رہا کیونکہ اسی پہاڑ کے دوسری طرف روم

تھا۔ ہنی بال برابر بڑھتا چلا گیا۔ مگر روم والے خاموش
بیٹھے رہے۔ شاید وہ اس خیال میں مگن تھے کہ بھلا
کس میں اتنی ہمت ہے جو پیرینیس جیسا اونچا پہاڑ پھاند
کر روم پر حملہ کر سکے۔

جاڑا آ چلا تھا۔ پہاڑوں پر برف ہی برف
تھی۔ سردی ہڈیاں تک کو سُن کئے دیتی تھی۔ اکثر
چوٹیوں پر سے برف اس طرح ٹوٹ کر گرتی گویا
ہزاروں توپیں دغ گئیں اور نیچے ہنی بال کی فوج کے
کسی نہ کسی حصے کو کچل دیتی۔ پھر بھی ہنی بال نے رکنے
کا نام نہیں لیا۔ راہ میں اس نے گال کے چند رومیوں
سے مدد مانگی کہ وہ اس کی فوج کو پہاڑوں کا صحیح راستہ
بتا دیں۔ مگر انھوں نے ہنی بال کو سخت دھوکا دیا۔
کیونکہ وہ ہنی بال کی فوج کو ایسے راستے پر لے آئے
جہاں اُن کے قبیلے والے موجود تھے۔ اور انھوں نے
ہنی بال کی فوج کو لوٹنا شروع کر دیا۔ ہنی بال
نے ایک جھیل کے کنارے پہنچ کر ایک چھوٹا سا دستہ
تو اُن باغی گال والوں کے مقابلے کو چھوڑا اور بقیہ
فوج کو چالاکی سے نکال لے گیا۔

لیکن ہنی بال اور اس کی فوج کے لئے ان آدمیوں
سے زیادہ خوفناک دشمن پہاڑوں پر جمی ہوئی برف
تھی جس نے پوری فوج کو بے بس کر دیا تھا۔ ہزاروں
بھوک سے مر گئے۔ ہزاروں سردی سے ٹھٹھر کر رہ
گئے۔ لیکن ہنی بال نے ہمت نہ ہاری۔ اس نے اپنے
بچے کھچے آدمیوں سے پکار کر کہا کہ اگر وہ اکیلا بھی رہ
جائے گا پھر بھی چڑھنے سے باز نہ آئے گا۔ اور وہ
چڑھتا رہا۔ اپنی فوج کو چڑھاتا رہا اور آخر نویں دن
وہ اپنے ساتھیوں سمیت پیرینیس کی چوٹی پر پہنچ گیا
سامنے روم نظر آ رہا تھا۔

"بڑھو میرے بہادرو بڑھو!" ہنی بال کی
آواز گونجی، اور تھکی ہوئی فوج نے اترنا شروع کر دیا۔
لیکن راستہ اتنا خراب تھا کہ تین دن تو اس کے بنانے
ہی میں لگ گئے۔ تین دن اور گذرے اور آخرکار
ہنی بال "سسل پائن گال" میں داخل ہو گیا۔ یہ
اطالیہ کا ایک حصہ تھا۔ اور اس کی فتح کی پہلی نشانی!

کیا تم نے سوچا بھی کہ ان سولہ دنوں میں
ہنی بال کے ... ۴۳ ہزار آدمیوں کو صرف پیرینیس
کے پہاڑ ہڑپ کر گئے۔ ہاتھیوں اور گھوڑوں کی تو
بات ہی جانے دو۔

رومیوں نے ... ۴ کی ایک فوج اپنے
دو سرداروں کے ساتھ لڑنے کو بھیجی مگر ہنی بال
کی ہوشیاری اور جی داری نے روم والوں
کے دانت کھٹے کر دئے اور وہ اپنی چھوٹی سی بچی
کچی فوج کے ساتھ اس بہادری سے لڑا کہ رومیوں
کے منہ پھر گئے اور وہ بے تحاشا بھاگے ....

اب سسل پائن گال کا پورا علاقہ ہنی بال
کے رحم پر تھا۔

ہنی بال کی فتح ہوئی۔ یہ اس کی بہادری اُس کی ہمت، اس کی اور اس کی فوج کی قربانیوں کا انعام تھا۔ اسی علاقے میں اس نے اپنی فوج کو آرام لینے دیا تاکہ جب جاڑا گذرجائے تو پھر تازہ دم ہوکر حملہ کیا جائے ۔

پہیلیاں[۵]

(۱) بے ماں باپ کا آیا۔ مردوں کو جلایا۔

(۲) چوبیس گھنٹے پانچ پکار۔ سُن کے نہ آئے تو گنہگار

(۳) چوبیس گھنٹے پانچ پریڈ۔ پیچھے پلٹن آگے ہیڈ

(۴) سو نمازی ایک امام۔ چلتے پھرتے پڑھیں تمام

(۵) ایک دیا بالا۔ سارے جگ میں اُجالا

(۶) لگ لگ کہو تو نا لاگے
اور مت مت کہو تو لگ جائے

(۷) چوری کی نا خون کیا۔ اس کا سر کیوں کاٹ لیا

(۸) سوتے جاگتے چلتا رہے۔ جس میں چلے وہ ہلتا رہے
چلنا جب اس کا رک جائے۔ زندہ ہو تو مردہ کہلائے

(۹) ایک جانور اصلی جس کے ہڈی نہ پسلی

(۱۰) ایک جانور عجب جس کی دم پر غضب

(۱۱) ایک آبخورے میں دو رنگ کا پانی

(۱۲) سر کاٹے سے امن ہو جاوے اور پاؤں کاٹے
سے پیالہ اتنا پتہ تمہیں اور بتا دیں رنگ ہے اس کا کالا

(۱۳) آدھا گدھا، آدھی بکری بے شبہ اس کو کھائیں سبھی

(۱۴) کھیت میں ہو تو سب کوئی کھاوے
گھر میں ہو تو گھر بہ جاوے

(۱۵) ایک سبھا میں پھری جو دیکھے تھو تھو کرے۔

(۱۶) ایک نار ہے ایسی پیاری۔ جس کو دیکھو اس پہ واری
آپ ہلے اور مو ہے ہلائے۔ اس کا ہلنا مو کو بھلائے

(۱۷) سر پہ پتھر۔ پیٹ میں انگلی۔

---

۵ جواب صفحہ ۴۴۳ پر دیکھو۔

گھوڑا

محمد اظفار اللہ صدیقی

آج ہم تمھیں گھوڑا بنانے کی ترکیب بتاتے ہیں
یہ گھوڑا بڑی آسانی سے بن جاتا ہے، بوتل میں لگانے
والا ایک بڑا سا کاگ، دیا سلائی کی کچھ تیلیاں، تھوڑا
سا کالا ڈورا، ایک پتلا سوجا، ایک تیز چاقو، ایک
چھوٹا سا دفتی کا ٹکڑا، ایک پنسل، کچھ رنگ، ایک پن
اور ایک قینچی کی مدد سے یہ گھوڑا بن جاتا ہے، پہلے
دفتی کے ٹکڑے پر نیچے بنے ہوئے گھوڑے کی شکل
پنسل سے بناؤ۔ (۱) اور پھر اسے قینچی سے کاٹ لو۔

اس کے بعد شوخ رنگوں سے اسے رنگ ڈالو۔ بس
گھوڑے کا سر تیار ہو گیا۔ اب دھڑ کیسے بنے بوتل
کی ڈاٹ کے دونوں چپٹے سروں کو چاقو سے چھیل کر
گول کر لو (جیسا کہ تصویر میں دکھایا گیا ہے (۲) بس
تمھارے گھوڑے کا دھڑ بن گیا۔ اس میں ٹانگیں لگانے

کے لئے سوجے سے چار چھید کرو۔ ان چھیدوں میں
ایک ایک دیا سلائی کی تیلی داخل کر دو (۳) تیلیوں کا
مسالے والا حصہ باہر رکھو یہ گھوڑے کا کھر کا کام دے گا۔
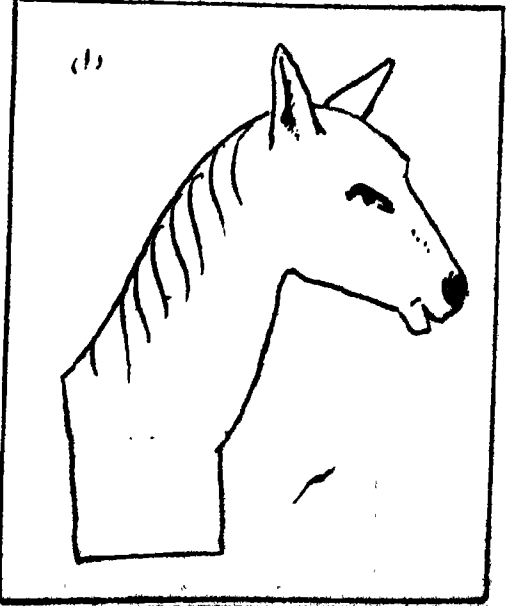
لگانے سے پہلے ان تیلیوں کو بھی رنگ لینا چاہئے اب دس یا بارہ کالے ڈورے کے ٹکڑے ملا کر دم بناؤ اور اسے کارک کے پتلے سرے میں ایک الپین سے باندھ کر لگا دو۔ اب صرف سر لگانا باقی رہ گیا۔ اس کے لئے کارک کے موٹے سرے کی طرف چاقو یا تیز چھری سے ایک درازسی بنا لو۔ اس دراز میں دفتی کا بنا ہوا سر داخل کر دو (۴)، پھر ایک آلپین کارک کے آرپار اس طرح داخل کر دو کہ دفتی کے بیچ میں ہو کر نکلے۔ اس طرح سر اپنی جگہ سے ہٹ نہ سکے گا۔ لو اب تمھارا گھوڑا تیار ہو گیا۔ خوب صورتی کے لئے کسی رنگ سے کارک بھی رنگ لینا چاہیئے ۔
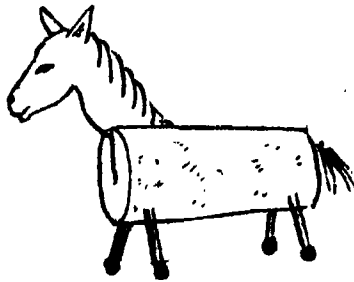
اشرف القواعد

از مولوی محمد یعقوب شاہ جہاں پوری۔

مولوی محمد یعقوب صاحب (فاضل دیوبند) نے یہ عربی قاعدہ بہت غور و توجہ کے بعد نئے اصولوں پر لکھا ہے۔ مولینا کو چھوٹے چھوٹے بچوں کو پڑھانے کا موقع بھی ملا ہے انھوں نے اس تجربے سے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ سمجھ دار استاد اس قاعدے کے ذریعے چار ساڑھے چار مہینے میں قرآن ختم کرا سکتا ہے۔ قیمت ۱؎۔ مولینا محمد یعقوب شاہ جہاں پوری سے کتب خانہ تعلیمی قرول باغ نئی دہلی سے مل سکتا ہے۔

کیوں، کیوں کر، کیسے؟

نورالحسن صاحب ہاشمی۔ ایم۔ اے

مان سون

ہمارے یہاں برسات میں جو کالے کالے بادل اور اودی اودی گھٹائیں اٹھتی رہیں انھیں کہاں سون کہتے ہیں۔ لیکن یہ مان سون ہمیشہ برسات ہی کے زمانے میں کیوں آتے ہیں۔ اس کی وجہ بہت آسان ہے۔ یہ تو تم سب بچوں کو معلوم ہوگا کہ ہندوستان کے دکھن میں ایک بڑا سمندر بحر ہند ہے۔ بس جب گرمیوں میں ہوا گرم ہو کر پھیلتی ہے (اور ہاں تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ ہر چیز گرمی سے پھیلتی ہے) تو اوپر اٹھ جاتی ہے۔ اس کی جگہ پوری کرنے کے لئے سمندر کی طرف سے ہوائیں آنے لگتی ہیں، اتر پورب اور پچھم سے تو نہیں آسکتیں کیونکہ اس طرف بڑے بڑے پہاڑ ہیں۔ بس صرف دکھن کے بحر ہند ہی سے آتی ہیں اور چونکہ سمندر کی طرف سے آتی ہیں اس لئے پانی سے بھری ہوئی ہیں اور جلی تپی زمینوں کو تر کر دیتی ہیں۔ برسات ہمیشہ گرمی ہی کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اگر گرمیوں میں گرمی خوب نہ پڑے تو ایسی زور کی برسات نہ ہو۔ جاڑوں کی برسات کو مان سون نہیں کہتے۔ مان سون صرف ہندوستان چین اور انڈوچین میں برستا ہے۔

پانی کیسے برستا ہے؟

جب گرمی خوب زور کی پڑتی ہے۔ تو سمندر جھیل، تالابوں، دریاؤں اور نہروں کا تھوڑا بہت پانی گرم ہو کر بھاپ بن کر ہوا میں مل جاتا ہے۔ سمندر کا زیادہ ملتا ہے کیونکہ سب سے زیادہ پانی اسی میں ہوتا ہے۔ یہ بھاپ ہوا میں جب بہت زیادہ ہو جاتی ہے تو بادلوں کی شکل میں ہمیں دکھائی دینے لگتی ہے تم نے اکثر بوڑھی عورتوں سے سنا ہوگا کہ بادل سمندر سے مشکیں بھر کر لاتے ہیں اور سب جگہ چھڑکاؤ کرتے رہتے ہیں۔ یا یہ کہ بادل روئی کے گالے ہیں جو سمندر سے پانی سے تر ہو کر آ جاتے ہیں اور جگہ جگہ برستے رہتے ہیں۔ یہ باتیں سب غلط ہیں۔ بادل دراصل بھاپ کے بڑے بڑے مجموعے یا ڈھیر ہیں جو ہوا میں

ادھر سے اُدھر گھومتے رہتے ہیں۔
لیکن یہ برسے کیوں کر ہیں۔ اس کی وجہ بہت
آسان ہے۔ تم کو شاید نہ معلوم ہو کہ اوپر آسمان کی
طرف بہت ٹھنڈک ہوتی ہے۔ جتنا جتنا ہم اوپر
جاتے جائیں اتنی ہی ٹھنڈک اور سردی اور بڑھتی

کر پانی کے قطرے بن جاتی ہے اور قطرے چونکہ
وزنی ہوتے ہیں ہوا انھیں سنبھال نہیں سکتی۔
اس لئے نیچے گر پڑتے ہیں اسی کو بارش کہتے ہیں۔
جب سردی اوپر زیادہ ہوتی ہے تو یہی قطرے جم کر
اولے بن جاتے ہیں۔ (یہ بات کہ اوپر سردی کیوں

جائے گی یہی وجہ ہے کہ لوگ گرمی سے بچنے کے لئے
پہاڑوں پر چلے جاتے ہیں یا جب ہوائی جہاز میں بیٹھتے
ہیں تو بڑے بڑے اونی کپڑے پہن لیتے ہیں تاکہ اوپر
جاکر سردی نہ لگے، تو کہنا یہ ہے کہ یہ بادل بھی جب
اوپر جاتے ہیں تو سردی کے مارے یہ بھاپ ٹھٹھر

زیادہ ہوتی ہے ہم آئندہ کے پرچے میں بتائیں گے)

پتنگ کیوں اڑتا ہے؟

بہت سے بچے کنکوے اڑاتے ہیں۔ دراصل
یہ بڑا اچھا کھیل ہے۔ لیکن تم کو یہ بھی معلوم ہے کہ
یہ ہوا میں کیوں اڑتا ہے۔ بھلا ڈور نہ باندھو تو یہ

ہوا میں کیسے اُٹھے گا۔ اور ڈور کیا در اصل اسکے اُٹھنے کا راز کنّوں میں ہوتا ہے۔ اگر اگلے کنّے کی ڈور تم پچھلے کنّے کی ڈور سے کم نہ رکھو تو یہ ہرگز نہیں اُڑ سکتا۔

اور ہاں ایک بات اور بھی ہے وہ یہ کہ جس طرف کی ہوا ہوگی۔ اسی طرف یہ اُڑ سکتا ہے کسی اور طرف نہیں۔ تو ہوتا یہ ہے کہ جب تم پتنگ ہوا میں اُٹھاتے ہو تو ہوا اُسے اپنے رخ لے جانا چاہتی ہے لیکن تم ڈور اپنی طرف کھینچتے ہو تو پتنگ ہوا کے دباو کو روکتی ہے۔ لیکن اس کا اگلا کنّا ہوتا ہے چھوٹا اس لئے تمام دباؤ پتے کی طرف سے نکلتا جاتا ہے اور کنکوا ہوا میں اونچا ہوتا جاتا ہے۔ اکثر بچّے پتنگ کو زمین پر رکھ کر ہوا کے اُلٹے رُخ بھاگتے ہیں اور پتنگ ہوا میں اونچا ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ اسی طرف دوڑنے سے ہوا کا دباؤ پتنگ پر پڑتا ہے۔ ساتھ ہی اس کے ڈور بھی کھنچتی ہے۔ اس لئے پتنگ اس دباؤ کو روکتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ دباؤ اور بھی زیادہ ہو جاتا ہے۔ اگلا کنّا چھوٹا ہونے کی وجہ سے دباؤ پتے کی طرف سے نکلتا جاتا ہے اور پتنگ اوپر چڑھتی جاتی ہے اگر نچلا کنّا چھوٹا ہو تو پتنگ فوراً زمین پر گر پڑے گی۔ تم نے اکثر پتنگ اُڑنے میں اُن کے سرسرانے کی آواز سُنی ہوگی۔ یہ دراصل ہوا کا دباؤ ہوتا ہے جو ایک طرف کام کرتا ہے۔ دوسری طرف سے پتنگ اُسے روکتی ہے۔ اس ہوا اور پتنگ کی لڑائی میں پتنگ جیت کر اوپر اُٹھ جاتی ہے ۔

اقبال ۔ از جناب محمد حسین خان۔ ایم۔ اے، بی ٹی (علیگ)

مولف نے اس کتاب میں ڈاکٹر اقبال مرحوم کے حالات لکھے ہیں اور پھر آسان زبان میں بتایا ہے کہ اقبال نے اپنی شاعری میں کیا بتایا ہے اور اقبال کا فلسفہ کیا تھا۔ کتاب بڑے لڑکوں کے لئے لکھی گئی ہے۔ صفحات ۱۱۲ صفحے۔ لکھائی، چھپائی معمولی کاغذ اوسط درجے کا قیمت بارہ آنے۔

پیام تعلیم کے خریداروں سے ۹ر

ملنے کا پتہ:۔ خورشید اینڈ براورز نمبر ۱۰۹۹۔ فراش خانہ، دہلی۔

خودداری

سید محمد حسین صاحب (عنایت نگر)

دنیا کی آزاد قوموں کے بچوں میں خودداری کا جذبہ اتنا ہوتا ہے کہ غلام قوم کے لوگ اس کا اندازہ بھی نہیں کرسکتے۔ جاپان کے بہت ہی کم عمر بچے جب اپنے کسی ساتھی کو ماں باپ کے ساتھ بازار میں جاتے ہوئے دیکھتے ہیں تو اس کو چھیڑنے کے لئے کہتے ہیں "کیا اب بھی دودھ کی ضرورت ہے"

ہمارے ملک کے ایک بہت بڑے ماہر تعلیم آج سے سولہ سال پہلے جاپان کی سیر کو گئے تھے ان کو وہاں کی یونیورسٹی کے ایک طالب علم سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ وہ غریب اپنے مدرسے سے چھ میل دور ایک کھیت کی رکھوالی پر نوکر تھا۔ اس نوکری سے جو تنخواہ ملتی تھی وہ مدرسے کے خرچ اور چوبیس گھنٹوں میں ایک وقت کی معمولی غذا کے لئے کافی ہوسکتی تھی۔ وہ رات بھر رکھوالی کرکے صبح سورج نکلتے نکلتے اپنا کھانا پکاتا اور پیدل چل کر اپنے مدرسے آتا تھا جب ہمارے ہندوستانی بزرگ کو یہ معلوم ہوا کہ یہ لڑکا اپنی درس گاہ میں سب سے زیادہ شائستہ، نیک خصلت اور ہر مضمون میں سب سے زیادہ قابل بھی ہے تو انھوں نے اس کو کچھ روپیہ دے کر مدد کرنی چاہی۔ اس وقت اس لڑکے کے چہرے پر غیرت اور شرم و تکلف کے آثار ظاہر ہوئے اور اس نے بڑے ادب سے کہا۔ "جناب میری رگوں میں ایک خوددار قوم کا خون ہے اس لئے یہ میرا خوش گوار فرض ہے کہ زندگی کی راہ میں جس قدر مشکلیں پیش آئیں اُن کو بلا کسی امداد کے برداشت کروں۔"

نئے نئے کھیل

تعداد۔ دس سے تیس تک

جگہ۔ محلہ، جنگل

طریقہ

دو دو کھلاڑیوں کی جوڑیاں بنائی جائیں۔ پاس (قرعہ) سے ایک جوڑی کو چھوتی چنا جائے اور اس سے کہا جائے کہ "فلاں گھر میں پوچھ آؤ کہ کیا پکا ہے" یا "فلاں درخت کا پتہ توڑ لاؤ" وغیرہ وغیرہ۔ چھوتی اس کی تعمیل کریں گے۔ اس اثنا میں باقی کھلاڑی بھاگ کر کہیں چھپ جائیں گے۔

چھوتی اس کام کو پورا کرنے کے بعد کسی ایک کو ڈھونڈ کر پکڑنے کی کوشش کریں گے۔ اگر کوئی لڑکا پکڑا گیا تو اس کا دوسرا ساتھی بھی پکڑا ہوا سمجھا جائے گا پکڑنے کے بعد چھوتی منہ میں انگلیاں ڈال کر زور سے سیٹی بجائیں (سیٹی بجانی نہ آتی ہو تو زور سے پکاریں) سیٹی کی آواز سنتے ہی سب کھلاڑی ایک جگہ (جو پہلے سے مقرر ہو) اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ نئے چھوتیوں (وہ جوڑی جو پکڑی گئی ہے) کو اسی طرح کوئی کام بتا کر کھیل بدستور جاری رکھیں۔

احتیاط

"چھوتی" (۱) جوڑی کو جو کام بتایا جائے اس کی بعد میں پڑتال کر لینی چاہئے۔ اگر اس نے بتلائے ہوئے کام کو پورا نہ کیا ہو اور یوں ہی جھوٹ کہہ دیا ہو تو دوبارہ اسی جوڑی کو چھوتی بنایا جائے۔

(۲) صرف ڈھونڈ لینا ہی کافی نہیں۔ کسی ایک کو پکڑنا بھی ضروری ہے۔

(۳) اگر بغیر پکڑے چھوتی سیٹی بجا دیں تو ان ہی کو دوبارہ چھوتی رکھا جائے۔

(۴) چھوتی جوڑی حتی الوسع اکٹھی رہ کر کسی کو پکڑے۔ لیکن اگر دونوں نے دونوں کھلاڑیوں کو پکڑ لیا تو وہ جوڑی چھوتی بنے گی جس کے کسی لڑکے کو پہلے چھوا ہے۔ لیکن ایسا بہت کم ہوتا ہے کسی ایک کو چھو کر فوراً سیٹی بجا دینی چاہئے۔

معما

۴		۳	۲		۱
	■		۵	■	
■	۷			۶	■
۹					۸
	■			■	
	۱۱	■	■		۱۰

پہلا انعام پانچ روپیے

دوسرا انعام تین "

تیسرا انعام دو "

(انعام کتابوں کی صورت میں دیا جائے گا۔)

اشارات

دائیں سے بائیں :-

(۱) ایک صوبے کے رہنے والوں کو کہتے ہیں۔
(۵) آج کل یہ پھل تو خوب کھاتے ہوگے۔
(۶) ایک پھل کا خشک کیا ہوا شیرہ۔
(۸) لفظ عبودیت (بے ترتیب)
(۱۰) ایک عدد
(۱۱) ہمارے کے لئے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے

اوپر سے نیچے :-

(۱) نہر پر چل رہی ہے ..... چکی یہ دھن کی پوری ہے کام کی پکی
(۲) یونیورسٹی
(۳) الہ آباد کے مشہور ہیں۔
(۴) یہ دو دن میں کیا ماجرا ہوگیا، کہ جنگل کا جنگل ہرا ہوگیا
(۷) از
(۸) انصاف
(۹) تم سب ..... ہو

قواعد :- (۱) صرف وہی پیامی اس معمے میں شرکت کرسکیں گے جو پیام تعلیم کے خریدار ہیں یا جو پیام برادری کے ممبر ہیں (۲) ایک حل کے ساتھ ایک آنے کا ٹکٹ آنا ضروری ہے (۳) ایک سے زیادہ حل بھی بھیجے جاسکتے ہیں (۴) صحیح حل بھیجنے والوں کو پہلا۔ ایک غلطی والوں کو دوسرا اور دو غلطی والوں کو تیسرا انعام تقسیم کردیا جائے گا (۵) حل ۱۰ ستمبر تک ایڈیٹر صاحب پیام تعلیم مکتبہ جامعہ دہلی پہنچ جانا چاہئے (۶) ایڈیٹر کا فیصلہ قطعی ہوگا۔

نورمبرگ کی عورتیں

یگی سلونیا کے ایک چھوٹے سے نورمبرگ نامی قصبہ میں عورتوں نے قانون کی بڑی گت بنائی۔ قصبے کے بیچ سے ایک نئی سڑک نکالی گئی تھی جو پوری نہیں بنی تھی بلکہ ادھوری چھوڑدی گئی تھی۔ اس پر دھواں اور راکھ وغیرہ کا ڈھیر لگ گیا تھا اور اتنی خراب ہوگئی تھی کہ عورتیں اپنے گھروں کو اس کی وجہ سے صاف ستھرا نہیں رکھ سکتی تھیں۔ اس لئے انھوں نے اس کو بند کرنے کا ارادہ کرلیا۔

سڑک کے دونوں سروں پر انھوں نے میزوں اور کرسیوں کے ڈھیر لگادے اور اُن پر خود چڑھ گیئں تاکہ موٹریں اس پر سے نہ گذر سکیں اور دوسرے راستے سے جائیں۔ کچھ عورتیں جھاڑیں لے کر سڑک کی خاک دھول کو صاف کرنے لگیں پولیس بلائی گئی لیکن اس کی بھی کچھ نہ چلی اور پانچ گھنٹوں تک عورتوں نے سڑک کو بند رکھا۔ جب ان کو سڑک کے بنانے والے محکمے کی طرف سے پورا پورا یقین دلایا گیا کہ جلد از جلد سڑک بن جائے گی تب وہ واپس گھروں کو لوٹیں۔

تین درخت

ایک سیاح جاپان کے گھروں کو دیکھ کر بہت متعجب ہوا۔ وہ کہتا ہے کہ جاپان کے ہر گھر میں ایک اناس کا درخت تاکہ اس سے بوڑھاپا ظاہر ہو، بانسوں کا ایک کنج جو کہ طاقت کی نشانی ہے اور ایک بیر کا درخت جس سے پاکبازی مراد ہے، ہوتا ہے

جرمنی کی آبادی

۱۸۷۰ء میں جرمنی نے جب فرانس پر حملہ کیا تھا اس وقت اس کی آبادی ......۴۱ تھی مگر حال کے اعداد و شمار سے جو گذشتہ مئی میں لے گئے تھے یہ پتہ چلا ہے کہ جرمنی کی آبادی ......۶۲.۸ ہوگئی ہے۔

ذاکر صاحب قبلہ (شیخ الجامعہ یورپ جاتے ہوئے) پورٹ سعید میں جہاز سے اتر کر ایک کشتی پر ساحل کی طرف جا رہے ہیں اور سعد صاحب سے گفتگو کر رہے ہیں۔

حدیقہ اندلسیہ

مصر میں دو ہندی اور دو مصری طالب علم ایک خوبصورت بگھیہ کے بلیچ پر بیٹھے ہیں (بائیں طرف سعد انصاری صاحب ہیں)
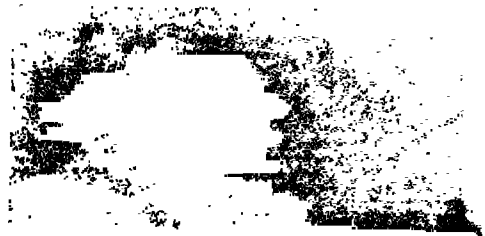
دریائے نیل کا ایک منظر

(مرسلہ سعد انصاری صاحب)

"سورج نکل رہا ہے"

(مرسلہ شیخ محمد اقبال کھمبل پور)

"سایہ"

(مرسلہ شیخ محمد اقبال)

"وحشت اور جلدی"

(مرسلہ سید صباح الدین احمد لکھنئو)

پتنگ اٹک گئی

"پتنگ اُتارنے کی کوئی اور ترکیب نہیں ہے؟"

جرمنی سے موٹر کی نمائش کے سلسلے میں جو ٹکٹ شائع ہو چکے ہیں۔ ہم نے اُن کا ذکر کسی گذشتہ اشاعت میں کیا ہے۔ ان ٹکٹوں میں کے باقی بچے ہوئے ٹکٹوں پر اب دوبارہ (NUBURGRING - RENNEN) چھپے گا۔ اور تقریباً دو ماہ کی محدود مدت تک یہ ٹکٹ فروخت ہوں گے۔ ان کی قیمت کا کچھ حصہ ہٹلر کے کلچر فنڈ میں دیا جائے گا۔

ہنگری نے چودہ ٹکٹوں کا ایک نیا سٹ حال ہی میں جاری کیا ہے۔ ان ٹکٹوں پر ورجن، چائلڈ سینٹ اسٹیفن اور مختلف گرجا گھروں کی تصویریں ہیں جو تمام کی تمام مذہبی ہیں۔
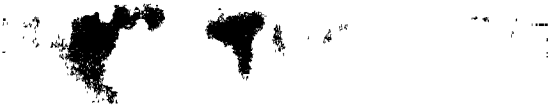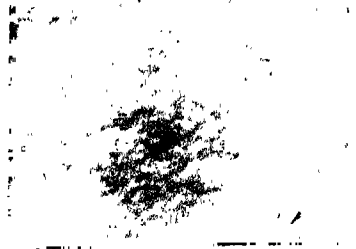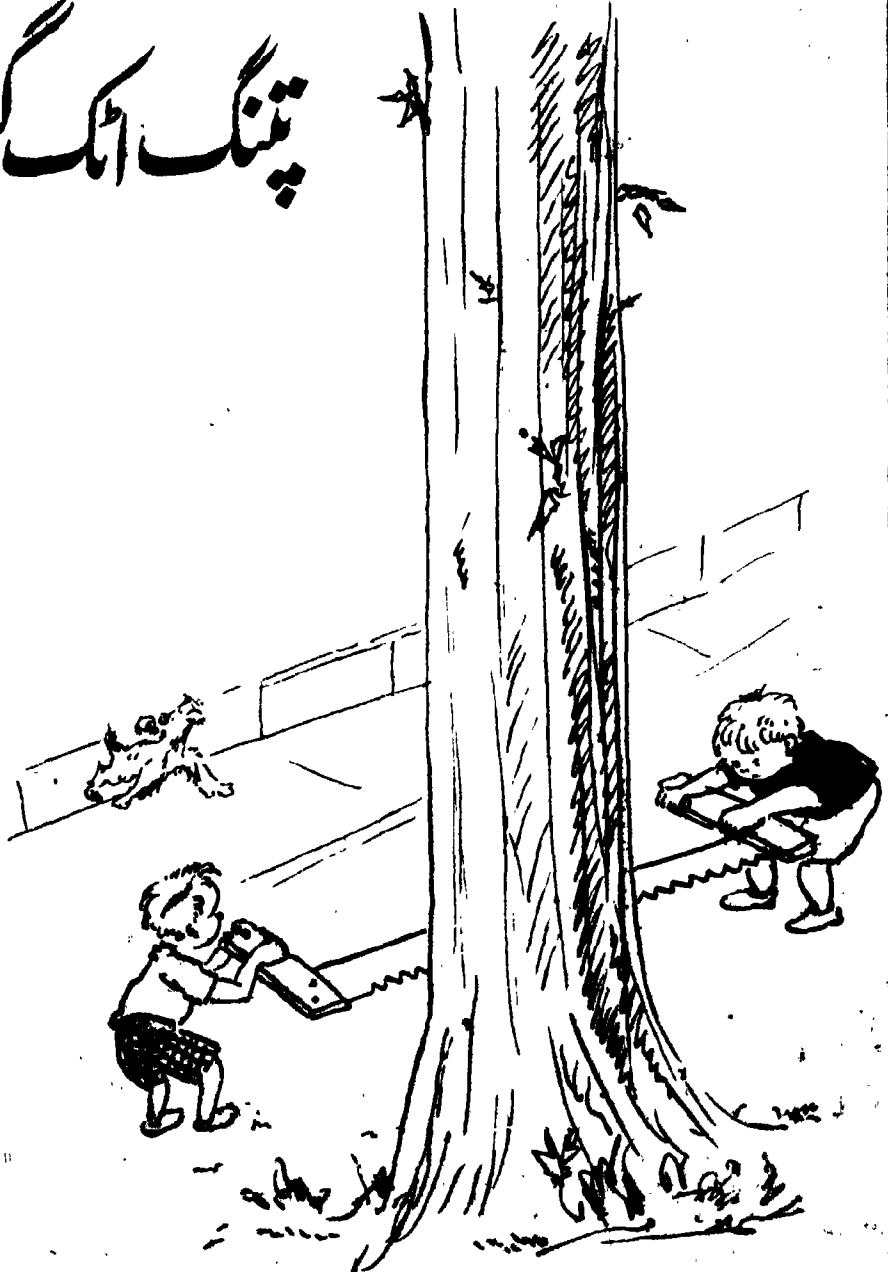
چین نے چار ٹکٹ اس مقصد کو ظاہر کرنے کے لئے جاری کئے ہیں کہ وہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے (WORLD'S FAIR) میں حصہ نہیں لے گا ان ٹکٹوں پر جارج واشنگٹن اور ڈاکٹر سن یٹ سین ساتھ ساتھ اپنی اپنی جمہوریت کا جھنڈا لئے ہوئے دکھائے گئے ہیں۔

ڈچی آف لوکزمبرگ سے دس مختلف قیمتوں کے ٹکٹوں کے شائع ہونے کی خبر ملی ہے۔ ان ٹکٹوں پر ۱۸۱۵ء سے لے کر اب تک تمام حکمرانوں کی تصویریں ہوں گی۔

سوئٹزرلینڈ میں (NATIONAL FLAT DAY) کے موقع پر ۵ جولائی ۱۹۳۹ء کو ایک خاص ٹکٹ جاری کیا جا رہا ہے۔ اس ٹکٹ سے گذشتہ عظمت اور جنگ لوپین میں سوئٹزرلینڈ کی فوج کی ایک تاریخ کی یاد تازہ کراتے ہوئے اس کی ۶۰۰ ویں سال گرہ منائی جائے گی۔ ٹکٹ اصلی قیمت سے دو چند میں فروخت ہوگا اور اس پر لوپین کے قلعے کی ۱۳۳۹ء کی حالت ظاہر کرنے والی تصویر بنی ہوگی۔

انگلینڈ کی بہترین اور دنیا میں مشہور ترین کرکٹ کی ایم، سی، سی ٹیم ہندوستان بلائی گئی تھی لیکن اُس نے آنا منظور کر لیا تھا۔ ایم، سی، سی نے ہندوستان کے لئے جن جن کھلاڑیوں کو طلب کیا ہے ان کا اعلان حال ہی میں ہوا ہے۔ اس اعلان سے ہندوستان ناامید سا ہو رہا ہے۔ کیونکہ ڈبلو، آر ہمینڈ۔ پینٹر۔ ہٹن۔ کے فارنیس۔ گوڈارڈ۔ ویریٹی۔ ایڈرچ۔ کا پٹن فیگ ...... اور بہت سے بہترین کھلاڑی ہندوستان نہیں آ رہے ہیں۔ اس کو آنریبل ڈاکٹر پی سبرائن کرکٹ بورڈ آف کنٹرول کے صدر نے بھی محسوس کیا کہ ایم، سی، سی ٹیم نے ہندی بلاوے کو کوئی اہمیت نہیں دی ہے۔ اور خاص کھلاڑی نہیں آ رہے ہیں۔

ایم، سی، سی کے کھلاڑی جو ہندوستان آ رہے ہیں حسب ذیل ہیں:

(۱) مسٹر ہولمس (کپتان ٹیم کے) (۲) مسٹر ایچ، ٹی، بارٹ لیٹ جو ہندوستان ہی میں ۱۹۱۴ء میں بالاگھاٹ میں پیدا ہوئے تھے اور نو برس کی عمر تک یہیں رہے اور کیمبرج کے سابق کپتان ہیں۔ (۳) مسٹر ایس، سی گریفیتھ (کیمبرج یونیورسٹی سرے اور سسیک) (۴) مسٹر آر، ایچ، سی ہیومین (کیمبرج یونیورسٹی برک شائر، آکسفورڈ شائر، اور وارسسٹر شائر) (۵) مسٹر آر، ای، ایس یاٹ (وارک شائر کے کپتان) (۶) جان لنگرج اور اُن کے بھائی (۷) جیمس (۸) ایمریل ڈیوینز آف سگلے مارگن (۹) ایچ، ای ڈولیری (۱۰) ایچ گمبلیٹ (سمرسیٹ) (۱۱) جی ایس، موبے (۱۲) ایم ایس نکلس (ایسیس) (۱۳) پیٹر اسمتھ (۱۴) پارکر (۱۵) ویلارڈ آف سمرسیٹ۔ جنھوں نے گذشتہ سیزن میں ۱۰۶ وکٹ لئے تھے۔

دیکھئے ہندوستان میں یہ حضرات کیا گل کھلاتے ہیں اور ہندوستانی ان سے کیا کیا سیکھتے ہیں۔ ان کے آنے جانے اور ہندوستان میں ٹھہرنے کے تمام اخراجات ہندوستان برداشت کریگا اور ہندوستانی ٹیم جب کبھی انگلستان جاتی ہے اپنے خرچ پر جاتی ہے۔

عزیز بچیو اور بچو! خوش رہو اور تندرست۔ اب کی پیامیوں نے معمّا حل کرنے میں بہت زیادہ سرگرمی دکھائی اس مرتبہ پچھلے مہینے سے کوئی چار گنا زیادہ حل آئے ہیں۔ بہت سے پیامی قرعے کے خلاف ہیں۔ یہ بات مجھے بھی ٹھیک نہیں معلوم ہوئی اور اب میں نے معمّے کا ڈھنگ اور انعام کا طریقہ بدل دیا ہے۔ اس تبدیلی کے بعد مجھے امید ہے کہ بچے معمّا حل کرنے میں زیادہ دلچسپی ظاہر کریں گے۔ ان پیامیوں نے معمّا حل کر کے بھیجا ہے:۔

مسعود اقبال۔ سہارن پور
مہ جبیں، حیدر آباد دکن
مس جمیلہ عبداللہ، لاہور
شیخ محمد اقبال صدیقی۔ کیمبل پور
امیر اللہ خان، بھوپال
سید صباح الدین۔ لکھنؤ
عبدالرحمٰن۔ کلکتہ
نزہت کرمانیہ۔ بدایوں۔
محمد شمس الہدیٰ۔ رانی گنج
پامانند گوہر کوہستان (شملہ)،
شمیم محمود۔ دہلی
انیس الرحمٰن۔ حیدرآباد
تقی احمد سید۔ پونا

قاضی نثار احمد کیمبل پور
رضا عسکری ۹۱۹ چھپرا مئو
سید ابرار حبیب صاحب بھوپال
نائب سکریٹری انجمن گلشن اصلاح لہریا سرائے دربھنگہ
بلقیس اختر۔ رودہڑ
حبیب احمد۔ علی گڑھ
قطب الدین احمد صدیقی لکھنؤ
شریف احمد بخاری۔ میرٹھ
اسد احمد۔ حیدر آباد دکن
حامد علی خان درانی۔ بالسی
حبیب احمد صدیقی بدایوں
بیگم ح جعفری۔ پٹنہ
افضل سلطانہ۔ حیدرآباد

ضامن حسین فدا حسین برہانپور
النور مبین۔ ایٹہ
حمیرا انصاریہ۔ اعظم گڈھ
سید شاہ شرف عالم، بھاگل پور
عبدالباری سکندر۔ لکھنؤ
صابرہ خاتون۔ پانی پت
رضی احمد وارثی۔ جامعہ نگر (اوکھلا)
رام سنگھ۔ سنگرینی کالریس (دکن)
حامد حسین۔ سنبھل
فضل احمد۔ شملہ
حسن احمد۔ دہلی
سید محمد ثقلین۔ نگینہ

عبید اللہ قدوائی۔ بارہ بنکی
ابن الحسن شاہ جہاں پور
حشمت بخش اعوان۔ کیمبل پور
طاہرہ بیگم، بھوپال
سید لئیق یوسف ملتان۔
محمد اسمٰعیل۔ سنگرینی کالریس (دکن)
محمد نجیب کلکتہ
مبارک الدین۔ ہگرہ
سید عماد الدین۔ بھاولپور
ابو محمد غوث محی الدین۔ لکھنؤ
سید اعزاز علی الہ آباد
العبد محمد منیب۔ کلکتہ
عبدالمجید خان۔ جبل پور

محمد امیر حیدر خاں - اٹرولہ	فہمیدہ خاتون - کھٹور	محمد احسن - حیدرآباد	شمیم آرا رحمٰن - پٹنہ
اکرام الرحمٰن قدوائی - بارہ بنکی	محمد وسیم صدیقی - بہرائچ	سید آصف حسن - گوالیار	ظہیر حسن - بریلی
شمون احمد - لکھنؤ	سید محی الدین احمد - پٹنہ	جلال احمد خاں - دہرادون	حسن آرا بیگم - میرٹھ
ذکیہ بیگم - میرٹھ	اختر علی خاں	عمر کامل - دہلی	ابرار الرحمٰن قدوائی بارہ بنکی۔

ان بچوں نے ٹکٹ نہیں بھیجے۔ اس لئے مقابلے میں شریک نہیں کئے گئے۔

(۱) اقبال احمد - امروہہ (۲) منظر حسین - بریلی - (۳) ہریش چندر - فرخ آباد

باقی سب بچوں کے حل (جاگو اور جگاؤ) صحیح تھے اس لئے قرعہ ڈالا گیا اور یہ بچے انعام کے مستحق قرار دئے گئے۔ رضا عسکری - اول - مسعود اقبال - دوم - اور عمر کامل، سوم۔

سال گرہ نمبر والے انعامی مقابلے کے مضمونوں کا میں انتظار کر رہی ہوں - ابھی تک صرف علی گڑھ اور لاہور سے چند مضمون آئے ہیں - مجھے امید ہے کہ پیامی اب جلدی کریں گے - کیوں کہ ۱۵ ستمبر آخری تاریخ قریب آگئی ہے میں چاہتی ہوں کہ اب کی سال گرہ نمبر میں برادری کی تمام شاخوں کے ممبروں کے فوٹو شائع ہوں - تمام شاخیں یہ فوٹو زیادہ سے زیادہ ۱۰ ستمبر تک میرے پاس بھیج دیں - ہاں ایک اور ضروری بات یہ ہے کہ ۱۹ اکتوبر کو کلکتے میں ایک بڑا سا جلسہ ہوگا اس میں کتابوں کی نمائش بھی ہوگی - میرا ارادہ ہے کہ برادری کی طرف سے بھی ایک جلسہ کیا جائے اس میں برادری کے ممبر اور شاخوں کے نمایندے شریک ہوں - اس جلسے کے سلسلے میں ایک نمائش بھی ہو جس میں پیامی اپنی بنائی ہوئی یا جمع کی ہوئی چیزیں رکھی جائیں - برادری کی شاخیں اور پیامی بہت جلد مجھے اپنی رائے سے مطلع کریں۔

جامعہ کے ایک پرانے استاد جناب سعد انصاری صاحب نے مصر سے مجھے ایک خط لکھا ہے اس میں وہ لکھتے ہیں :- "آپ نے بیرونی طلبہ سے خط کتابت کا جو سلسلہ جاری کیا ہے وہ مصر کے طلبا سے بھی باآسانی ہو سکتا ہے - ایک طالب علم نے از خود مجھ سے اصرار کیا ہے کہ اُن کا تعلق آپ کے پیام بھائیوں سے ہو جائے ان کا پتہ یہ ہے :- محمد محمود - قیاب شارع معزلدین اللہ عارۃ الروم ۲۰ القاہرہ

خط انگریزی میں لکھا جائے یا عربی میں - اردو میں لکھا گیا تو وہ اپنے اردو جاننے والے دوستوں سے پڑھوا لیں گے مگر اس میں ذرا دقت ہوگی -

سعد انصاری

عزیزی ابرار قدوائی بارہ بنکی نے بھی ایک پتہ بھیجا ہے

EDWIN MACDONALD 25, DOCHFOUR

DRIVE INVERNESS, SCOTLAND

امید ہے کہ پیامی ان پتوں پر ضرور خط کتابت کریں گے۔ اچھا اب رخصت ۔ تمھاری آپا جان

جلسوں کی رودادیں

دہلی:۔ لڑکیوں کی پیام برادری کی شاخ کا ایک جلسہ ۲۹ جون ۱۹۳۹ء بروز جمعرات بہن عقیلہ شاکر صاحبہ کی صدارت میں پردہ باغ دہلی میں ہوا۔ جس میں مندرجہ ذیل تجاویز اور عہدہ داروں کا انتخاب ہوا۔

(۱) جلسہ ہر ماہ پردہ باغ میں ہوا کرے گا۔ (۲) آیندہ جلسے کے لئے "سینما" موضوعِ بحث اور تعلیم نسواں تقریر کا عنوان مقرر ہوا (۳) بارہ سال سے کم عمر لڑکی جو سب سے عمدہ کہانی سنائے اُسے انعام دیا جائے گا (۴) ہر تیسرے مہینے ایک رسالہ نکلے گا جو قلمی ہوگا (۵) جلسے میں شریک ہونے والی بہنیں فاخرانہ لباس پہن کر نہ آئیں (۶) ہر ممبر زیادہ سے زیادہ ممبر بنائے۔

عہدے داران (۱) صدر:۔ سعیدہ سید صاحبہ (۲) سکریٹری:۔ مسعودہ سید صاحبہ (۳) خزانچی:۔ شاہ جہاں بیگم۔

سکریٹری مسعودہ سید

ساگر:۔ ہمارا جلسہ ۹ جولائی ۱۹۳۹ء کو جناب عبدالحمید خاں صاحب محلہ سنیچری ٹوری میں ہوا۔ محمد جمیل ہمارے کتب خانے کے ناظم چنے گئے۔ افتتاح کلام پاک سے ہوا۔ اور اس کے بعد محمد رمضان سکریٹری نے ترانۂ ہند ترنم سے پڑھا۔ عبدالغفار صاحب نے لطیفہ، اختر علی صاحب نے کہانی اور شیخ محمد رمضان سکریٹری نے دیوار کا جن کہانی سنائی۔ جلسہ ۹ بجے ختم ہوا۔

شیخ رمضان (سکریٹری)

لکھنؤ (لڑکیوں کی شاخ) ۱۶ جولائی کو ۴ بجے ہمارا ایک جلسہ ہوا۔ موضوع مصطفےٰ کمال تھا۔ "مصطفےٰ کمال" ایک نظم پیام تعلیم میں سے پڑھی گئی۔ مصطفےٰ کمال کے حالات پر ان پیامیوں نے تقریریں کیں

(۱) ساجدہ صاحبہ (صدر) (۲) عائشہ خاتون صاحبہ (۳) رافعہ صاحبہ (۴) عزیز فاطمہ (سکریٹری) پھر میں نے گذشتہ جلسے کی کارروائی سنائی۔ آیندہ جلسے کا موضوع پابندی وقت قرار پایا۔ جلسہ کامیابی کے ساتھ برخاست ہوا۔
عزیز فاطمہ انصاریہ (سکریٹری)

بریلی:۔ ۲۳ر جولائی ۱۹۵۰ء کو میرے مکان پر جلسہ ہوا۔ سکریٹری صاحب موجود نہ تھے اس لئے مجھے اُن کی جگہ لینا پڑی۔ تلاوت قرآن سے جلسہ شروع ہوا۔ سعید حسین صاحب نے ننھی فقنی اور مجیب حسین صاحب نے چار ہوشیار بھائیوں کی کہانی سنائی، گوہر حسین، مجیب حسین اور ظہیر حسین صاحبان نے جاگو اور جگاؤ نظم پڑھی۔ رشیدہ بانو صاحبہ نے پرستان نظم سنائی۔ حسن صاحب نے مزاحیہ کہانی "چچا چھکن نے کرسی بنائی" سنائی۔ اس کے بعد حسب ذیل ممبروں نے کہانیاں سنائیں۔ اطہر حسین، گوہر حسین، مشیر حسین، سعید حسین، نصیر الدین صاحب (صدر) منظر حسین (خاکسار) مجیب حسین صاحب (خزانچی) ظہیر حسین۔ حسن بانو صاحبہ۔ اس کے بعد تقریری مقابلہ ہوا جس میں نصیر الدین صاحب اول۔ خاکسار دوم اور مجیب حسین صاحب سوم رہے۔ جاگو اور جگاؤ کے نعروں کے بعد جلسہ ختم ہوا۔
منظر حسین۔ نائب سکریٹری

آگرہ:۔ یکم اگست ۱۹۵۰ء کو پیام برادری کا ایک جلسہ جناب ابو نصر صاحب کی صدارت میں ٹیننگ ہال میں ہوا۔ جلسے کا افتتاح تلاوت قرآن سے ہوا۔ گذشتہ جلسے کی روداد پڑھی گئی اور برادری کے اغراض سے حاضرین کو مطلع کیا گیا۔ ہمارا موضوع مباحثہ "علم و ہنر" تھا جس میں ان پیامیوں نے حصہ لیا۔
عبد الحفیظ صاحب۔ سرور احمد صاحب۔ محمد شفیع صاحب۔ شریف الدین صاحب، عبد القادر صاحب احسن صاحب۔ مبارک الدین پنڈدادنخانوی۔ معصوم علی صاحب۔ غلام ربانی صاحب۔ محمد رفیق صاحب۔ مسعود الاختر صاحب، عثمان خاں صاحب۔ حاضرین کی تواضع پان اور شربت سے کی گئی۔
خاکسار، مبارک الدین پنڈدادنخانوی۔ بمد روبٹ ہاوس۔ آگرہ

دہلی:۔ شاخ پیام برادری دہلی کا ایک کاروباری جلسہ ۱۴ر اگست ۱۹۵۰ء دن کے ۴ بجے جوہر منزل میں منعقد ہوا۔ گرمیوں کی چھٹیوں کی وجہ سے ہمارا یہ جلسہ بہت عرصے کے بعد ہوا۔ اس وجہ سے اس میں کابینے کے ممبروں نے بہت سی تجویزیں پیش کیں جو سب کی سب اتفاق رائے سے منظور کی گئیں۔
سب سے پہلے ہمارے صدر جناب عمر کامل صاحب نے برادری کے تمام حساب کتاب کی جانچ کرکے اپنے دستخط کئے۔ پھر آپ نے کابینے کے اراکین کو ممبر بڑھانے کی طرف توجہ دلائی

اس کے بعد مندرجہ ذیل تجویزیں منظور ہوئیں :-

(۱) پیام برادری کا ایک دفتر بہت جلد قائم کیا جائے (۲) دفتر میں ایک چھوٹا سا دار المطالعہ بھی ہو (۳) برادری کی طرف سے ایک قلمی پرچہ بھی نکالا جائے۔(۴) برادری کے ممبروں کو ماہ میں دو بار اور عہدے داروں کو ہفتے میں دو مرتبہ دفتر میں آنا ضروری ہے۔(۵) ہر ممبر کو کم سے کم ایک آنہ چندہ دینا ہوگا۔(۶) اس بات کا خیال رکھا جائے کہ جلسوں میں ہر ممبر بولے۔ تاکہ وہ اپنے خیالات دوسروں پر ظاہر کر سکے۔(۷) آخر اگست تک ایک ادبی جلسہ ہونا چاہیئے۔

جلسہ ۴ ۳/۴ بجے کامیابی کے ساتھ برخاست ہوا۔ حسن احمد قنوجی (ناظم)

دہلی کے پیامیوں کو اطلاع :-

پیام برادری دہلی کے ممبر ایک تو بہت کم ہیں اور پھر جن لوگوں نے ممبری کے فارم بھر کر بھیجے ہیں، ان میں سے اکثر گندے اور غلط لکھے ہوئے ہیں۔ اس لئے گندے اور نامکمل فارم ردی کر دیئے گئے ہیں۔ اب پیام برادری دہلی کے باقاعدہ ممبروں کے نام لکھے جاتے ہیں :-

عمر کامل۔ محمد یوسف صدیقی۔ سید صلاح الدین۔ سلیم اختر۔ سید صہیب مطلبی۔ محمد علی ٹھکی۔ محمد آفتاب احمد خاں اظہار حسین۔ انور شاہ خاں۔ رشید اختر۔ میر عالم۔ سید رؤف علی۔ عبید اللہ۔ سید احمد ٹونکی۔ مشتاق صدیق رحیم الدین۔ منظور عبد الرحمن۔ اسرار الحق۔ جعفر نظام۔ محمد ضیار۔ سراج السالکین۔ بدر الصالحین۔ خورشید مصطفے محمد مصطفے۔ محمد رضوان۔ شجاعت علی۔ حسن احمد قنوجی۔ عبد الرشید۔ سمیع الحق۔ رحیم الدین خاں۔ سعید احمد

ان ممبروں کے علاوہ کسی شخص کا فارم دفتر میں نہیں ہے۔ جو لڑکے ممبر بننا چاہتے ہیں ان کو چاہیے کہ ایک کارڈ نیچے لکھے ہوئے پتے پر بھیج کر فارم منگوالیں۔ اور جلد سے جلد بھر کر بھیج دیں (یا دفتر پیام تعلیم قرول باغ نئی دہلی سے آکر خود لے جائیں۔)

پتہ۔ ناظم پیام برادری معرفت مدیر پیام تعلیم نئی دہلی۔

خاکسار حسن احمد قنوجی ناظم

پہیلیوں کے جواب

(۱) آدم (۲) اذان (۳) نماز جماعت (۴) تسبیح (۵) سورج (۶) ہونٹ (۷) ناخن (۸) سانس (۹) جونک (۱۰) بچھو (۱۱) انڈا (۱۲) پیالا (۱۳) خربزہ (۱۴) پھوٹ (۱۵) اگالدان (۱۶) پنکھا (۱۷) انگوٹھی

... د جھیم ری

اونچے درجے کے پڑھے لکھے

تعلیمی تاش جیسا اسکول کے لڑکوں اور معمولی تعلیم یافتہ لوگوں میں مقبول ہے ویسا ہی اونچے درجے کے پڑھے لکھوں میں پسند کیا جاتا ہے۔

تعلیمی تاش کے کھیل میں کبھی آپ قہقہہ لگائیں گے اور کبھی آپ سنجیدہ بن جائیں گے، ساتھ کھیلنے والے پر آپ کو رشک آئے گا اور کبھی اپنا شاندار ہاتھ بن جانے پر آپ کو بے حد مسرت ہوگی۔

تعلیمی تاش ایک دلچسپ کھیل ہے، اس میں علم کی خوبیاں اور کھیل کی دلچسپیاں جمع کی گئی ہیں۔ ایک ایک تاش کا ہے کھیلنے کے قاعدے کی کتاب بکس کے ہمراہ بھیجی جاتی ہے

قیمت فی بکس
بڑا سائز ۔ اردو انگریزی عہ ۔ اردو عہ ۔ ہندی عہ
چھوٹا سائز ۔ اردو عہ ۔ انگریزی عہ

پیام تعلیم

"گوپیاں" موسلہ مصطفی کمال شروانی حیدر آباد

دیہات کا منظر موسلہ عبدالرؤف کانپور

دو ننھے پیامی - میاں ظفر اور آپا منور سکندرہ راؤ

ننھے میاں امی کے ساتھ

پیام تعلیم ۱۔ یوپی۔ سی۔ پی۔ برار۔ میسور
حیدرآباد کے محکمہائے تعلیم کی طرف سے
سرکاری طور پر منظور کیا گیا ہے۔ "منیجر"

پیام تعلیم
دہلی

ایڈیٹر: محمد حسین حسان

جلد ۲۲ — اکتوبر سنہ ۳۹ء — نمبر ۱۹

فہرست مضامین

قیمت سالانہ عہ۲

پرنٹر پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین ایم اے۔ پی ایچ ڈی محبوب المطابع برقی پریس دہلی

بچوں سے باتیں

ایڈیٹر

تمہارا سال گرہ نمبر بہت اہتمام سے تیار ہو رہا ہے۔ اس مرتبہ اس کی ہر چیز ایسی ہوگی کہ تم اسے دیکھتے ہی پھڑک اُٹھوگے۔

اس مرتبہ لڑائی چھڑ جانے سے کاغذ کی قیمت قریب قریب دُگنی ہوگئی ہے۔ پھر بھی انشاء اللہ سال گرہ نمبر کی ظاہری شان پچھلے پرچے سے کچھ زیادہ ہی ہوگی کم نہ ہوگی۔

اگر ہمارے عزیز پیامی رسالے کا ایک ایک خریدار بھی پیدا کردیں تو یہ خرچ آسانی سے پورا ہوسکتا ہے۔ ہم تمہارے رسالے کو بہتر سے بہتر بنانے کے لئے اتنی محنت کرتے ہیں۔ ایسی حالت میں تم سے یہ خواہش کچھ بے جا نہ ہوگی۔

ہماری جامعہ میں پچھلے سال سے اَن پڑھ بڑے لوگوں (بچوں کے نہیں) کے پڑھانے کے لئے ایک نیا شعبہ کھلا ہے۔ یہ شعبہ جناب شفیق الرحمٰن صاحب قدوائی کی نگرانی میں بہت اچھا کام کر رہا ہے۔ ایسے لوگوں میں ہر قسم کی دینی اور دنیاوی باتیں سمجھانے کے لئے آسان زبان میں بڑی اچھی اچھی کتابیں اور اشتہار چھاپے گئے ہیں۔

غریب طبقے کے جاہل لوگوں کو پڑھا لکھا بنانا ہمیشہ ضروری تھا اور ہے۔ یہ ایک قومی خدمت ہے اور ہر ایک چھوٹے بڑے کا فرض ہے کہ وہ اس قومی خدمت کے سلسلے میں جو کچھ کرسکتا ہے کرے۔ اپنے عزیز پیامیوں خصوصاً برادری کے ممبروں سے ہماری درخواست ہے کہ وہ اس کام میں ضرور حصہ لیں۔ کیا عجب جو انھیں دیکھ کر اُن کے سرپرستوں میں بھی کچھ احساس، ولولہ اور جوش پیدا ہو۔

جو پیامی اس سلسلے میں کچھ کام کرنا چاہیں وہ اس پتے پر خط کتابت کریں:۔

"ادارہ تعلیم و ترقی جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی"

میرا چھوٹا بھائی

مرا چھوٹا بھائی ہے کیسا پیارا — وہ ہے میری اماں کی آنکھوں کا تارا

کبھی میری گڑیا سے خوش ہوکے کھیلے — ذری دیر میں پھر اُسے دور پھینکے

کھلونا مرا کوئی لے کر ہلائے — زمیں پر اُسے مار کر وہ بجائے

کبھی بال میرے پکڑ کر جھنجھوڑے — کبھی کان وہ ہولے ہولے مروڑے

جھلاتی ہوں ہاتھوں میں اس کو کبھی میں — بٹھاتی ہوں کاندھے پر اپنے کبھی میں

کبھی گدگدا کر ہنساتی ہوں اس کو — کبھی گیت گا کر سلاتی ہوں اس کو

مدرسے کو جاتے ہوئے دیکھ کر وہ — چلا آئے پیچھے مرے رینگ کر وہ

اُٹھا کر اُسے گود میں اپنے لے کر — میں آتی ہوں واپس ذری دور جا کر

مچلتا ہے جب اُس کو لیتی ہیں اماں — مجھے اپنے پیچھے چھپاتی ہیں اماں

بہلتا ہے پھر وہ نئی چیز پا کر

چلی جاتی ہوں اس کی آنکھیں بچا کر

(محمد حسین غنی۔ صدر مدرس حیات نگر)

اختر میاں کی چھتری

شوکت آرا بیگم

ایک دن خوب مینھہ برسا۔ اختر میاں نے گلگلے پکوائے۔ اب اتنا صبر کہاں کہ گلگلوں کو پک جانے دیں اور کھانے کے کمرے میں آجائیں تو کھائیں۔ دوڑے دوڑے باورچی خانے پہنچے اور گلگلے لے آئے۔ گلگلے کھاتے کھاتے اپنے ابا سے کہنے لگے "ابا ہم کو چھتری منگوا دیجئے دیکھئے ہم صحن میں سب بھیگ گئے۔" ابا بولے "بیٹا کل ہی لو، تمہارے لئے ایسی خوب صورت چھتری لاؤں گا کہ بس تم خوش ہو جاؤ گے۔"

دوسرے روز چھتری آگئی۔ بس اب چھتری تھی اور میاں اختر۔ جہاں جاتے چھتری ساتھ جاتی۔ ذرا کسی نے چھتری کو ہاتھ لگایا اور میاں اختر چلا اُٹھے۔ "دیکھو دیکھو خراب ہو جائے گی ابا کی چھتری اسی طرح تو خراب ہو گئی۔" ہر شخص ہاتھ لگا دیا کرتا تھا اور اختر میاں کچھ منہ بنا کر اسے سرے سے دستے تک دیکھتے کھولتے بند کرتے اور اچھی طرح لپیٹ کر فیتے کے حلقے کو بٹن میں لگا دیتے۔ پھر چھڑی کی طرح ٹیکتے اور ہلاتے ہوئے چلتے اور فرماتے "دیکھو ابا اسی طرح چھتری کو ہاتھ میں لے کر دفتر جاتے ہیں۔ اب ہم بھی دفتر جایا کریں گے۔ پانی برسے گا تو جھٹ اس طرح کھول لیں گے۔" اور پھر بڑے انداز سے جھکتے فیتہ کھولتے۔ چھتری کو جھٹکا دے کر کھولتے اور لگا کر سیدھے کھڑے ہو جاتے اور ہال میں قدم

جما جما کر ٹہلنے لگتے۔ کچھ دیر تک تو چھتری کا کاغذی بچاؤ (یہ کاغذ کے کور کو چھتری کا بچاؤ کہتے ہیں) قائم رکھا مگر جب اس سے کھولنے اور بند کرنے میں رکاوٹ ہونے لگی تو اُسے اُتار پھینکا

ایک مرتبہ آپ نے اپنے ابا سے دریافت کیا "آپ چھتری کو کندھے پر لٹکا لیتے ہیں؟" انھوں نے کہا "اس طرح لے جانے میں آسانی ہوتی ہے اور چھتری کی نوک میں مٹی نہیں لگتی" یہ سن کر اختر میاں نے بھی اپنی چھتری لٹکا لی، اور چال میں اپنے ابا کی نقل کرنے لگے۔ چار سال کی جان، ٹھگنا سا قد۔ چھتری گو بچکانی تھی مگر ان کے قد سے لمبی نکلی۔ وہ زمین پر گھسٹنے لگی تو کہنے لگے "یہ تو اچھا نہیں۔ ہماری چھتری کی نوک تو خراب ہو جائے گی۔ جب ابا کے برابر ہوں گے اس وقت ایسے لٹکائیں گے۔" اُن کی اماں نے پوچھا "اختر میاں! کب تک ابا کے برابر ہو جاؤ گے؟" آپ نے فوراً جواب دیا "کل پرسوں تک ہو جاؤں گا۔ ابھی ذرا چھوٹا ہوں۔" اور پنجوں کے بل کھڑے ہو کر کہنے لگے "یہ دیکھئے ذرا ذرا تو بڑھ رہا ہوں۔"

دوپہر کے کھانے کا وقت آیا۔ میز پر کھانا چنا گیا۔ یہ دھوپ میں چھتری لگائے ٹہل رہے تھے۔ اور ماما کے بچوں کو اپنی چھتری کی خوبیاں بتا رہے تھے۔ کھانے پر بلایا گیا تو جواب دیا "مجھے بھوک نہیں ہے۔ پانی میں چھتری بھیگ گئی ہے اسے سکھا رہا ہوں۔" اُن کی امی نے کہا "اب آ بھی جاؤ تم نے صبح سے کچھ نہیں کھایا ہے۔ دیکھو پھلوریاں گرم گرم ہیں۔ بس جلدی سے آ جاؤ۔" یہ مجبوراً آئے اور فرمانے لگے "میری چھتری کے لئے تو جگہ ہے ہی نہیں۔ میز پر تو برتن ہی برتن ہیں۔" امی نے اُن کی چھتری لی اور کرسی کے پیچھے لٹکا دی۔ "ہاں امی! یہ اچھی لٹکی ہے ابا بھی اپنی چھتری اسی طرح لٹکاتے ہیں۔" اختر میاں نے بڑی

مشکل سے کھانا کھایا۔ ہر نوالے پر مڑ مڑ کر چھتری کو دیکھتے جاتے تھے کہ اپنی جگہ پر ہے یا نہیں۔ کھانا کھانے کے بعد ہاتھ نہیں دھونا چاہتے تھے۔ مگر ماما نے جب کہا کہ کھانے کے ہاتھوں سے چھتری خراب ہو جائے گی تو بولے "ہاں! ہاں!! صابن لاؤ میں ہاتھوں کو خوب دھوؤں گا، نہیں تو چھتری خراب ہو جائے گی" ہاتھ دھو کر چھتری ہاتھ میں لی اسے کھول کر دیکھا۔ اور اپنی امی جان سے کہا کہ "دیکھئے امی خراب نہیں ہوئی میں نے ہاتھ صابن سے دھو لئے تھے۔"

بارش کا موسم تو تھا ہی۔ چار بجے پھر پانی برسنے لگا۔ اختر میاں نے چھتری لگائی اور صحن میں ٹہلنے لگے۔ مکان کے کمروں سے سب ان کا تماشا دیکھ رہے تھے اور اُن کے شوق پر ہنس رہے تھے مگر اُن کو کسی کی پروا نہ تھی بعض وقت ماما کا لڑکا اُن کے پاس آتا اور کہتا "سرکار میں حاضر ہوں حکم ہو تو چھتری پکڑ لوں" مگر آپ فرماتے "نہیں! نہیں!! تم جاؤ۔ تمھارے ہاتھوں سے میری چھتری خراب ہو جائے گی۔" اور پھر ٹہلنے لگتے۔ جب ٹہلتے ٹہلتے جی بھر گیا تو ہال میں آئے۔ چھتری بھیگ گئی تھی۔ اس کے سکھانے کی فکر ہوئی پہلے تو ہاتھوں سے پونچھا مگر وہ خشک نہ ہوئی۔ تو پھونکیں مارنے لگے۔ امی سے بولے "اب جلد سوکھ جائے گی" وہ ہنسنے لگیں۔ مگر میاں اختر نے اُن کے ہنسنے پر توجہ نہ کی۔ پھونکیں مارتے اور ہاتھوں سے چھو کر دیکھتے رہے کہ سوکھی یا نہیں جب ذرا تھک گئے تو اپنی چھوٹی سی کرسی پر بیٹھ گئے اور چھتری کو دیکھنے لگے کہ شاید پھونکوں کا اثر اب ہوا ہے۔ جب وہ اِس پر بھی نہ سوکھی تو ذرا پریشان ہو گئے۔ اُن کی امی نے ایک کپڑے سے پونچھا اور باورچی خانے میں بھیج دیا۔ یہ بھی اس کے پیچھے پیچھے پہنچے

جب سوکھ گئی تو ماما اُن کو اور چھتری کو گود میں اُٹھا کر لے آئی۔ بارش ابھی ہو رہی تھی۔

اب رات آئی۔ اختر میاں نے سونے کی تیاری کی مگر فکر یہ ہوئی کہ چھتری کو کہاں سلایا جائے۔ امی نے بتایا کہ تکیے کے نیچے رکھ لو۔ مگر اختر میاں کو یہ رائے پسند نہ آئی۔ کہنے لگے "نہیں امی! تکیے کے نیچے تو اس کی تیلیاں ٹوٹ جائیں گی تو پھر مسہری کی لکڑی پر لٹکا دو"۔ امی نے کہا "نہیں امی! وہاں سے رحمت (ماما کا لڑکا) لے جائے گا"۔ بس تو اسے گود میں لے کر سوتا ہوں" یہ کہہ کر چھتری کو سینے کے نیچے دبالیا اور سو گئے۔

اُن سب شرارتوں میں ؛ اُن ساری چوریوں میں

جتنی بھی میں نے کی ہیں

افسوس ہے اُنھی کا ؛ جن میں گیا ہوں پکڑا
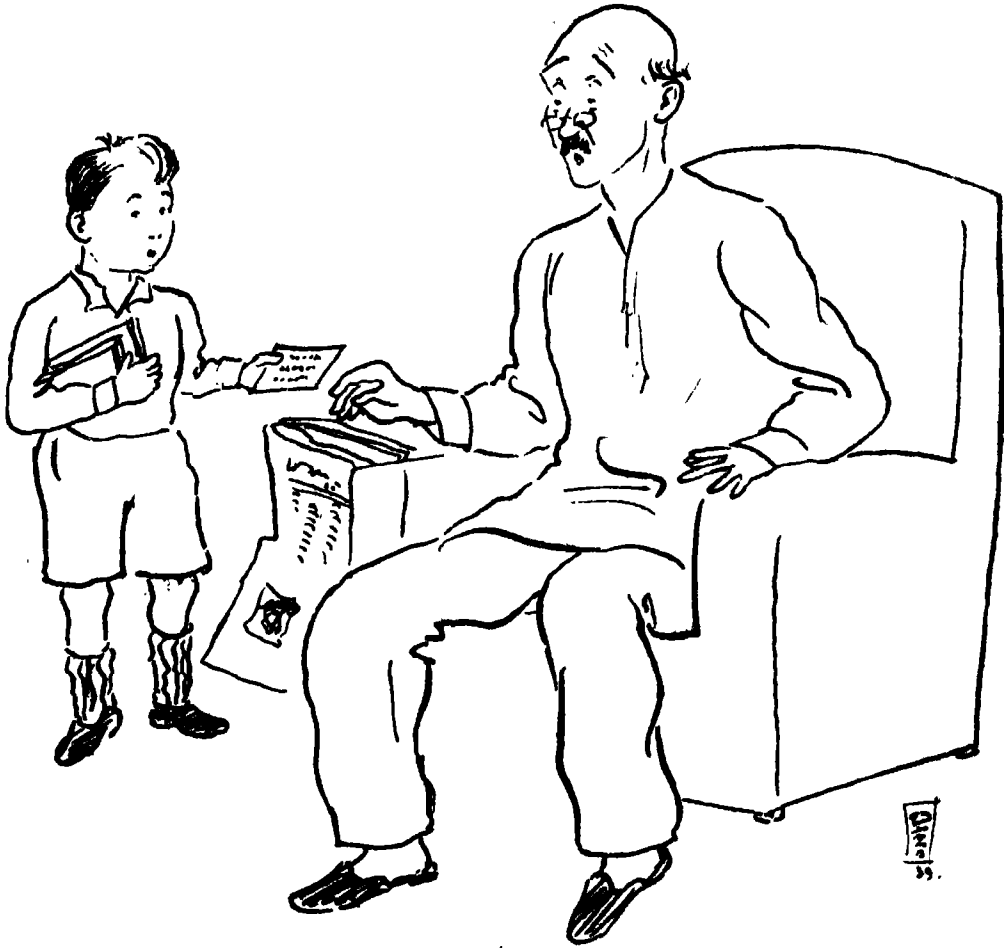
"ابا کل جو آپ نے میرا سوال نکال دیا تھا تو وہ ماسٹر صاحب نے غلط بتایا اور
کہا اِسے پچاس دفعہ لکھ کر لاؤ"

کارک

سید علی عباس لکھنوی - پونا

تم نے کارک تو ضرور دیکھا ہوگا۔ یہی کارک جسے تم ڈاٹ بھی کہتے ہو اور جو اکثر شیشیوں پر لگا ہوتا ہے مگر تمھیں یہ معلوم نہ ہوگا کہ یہ ہے کیا چیز اور کہاں سے آتا ہے، یہی بات آج ہم تمھیں بتائیں گے۔ ڈاٹ شیشے اور ربڑ کی بھی بنتی ہے، لیکن ننانوے فی صدی کارک ہی کی بنتی ہے۔ اس لئے کہ یہ لچک دار ہوتا ہے۔ جب اسے بوتل کے منہ میں لگاتے ہیں تو یہ سکڑ جاتا ہے اور پھر اندر جاکر پھیل جاتا ہے اور اتنا پھیلتا ہے کہ بوتل کے اندر کی چیز باہر نہیں نکل سکتی۔ یہ پانی کو بھی جذب نہیں کرسکتا نہ اس پر سردی اور گرمی کا اثر ہوتا ہے۔ غرض کارک ایک مفید چیز ہے۔ ڈاٹ کے علاوہ ہر سال ہزاروں کی تعداد میں جوتے کے تلے کارک سے بنتے ہیں۔ شیشے کے کارخانوں میں کارک کے پہیوں کے ذریعے پالش کی جاتی ہے۔ ایک یونان کا شخص لکھتا ہے کہ کارک کے ایک ٹکڑے کی مدد سے ایک نامہ بر نے دریا پار کر لیا۔ کارک خاص کر پرتگال و شمالی افریقہ اور اسپین میں پیدا ہوتا ہے۔ یہ ایک درخت کی چھال ہوتی ہے۔ دوسرے درخت جب تک سوکھ نہ جائیں اپنی کھال نہیں چھوڑتے۔ مگر کارک کا درخت کارک الگ کر لینے پر بھی نہیں سوکھتا۔ جب تک کہ اندر کی کھال کو نقصان نہ پہنچے۔ پہلی بار درخت جب بیس سال کا ہوتا ہے اس سے کارک نکالا جاتا ہے۔ چالیس سال کے درخت بہت عمدہ کارک دیتے ہیں۔ ہر نو سال کے بعد کارک اُتارا جاتا ہے۔ پہلی مرتبہ نکالا ہوا کارک کارآمد نہیں ہوتا۔ بہت سے درخت سو سو سال تک رہتے ہیں بعض دو سو سال تک۔ اسپین میں کارک تیار کرنے کا طریقہ بہت عام ہے۔ لوگ کلہاڑی سے چھال اتارتے ہیں۔ اندر کی کھال کے ذرا بھی چھل جانے سے درخت کو بہت نقصان پہنچتا ہے۔ اس لئے وہ لوگ یہ کرتے ہیں کہ ایک مہین سی سطح رہنے دیتے ہیں۔ کچھ دنوں میں کارک سوکھ جاتا ہے تو اس کو اُبالنے کے لئے کارخانے لے جاتے ہیں جو خاص کر اسی کام کے لئے بنائے جاتے ہیں یہاں یہ کچھ ہفتوں تک رکھے رہتے ہیں۔ اگر جنگل قریے سے دور ہوتا ہے اور وہاں پانی اور کارک کی کثرت ہوتی ہے تو وہ جنگل ہی میں اُبالنے کے کارخانے بنالیتے ہیں۔ اکثر انھیں ساحل

کے کنارے پر بھی اُبال لیتے ہیں۔ جہاں سے انھیں جہاز پر لادکر باہر بھیجا جاتا ہے۔ اسے ابلنے سے ایک تو اس کی تیزابیت دور ہو جاتی ہے، پھر نرم بھی ہو جاتا ہے کارک کے جنگل عام طور پر پہاڑی ملکوں یا پہاڑ پر ہوتے ہیں۔ جہاں سڑکیں نہایت خراب ہوتی ہیں۔ پہاڑی گدھے اُن کو کارخانے تک لاتے ہیں۔ سمندر کے کنارے اچھے کارک برے کارکوں میں سے چھانٹ لئے جاتے ہیں اور اُن کو درجہ بدرجہ رکھا جاتا ہے۔ مثلاً کچھ کارک آدھے انچ موٹے ہیں کچھ ڈھائی ڈھائی تین تین انچ۔ کچھ کارک دوسرے کارکوں سے اچھے ہوتے ہیں۔ کچھ معمولی اور گھٹیا۔ اس لئے اُن کو ہوشیاری سے چھانٹنا پڑتا ہے۔ چھٹنے کے بعد یہ ایک مشین میں رکھے جاتے ہیں جو انھیں دباکر گڈیوں میں باندھ دیتی ہے۔ ان بنڈلوں پر حسب منشا مہریں لگا دی جاتی ہیں اور اب وہ تمام دنیا کے کارخانوں میں بھیجے جانے کے لئے تیار ہیں
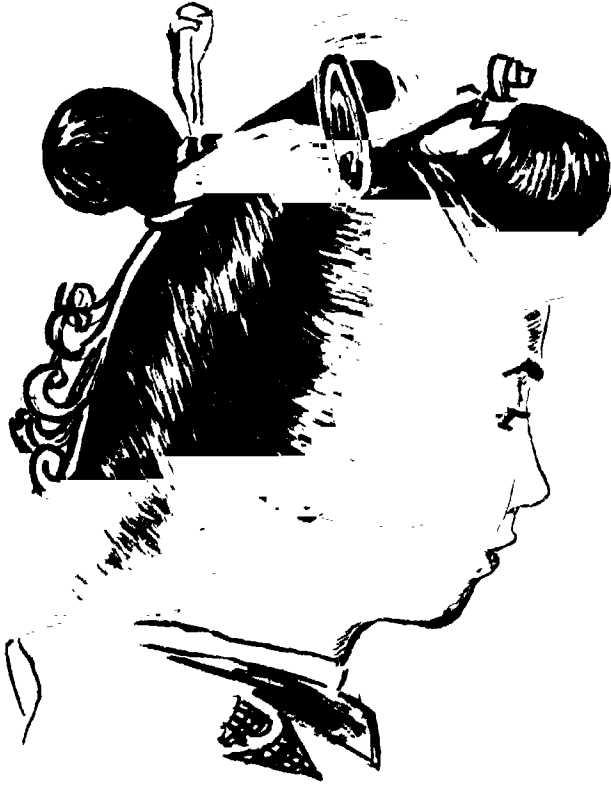
جاپانی عورتوں کو اپنے بال سوارنے میں دو دن لگتے ہیں۔ پر ایک مہینے تک ایسے ہی رہتے ہیں

طلسمی دوا

محمد جلال الدین درجہ دہم

(۲)

لوگ ایک نوجوان کو امیروں کے لباس میں اس طرح بھاگتے دیکھ کر تعجب کرتے تھے۔ وہ کبھی پیچھے کی طرف مڑ مڑ کر کبھی اس پاس کے پہاڑوں کی طرف خوف زدہ نگاہوں سے دیکھتا جاتا تھا۔ ان ہی ارغوانی رنگ کی پہاڑیوں کے اس پاس تو خاموش جھیلیں تھیں اور یہ طلسمی جھیلیں خوفناک سبز بونوں کی حفاظت میں تھیں۔

شہر کے پھاٹک پر کچھ خوب صورت لڑکے کھیل کود رہے تھے اور کچھ مزے دار مٹھائیاں کھا رہے تھے۔

شہزادہ بہت بھوکا تھا اس کا دل ان چیزوں کو دیکھ کر للچا گیا۔ وہ کچھ ہچکچاتا ہوا اُن لڑکوں کے پاس پہنچا اور اُن کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگا۔

چند لڑکے تو ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر ناچ رہے تھے اور ایک لڑکا گھاس کے اوپر جھکا ہوا دوپہر کا کھانا تیار کر رہا تھا۔

شہزادہ اس جگہ پہنچ کر کھانے کی طرف جھک گیا اور ایک ہاتھ زمین پر ٹیک کر ایک لڑکے سے بولا۔ تھوڑی مٹھائی مجھے بھی دو۔ میں بہت دور سے آرہا ہوں اور اس وقت بہت بھوکا ہوں۔

لڑکا بہت نرمی سے بولا "ضرور آپ خوشی سے لے سکتے ہیں" یہ کہکر اس نے اپنے حصے کی کچھ مٹھائی شہزادے کو دی۔

شہزادے نے منہ بنا کر کہا "یہ میرے لئے کافی نہیں ہے میں دن بھر کا بھوکا ہوں" اس نے اپنے پاس والے لڑکے کو بیدردی سے ڈھکیل دیا اور کھانے پر جھپٹ کر بڑے بڑے نوالے منہ میں ڈالنے لگا۔

تھوڑی ہی دیر بعد اس نے اپنی غلطی محسوس کی وہ خوب صورت لڑکا جسے اس نے ڈھکیلا تھا، ایک جھریوں والا چھوٹا آدمی بن گیا۔ اس کے بال سنہرے رنگ کے تھے۔ اور چمکتی ہوئی زلفوں کی جگہ سبز رنگ کے بالوں کی لٹیں لٹک رہی تھیں۔

شہزادہ مارے ہیبت کے چلا اُٹھا۔ لیکن اب چلانا فضول تھا۔ اس کا جسم سخت ہونے لگا۔ اور وہ اسی جگہ ایک کھمبے کی شکل میں گڑ کر رہ گیا۔

بوڑھے نے اپنی انگلی شہزادے کی طرف اٹھائی اور کہنے لگا "جناب شہزادے صاحب! جو دوسروں کا احسان نہیں مانتا اس پر بھی کوئی احسان نہیں کرتا۔ لوگ اب تم سے گدھے اور گھوڑے باندھا کریں گے"۔

ادھر محل میں بادشاہ کی حالت دن بدن خراب ہو رہی تھی۔ شہزادوں کی واپسی کا بے حد انتظار تھا اور اس کی بے چین نظریں ہر وقت دروازے پر لگی رہتی تھیں درباری اور ڈاکٹر سب کے سب نہایت بے چینی کے ساتھ کبھی کھڑکی اور کبھی دروازے تک آ جا رہے تھے۔ اور مایوسی سے اپنا سر ہلا دیتے تھے۔

اوپر بچوں کے شاہی کمرے میں ایک چھوٹا سا فکر مند چہرا کھڑکی کے شیشے سے لگا ہوا کہہ رہا تھا "انا کیا اب میرے بھائی واپس نہیں آئیں گے؟ اگر وہ نہ آئے تو میرے ابا کیسے زندہ رہ سکیں گے"؟

ننھی شہزادی کی آواز اس کے خوب صورت بھائیوں کے بالکل برعکس تھی۔ وہ قد میں چھوٹی اور بدشکل تھی اور اس کے کالے کالے بال اس کی کبڑی پیٹھ کو چھپائے ہوئے تھے۔ اور اسی وجہ سے وہ بالکل بدصورت اور بھدی نظر آتی تھی۔

بوڑھی انا ایک تپائی پر بیٹھی رفو کر رہی تھی۔

شہزادی نے دوبارہ پوچھا "کیوں انا! کیا خاموش جھیلوں تک پہنچنے میں بہت دیر لگتی ہے؟ اور اچھی انا کیا وہ سب لوٹ کر آ جائیں گے"؟

انا نے کہا۔ "ہاں شہزادی وہ سب واپس آ سکتے ہیں خاموش جھیلیں جادو بھری ہیں اور جو لوگ وہاں جاتے ہیں جادو بھرے راستے سے جاتے ہیں اور جادو بھرے راستے سے واپس آتے ہیں۔ اگر تمہارا جی چاہے تم بھی جا سکتی ہو"۔

شہزادی اپنا بدصورت چہرا انا کی طرف گھماکر زور سے بولی "میں! کیا میں جا سکتی ہوں؟ کیا میں اپنے پیارے باپ کی جان بچا سکتی ہوں؟ شاید میرے بھائی اس میں ناکام رہے ہیں۔ لاؤ میرا لبادہ۔ میری پیاری انا۔ اب مجھے جانے دو"۔

انا نے گرم لبادہ اور اوڑھنی دیتے ہوئے کہا "پیاری شہزادی تم اپنے جسم میں کتنا بڑا دل رکھتی ہو۔ اچھا ننھی شہزادی رخصت۔"

شہزادی محل کی سیڑھیوں سے اتر کر بڑے پھاٹک سے ہو کر گذری اور بجلی کی سی رفتار سے اندھیرے میں طے کرنے لگی۔

آخرکار وہ شہر کے بڑے پھاٹک کے پاس جاکر رکی۔ اس کی سانس پھولنے لگی تھی۔

پھاٹک پر کوئی محافظ نہیں تھا۔ اور دربان کی کوٹھری خالی تھی۔ کیوں کہ دربچوں میں سے کسی قسم کی روشنی

نہیں آتی تھی۔ شہزادی پھاٹک کھولنے کے لئے سلاخیں پکڑ کر ہلانے اور چیخنے لگی۔ مگر ان باتوں سے پھاٹک تو کھل نہیں سکتا تھا آخر شہزادی نے اپنے جی میں کہا "دیوار پر چڑھ کر اس طرف کیوں نہ اُتر جاؤں۔ مجھے کوئی روکنے والا تو یہاں ہے نہیں"۔

ابھی وہ یہ سوچ ہی رہی تھی کہ پیچھے سے ایک دبی ہوئی آواز آئی۔ "آہ میری مدد کرو"۔

ننھی شہزادی اس آواز کو سن کر سہم گئی۔ پیچھے پلٹ کر دیکھا تو وہی آواز۔ کوئی کہہ رہا تھا "میری مدد کرو۔ مجھے چھڑاؤ۔ میں قید میں بھوکوں مر رہا ہوں"۔

شہزادی کو اندھیرے میں کچھ بھی نظر نہ آیا کہ کون بول رہا ہے۔ اس نے پوچھا "تم کون ہو؟ جلدی بولو۔ مجھے جلدی کا کام ہے۔ میں زیادہ دیر انتظار نہیں کر سکتی"۔

پھر وہی آواز آئی۔ "میں ایک اُلو ہوں۔ اور کوٹھری کی دیوار پر پنجرے میں بند ہوں۔ آہ مجھے بچاؤ میں پنجرے میں مر رہا ہوں"۔

شہزادی نے کہا "میں تمہاری مدد ضرور کروں گی۔ لیکن آہ پیارے مجھے بہت کم وقت میں خاموش جھیلوں تک جاکر واپس آنا ہے۔ اور طلسمی دوا کی ایک بوتل اپنے والد کے لئے لانا ہے۔ جو اس ملک کے بادشاہ ہیں"۔

اُلو نے پھر فریاد کی "آہ میرا پنجرہ کھول کر مجھے رہا کر دو"۔

غریب شہزادی اندھیرے میں اُلو کا پنجرہ تلاش کرنے لگی۔ پنجرہ بہت اونچی جگہ پر ٹنگا ہوا تھا، اس لئے شہزادی نہایت بے صبری سے کوئی اسٹول وغیرہ تلاش کرنے لگی کہ اس کے ذریعے پنجرے تک پہنچ سکے۔

آخر کار وہ پنجرے کا دروازہ کھولنے میں کامیاب ہو گئی۔ لیکن اس کام میں اسے بہت دیر تک مشغول رہنا پڑا۔ قریب قریب آدھا گھنٹہ اسی میں گذر گیا۔ دروازہ کھلنے پر اُلو نہایت آہستگی سے پنجرے کے باہر آیا اور بولا "آہ ننھی شہزادی کیا ہی اچھا ہوا جو میں آزاد ہو گیا۔ یہ پنجرہ کس قدر بھیانک تھا"۔

شہزادی نے کہا "افسوس مجھے اس وقت بات کرنے کی بھی فرصت نہیں۔ اب مجھے جانا ضروری ہے میں خاموش جھیلوں تک پہنچ کر بہت جلد واپس آنا چاہتی ہوں اپنے والد کے لئے طلسمی دوا کی ایک بوتل ساتھ لاؤں گی۔ مجھے رنج ہے کہ اب میں تمہاری کہانی نہیں سن سکتی لیکن اب دیر نہیں کرنی چاہیئے۔ اچھا خدا حافظ"

اُلو بولا "کیا کہا۔ آپ کس لئے خاموش جھیلوں تک جا رہی ہیں؟"

شہزادی:۔ طلسمی دوا لانے کے لئے۔

اُلو:۔ یہ آپ کو مل گئی!

شہزادی:۔ مل گئی۔

اُلو:۔ جی ہاں مل گئی۔

شہزادی :۔ "کیا کہتے ہو؟"
اُلّو :۔ "یہ دیکھئے ننھی شہزادی طلسمی دوا کی بوتل آپ کے ہاتھ میں ہے۔"

شہزادی نے اپنے ہاتھ میں کوئی چیز محسوس کی جو چند لمحے پہلے اس کے ہاتھ میں نہیں تھی۔ یہ تو سچ مچ ایک سبز رنگ کی بوتل تھی جس میں سبز رنگ کا عرق بھرا ہوا تھا۔ وہ اُلّو کی طرف حیرت زدہ نگاہوں سے دیکھنے لگی اور کچھ دیر کے بعد بولی "یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی ذرا بتاؤ کہ یہ بوتل اتنی جلد کس طرح آگئی؟"

اُلّو نے کہا :۔ "شہزادی صاحبہ! آپ ایک اُلّو کو تکلیف میں پاکر اس کی مدد کے لئے رک گئیں۔ وہ اُلّو نہیں تھا۔ ذرا اب تو میری طرف دیکھئے۔"

شہزادی نے اندھیرے میں پنجرے کی طرف جھانک کر دیکھا اور حیرت زدہ ہوکر بولی "ارے یہ تو ایک ننھا سا سبز رنگ کا بوڑھا آدمی ہے۔ اُف۔ فوہ۔ یہ کیسی حیرت ناک بات ہے؟"

اُلّو جو اب ایک بونے میں تبدیل ہوگیا تھا، دبی ہوئی لیکن ذرا تیز آواز میں بولا "بے شک تم نے ٹھیک پہچانا۔ میں ایک ننھا سا بوڑھا آدمی ہوں اور خاموش جھیلوں کے سبز بونوں میں سے ہوں۔ میں نے اُلّو کا بھیس بدلا تھا۔ اور اس کوٹھری کے ایک بے رحم دربان نے مجھے قید کر دیا تھا۔ تم نے میری مدد کی اور مجھے اس مصیبت سے نجات دلائی اور ساتھ ہی اپنی ایک خواہش بھی ظاہر کی۔ سبز بونا اگر چاہے تو ہر خواہش پوری کر سکتا ہے۔ میں تمھیں خاموش جھیلوں تک ایک جادو بھرے راستے سے لے گیا اور پھر لے آیا۔"

شہزادی نے کہا "لیکن میں تو یہاں سے ایک سکنڈ کے لئے بھی نہیں ہٹی۔"

اُلّو نے کہا :۔ "کیا تم نے نہیں کہا تھا کہ میں بہت جلد وہاں تک جاکر واپس آنا چاہتی ہوں۔ اس لئے میں نے تمھاری اس خواہش کو پورا کر دکھایا۔"

شہزادی نے بونے سے التجا کرتے ہوئے کہا "آہ پیارے ننھے بونے مجھے میرے والد تک پہنچا دو۔ ابھی وہ پوری طرح بولنے بھی نہ پائی تھی کہ اس نے خود کو طلسمی دوا کی بوتل بادشاہ کے منہ سے لگاتے ہوئے پایا۔"

بادشاہ کو ایک لمحے کے اندر شفا مل گئی۔ سارے ملک میں یہ خبر آناً فاناً پہنچ گئی اور ہر جگہ خوشیاں منائی جانے لگیں۔ اور ننھی شہزادی پر ہر طرف سے تعریفوں اور شاباشی کی بوچھار ہونے لگی۔ لیکن شہزادی کو اپنی اس قدر تعریفیں پسند نہ آئیں۔ اسی شہزادی کو چند دنوں پہلے ہر شخص بھولا ہوا تھا اور کوئی اس کی پروا تک نہیں کرتا تھا۔

شہزادی ان خوشی کی محفلوں سے نکل کر اناّ کے کمرے کی طرف چلی اور برج کی سیڑھیوں پر چڑھنے لگی۔ جب کمرے میں پہنچی تو اس نے انا کو اسی طرح کپڑوں پر رفو کرتے

ہوئے پایا۔

جب انّا کی نظر شہزادی پر پڑی تو اس نے خوش ہوکر کہا۔ "میری پیاری بچّی آخرکار تم کامیاب ہوکر واپس لوٹیں۔ اور بادشاہ کو طلسمی دوا پلاکر تندرست کردیا۔"

شہزادی نے حیرت سے پوچھا۔ "میری پیاری انّا تمھیں یہ کس طرح معلوم ہوا؟ کیا تم بھی طلسمی ہو؟"

انّا یہ سن کر مسکرانے لگی۔ اس کی آنکھیں گول ہونے لگیں اور اس کے روپہلے بال سفید سے سفید تر ہونے لگے۔ اس کے دونوں بازو پروں سے ڈھکنے لگے۔ اس کے بعد وہ عجیب قسم کی دبی ہوئی آواز میں بولی۔ "ٹو وھٹ ٹوٗ"

شہزادی بولی "انّا کیا تم اُلّو ہو؟ آہ انّا کیا تم سچ مچ میں اُلّو ہو؟ آہ یہ کیسی تعجب کی بات ہے۔ لئے اب تو تم ایک ننھے سے بونے میں تبدیل ہوتی جاتی ہو آہ انّا کیا تم سچ مچ طلسمی بونا ہو۔

شہزادی یہ کہنے کے بعد خاموش ہوگئی اور کھڑی کھڑی اس کو دیکھنے لگی۔ اب انّا کے بجائے ایک سبز رنگ کا بونا سبز لباس پہنے کرسی پر بیٹھا تھا۔ شہزادی کی آنکھیں لگاتار لیمپ کی روشنی کی طرف دیکھتے رہنے کی وجہ سے چندھیا گئیں تھیں۔ کچھ دیر بعد ننھا بونا دوبارہ اسی انّا میں تبدیل ہونے لگا۔ اُس کا سبز لباس انّا کی پرانی ساڑی میں بدل گیا۔ شہزادی نے اپنی چندیائی ہوئی آنکھوں کو انگلیوں سے ملتے ہوئے غور سے انّا کی طرف دیکھا۔

انّا پھر اُسی طرح اپنی جگہ پر بیٹھی رفو کررہی تھی۔

شہزادی خوش ہوکر انّا سے لپٹ گئی اور بولی "آہ میری پیاری انّا میں تمھیں اسی حالت میں پسند کرتی ہوں۔ مجھے اتنے زمانے سے اس بات کا گمان بھی نہ تھا کہ تم اس طرح تبدیل ہو جانے کی طاقت رکھتی ہو۔ اب تو میں تمھیں بھی خاموش جھیلوں کا ایک بونا سمجھتی ہوں۔ اور تم بھی چونکہ سبز بونوں میں سے ہو اس لئے خواہش بھی پوری کرسکتی ہو۔ اس لئے آج کی اس عجیب و غریب رات میں تم میری ایک اور تمنا پوری کردو۔"

انّا نے کہا "ضرور۔ میری بچّی بولو تم کیا چاہتی ہو آہا میں تو سمجھ گئی تم سرو کے درخت کے مانند لانبا ہونا اور گلاب کے پھول کے مانند خوب صورت بننا چاہتی ہو میں نے اپنی پیاری بچی کے دل کی حالت کا اندازہ لگایا ہے۔ کیوں یہ ٹھیک ہے نا؟"

شہزادی اپنا گہرا سُرخ چہرا انّا کی گود میں چھپاتے ہوئے بولی "ہاں میری پیاری انّا! میری یہی خواہش ہے لیکن ابھی کچھ اور کہنا ہے۔ میری خواہش ہے کہ میرے تینوں بھائی پھر ہنسی خوشی واپس آجائیں۔"

انّا نے کہا "تمھاری یہ تمنّا پوری ہوگئی۔ وہ دیکھو وہ سب چلے آرہے ہیں۔ اور اب اندر داخل ہونے والی سیڑھیوں پر چڑھنے والے ہیں۔ دیکھا اپنے بھائیوں کو؟ کیا اب تمھیں تشفّی ہوئی؟ ہاں لیکن

مجھے تو اب بھی تشفی نہیں ہوئی۔ میں تمھیں ایک تحفہ دینا چاہتی ہوں اور یہ تحفہ تم سے جدا ہونے کا تحفہ ہوگا! کیونکہ مجھے خاموش جھیلوں میں چند دنوں کے لئے طلب کیا گیا ہے۔ اس کے بعد انّا نے سوئی اور تاگے کو ہاتھ میں لے کر شہزادی کی طرف ہلاتے ہوئے کہا "ہو جاؤ لانبی اور ہو جاؤ خوب صورت۔ کاش اب تم اپنا حُسن آپ دیکھ سکتیں۔ بے شک نہایت حسین۔ کنول کے پھول سے زیادہ پیاری اور بید کے مانند لچکیلی اور نازک۔ آؤ اور اپنی بوڑھی انّا کو اپنے نازک نازک گالوں کا پیار دو۔ میری پیاری! جو نیکی کرتا ہے وہ نیکی کا پھل بھی پاتا ہے۔ تمھاری زندگی اتنی ہی خوشی سے گذرے جتنی کہ تمھاری صورت پیاری ہے۔ پیاری شہزادی مجھے تم سے جُدا ہونے کا بہت رنج ہے لیکن پھر میں وہاں سے آجاؤں گی۔ اچھا خدا حافظ!"۔

ایک دوسرے کی مدد کرو

از الفت مدراسی

ایک بکرا تھا نہایت ہوشیار — جا رہا تھا وہ کسی جا ایک بار
راستے میں اس کے اک پل آگیا — اس کے اوپر سے وہ جب جانے لگا
اس نے رستہ تنگ پایا اس قدر — ایک ہی بکرے کا ہو سکتا گذر
پار جانے کو یہ پھر آگے بڑھا — سامنے اک اور بکرا آگیا
اب یہ دونوں اک جگہ پر رک گئے — پار وہ پل کو نہ ہرگز کر سکے
اب یہ سوچے کس طرح آگے بڑھیں — کس طرح ہم پار دونوں ہو سکیں
سوچ کر کچھ ایک پل پر پڑ گیا — پاؤں اس پر رکھ کے گذرا دوسرا
چت جو لیٹا تھا زمیں پر اب اُٹھا — اور اپنا راستہ اس نے لیا
اس طرح آپس کی وہ امداد سے — تنگ پل کو پار کر کے بچ گئے

اس سے ملتا ہے سبق بس یہ ہمیں
ہم سب آپس میں مدد کرتے رہیں

آؤ سردار سردار کھیلیں

محمد حسین حسان

ہمارے درجے میں آج ایک نیا لڑکا داخل ہوا تھا۔ خوب گورا چٹا، خوب تندرست۔ ہم سب اپنے نئے ساتھی کو بہت غور سے دیکھ رہے تھے۔ وقفے میں سب لڑکے اس کے آس پاس جمع ہو گئے اور تھوڑی دیر میں اس سے گھل مل گئے۔ اس لڑکے کا نام مسعود تھا۔

شام کو کھیلنے کا وقت آیا اور سب لڑکے میدان کو چلے۔ مسعود کہنے لگا "ہم بھی کھیلیں؟" ہم سب خوشی خوشی راضی ہو گئے اور رائے یہ قرار پائی کہ سردار سردار کھیلیں، یعنی جو سب سے آگے کودے وہی سردار بنے۔ پھر وہ جو کچھ کرے سب لڑکے اس کی نقل کریں۔

سب لڑکے باری باری سے کودے۔ مسعود سب میں اول رہا۔ وہی سردار بنا۔ سب لڑکوں نے کوشش کی کہ جو کچھ وہ کرتا ہے ہم بھی وہی کریں۔ مگر کوئی بھی اس جیسا مضبوط نہیں تھا۔ دوڑ میں، کودنے میں، درخت پر چڑھنے میں وہی سب سے تیز تھا۔ وہ سر کے بل کھڑا ہو سکتا تھا۔ یہ ہم سے کسی کو بھی نہ آتا تھا۔ آخر سب لڑکے ایک ایک کر کے تھک گئے۔ اور کھیل چھوڑ ایک طرف کو کھڑے ہو گئے۔

احتشام نے پوچھا۔ "مسعود بھائی کون سی چکی کا پسا کھاتے ہو جو تم میں اتنی طاقت آ گئی؟"

مسعود نے کہا، "بھائی بات یہ ہے کہ میں ہر روز کھلی اور صاف ہوا میں خوب دوڑتا اور کھیلتا ہوں شام کو جلد سو جاتا ہوں اور صبح کو تڑکے سے اٹھ بیٹھتا ہوں۔ کھانا ایسا کھاتا ہوں جو میرے بدن کو مضبوط بنائے ہر روز میں یہ کوشش کرتا ہوں کہ پہلے سے زیادہ تیز دوڑوں اور پہلے سے زیادہ آگے کودوں۔"

احتشام نے اپنے جی میں کہا "میں بھی مسعود جیسا مضبوط بنوں گا۔ میں بھی وہی کروں گا جو مسعود کرتا ہے۔"

اس دن سے احتشام بھی جلدی سونے اور صبح کو جلدی اٹھنے لگا۔ کھانا بھی وہی کھاتا جو اس کے

جسم کو مضبوط بنانے کے لئے مناسب ہوتا اُسے جتنا بھی موقع ملتا گھر سے باہر صاف اور کھلی ہوا میں خوب کھیلتا۔ صبح ہی صبح گھر کے پاس باغ میں دوڑتا اور کودنے کی مشق کرتا وہ ہر دفعہ یہی کوشش کرتا کہ پہلے سے زیادہ کودے اور پہلے سے زیادہ تیز دوڑے۔

ایک دن اس نے کہا "اب میں مسعود کی طرح دوڑ سکتا ہوں اور اس سے آگے کود سکتا ہوں۔ سر

کھیلیں۔ سب راضی ہو گئے۔ تمام لڑکوں نے کودنا شروع کیا۔ مسعود سب لڑکوں سے آگے کودا۔ مگر احتشام اُس سے بھی آگے کودا۔ مسعود نے کہا "بھئی آج احتشام سردار بنیں گے" احتشام نے کہا "اچھا تو سب لڑکے میری نقل کریں" وہ خوب تیز دوڑا۔ درخت پر چڑھا اور کودا۔ پہلے کی طرح سب لڑکے ایک ایک کر کے رہ گئے۔ صرف مسعود اس کا مقابلہ کر رہا تھا آخر میں

کے بل کھڑا بھی ہو سکتا ہوں۔ پر میں ایک اور چیز سیکھوں گا جسے مسعود نہیں کر سکے گا میں ہاتھوں کے بل چلنا سیکھوں گا۔"

احتشام اب روز ہاتھوں کے بل چلنے کی مشق کرتا اس میں اُسے بہت محنت کرنا پڑی۔ بار بار گر جاتا مگر اس نے ہمت نہ ہاری۔ آخر خوب مشق ہو گئی۔

ایک دن حسن احمد نے کہا "بھئی آج پھر سردار سردار

احتشام سر کے بل الٹا کھڑا ہو گیا۔ یہ مسعود بھی کر سکتا تھا پھر ایکا ایکی وہ ہاتھوں کے بل الٹا چلنے لگا۔

مسعود نے ہنس کر کہا "ارے! یہ تو میں بھی نہیں جانتا۔ بھئی اب تم ہی ہمارے بہترین سردار ہو۔"

ہم سب احتشام کی اس غیر معمولی ترقی کو حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ اس سے پہلے وہ بھی اور لڑکوں کی طرح کم ہمت اور کم زور تھا۔

"بے پر کی" اڑائی۔

بیرن مونکو کے کارنامے

مسٹر اختر حسن۔ علی گڑھ

جرمنی میں ایک شخص بیرن مونکو نامی تھا۔ اُسے عجائبات سے دوچار ہونا بہت پسند تھا۔ وہ کم عمری تھا کہ لنکا کا سفر درپیش ہوا۔ اس سفر میں ایک دن اپنے ایک دوست کے ساتھ شکار کے لئے جنگل کی طرف نکل گیا۔ وہاں ایک چشمہ بہہ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد کھڑکھڑاہٹ کی آواز آئی، پلٹ کر دیکھا تو ایک شیر نظر آیا۔ بیرن کے پاس صرف چڑیوں کے شکار کرنے کی بندوق تھی جس سے شیر کو کچھ بھی نقصان نہ پہنچ سکتا تھا۔ اس نے سوچا اسے ڈرانا چاہیے۔ چنانچہ بندوق سے فیر کرتا جاتا تھا اور بھاگتا جاتا تھا۔ شیر نے بھی پیچھا کیا۔ بیرن نے ایک طرف مڑنا چاہا تو گھڑیال منہ کھولے کھڑا تھا۔ جیسے نگل جانے کو تیار ہو۔ بیرن دم سادھ کر لیٹ گیا۔ شیر نے اس کے اوپر سے چھلانگ لگائی لیکن بدقسمتی سے سیدھا گھڑیال کے منہ میں چلا گیا۔ ذرا دیر کے بعد بیرن نے ڈرتے ڈرتے سر اُٹھا کر دیکھا تو عجیب منظر نظر آیا۔ شیر کا سر گھڑیال کے حلق میں پھنسا ہوا تھا۔ نہ اگلتے بنتی تھی نہ نگلتے۔ اس نے جھٹ اپنا شکاری چاقو نکال کر شیر کا سر کاٹ ڈالا۔ اور بندوق کے کندے سے اندر ڈھکیل دیا۔ اس طریقے سے اپنی زندگی بچائی اس کے دوست نے یہ سمجھ لیا تھا کہ بیرن مر چکا ہوگا مگر جب تلاش کرتا ہوا یہاں پہنچا تو صحیح سلامت پایا۔

کئی سال بعد بیرن صاحب ایک دفعہ روس میں سفر کر رہے تھے موسم جاڑوں کا تھا۔ شام ہو چلی تھی بہت تھک گئے تو جائے پناہ کی تلاش شروع کی کہ کہیں رات گذاریں۔ گاؤں برف سے ڈھکا ہوا تھا۔ انھوں نے برف سے باہر نکلی ہوئی درخت کی ایک شاخ دیکھی۔ گھوڑا اس سے باندھ دیا اور خود برف پر لیٹ گئے۔ صبح جاگے تو اپنے آپ کو ایک گرجا کے صحن میں پایا۔ گھوڑا دیکھا تو غائب لیکن اس کی ہنہناہٹ کی آواز کسی اونچی جگہ سے آرہی تھی۔ اوپر نظر جو اُٹھائی تو دیکھا کہ گھوڑا گرجا کی چوٹی سے لٹک رہا ہے۔ انھوں نے بندوق سے لگام پر نشانہ لگایا اور گھوڑا نیچے آرہا۔ بات یہ ہوئی رات کے اندھیرے میں جسے آپ نے

درخت کی شاخ سمجھا تھا وہ دراصل گرجا کی چوٹی تھی۔ برف اتنی پڑی تھی کہ تمام گرجا اس میں چھپ گیا تھا صرف اوپر کی چوٹی باقی رہ گئی تھی۔ جب برف پگھلی تو آپ تو گرجا کے صحن میں پہنچ گئے گھوڑا لٹکتا رہ گیا۔

پھر ایک بار جنگل میں شکار کھیلنے کے لئے گئے۔ وہاں ایک سور دیکھا اس کی اندھی مادہ سور کی دم منہ میں پکڑ کر چلتی تھی۔ انھوں نے سور کی دم پر نشانہ لگایا اور اندھی مادہ کو اس ترکیب سے گھر لے آئے کہ دم تو اس کے منہ میں رہی اور دوسری طرف آپ نے

ایک دفعہ انھوں نے برف پر چلنے والی گاڑی پر اپنا سفر شروع کیا۔ جب گھنا جنگل آیا تو ایک بھوکے بھیڑئے نے نکل کر گھوڑے پر جست لگائی اور غریب جانور کی پچھلی ٹانگوں کو چبانا شروع کیا۔ خود بیرن گاڑی میں دبک گیا۔ تھوڑی دیر بعد ڈرتے ڈرتے سر اٹھا کر دیکھا تو گھوڑا مرنے کے قریب تھا۔ بیرن نے چابک سے بھیڑئے کو مارنا شروع کیا۔ گھوڑا تو گر پڑا اور بھیڑیا ساز میں پھنس گیا اور گاڑی گھسیٹنے لگا۔ جب بیرن اس وضع سے سینٹ پیٹرز برگ پہنچا تو لوگ حیرت میں رہ گئے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
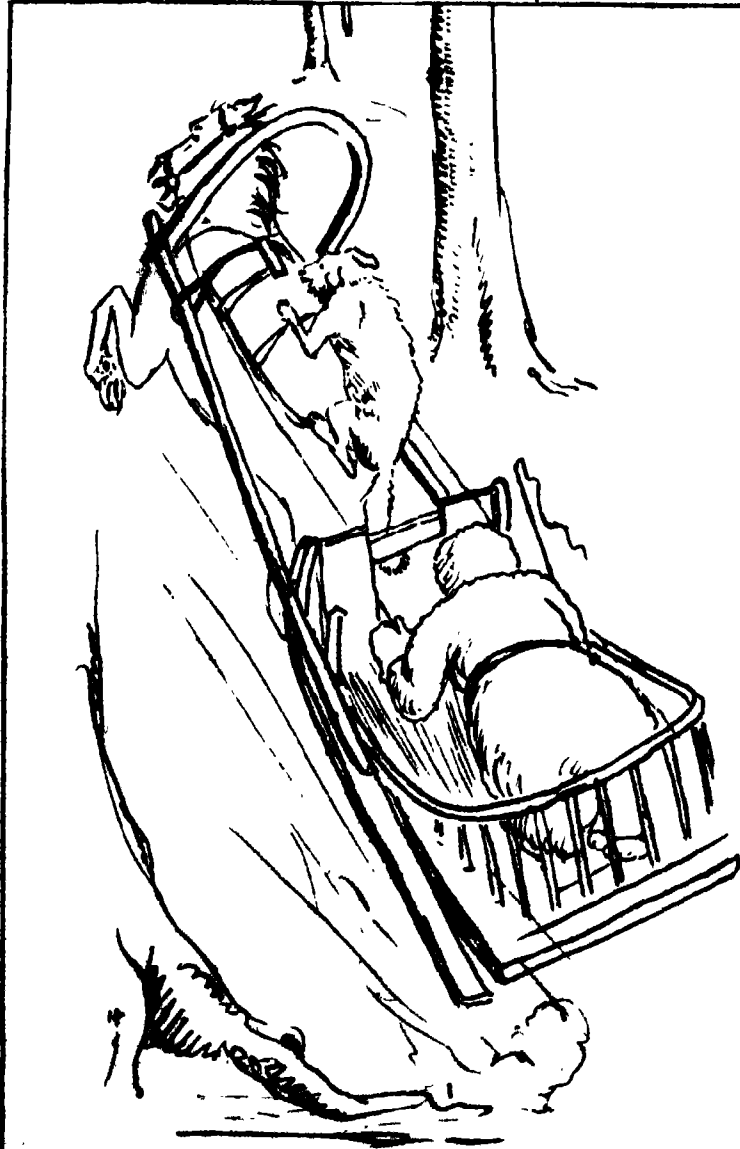
اُسے خود پکڑ لیا۔

کچھ عرصے بعد پھر شکار کے لئے گئے۔ کارتوس سب ختم ہوگئے تو نظر ایک خوب صورت بارہ سنگھے پر پڑی جھٹ بندوق میں املی کے بیج بھر نشانہ لگایا نشانہ پیشانی پر لگا اور جانور بھاگ گیا۔ دو سال بعد پھر اسی جنگل میں جانے کا اتفاق ہوا۔ دیکھتے کیا ہیں کہ ایک بارہ سنگھا کھڑا ہے جس کی پیشانی پر املی کا درخت اُگا ہوا ہے۔ یہ اس بیج سے نکلا تھا جو انھوں نے بندوق میں بھر کر مارا تھا۔ آپ نے نشانہ لگایا اور لگے پکّی پکّی املیاں کھانے۔

ایک مرتبہ لتھونیا میں آپ کسی جگہ مہمان ہوئے۔ وہاں ایک آدمی ایک شریر گھوڑا لایا۔ اس پر سواری کی ہمت کسی میں نہ تھی۔ بیرن اس پر چڑھے اور کھڑکی کے راستے اسے کُدا دیا۔ اس کے بعد انھوں نے چار کی میز پر سواری کے کرتب دکھائے اور طشتری، پیالے سب سلامت رہے۔ یہ دیکھ کر گھوڑے کا مالک اتنا خوش ہوا کہ وہ گھوڑا ہی انھیں تحفے میں دے دیا۔

ایک مرتبہ بیرن صاحب فوج میں شامل ہوئے ایک موقع پر اُن کا گھوڑا بہت پیاسا تھا اُسے تالاب پر پانی پلانے لے گئے لیکن گھوڑا ہے کہ پانی پیتا ہی چلا جاتا ہے۔ جب انھوں نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ گھوڑے کا پچھلا دھڑ ندارد ہے اور سب پانی اس راستے سے بہہ رہا ہے۔ فوراً سمجھ گئے کہ جب وہ دشمن کے قلعے کے پھاٹک سے گذر رہے تھے تو پھاٹک گرا دیا گیا تھا اور ان تلواروں نے جو پھاٹک کے اوپر کے حصے میں لگی رہتی ہیں، جانور کے ساتھ یہ سلوک کیا تھا۔ خیر ایک جرّاح سے سلوایا لیکن وہاں کوئی سامان تو تھا نہیں مجبوراً ہری شاخ سے ٹانکے لگائے گئے۔ چند روز بعد یہ شاخیں بڑھ کر سایہ دار درخت بن گئیں۔ اور بیرن صاحب گھوڑے پر ان کے سائے میں سفر کرنے لگے۔

ایک دفعہ کیا ہوا کہ بیرن صاحب اپنی گاڑی پر ایک تنگ راستے سے گذر رہے تھے۔ سامنے سے دوسری گاڑی آرہی تھی۔ بہتیرا بگل بجایا مگر اس سے آواز ہی نہ نکلی۔ اب حادثے کا اندیشہ تھا۔ لہٰذا یہ اپنی گاڑی سر پر رکھ ایک باڑے کے اوپر سے کود دوسری طرف کھیت میں نکل گئے۔ جب دوسری گاڑی گذر گئی تو اسی طرح لوٹے۔ لیکن اب کی گھوڑے نے دولتیاں چلائیں تو اس کی ٹانگیں اُٹھا کر جیب میں رکھ لیں چلتے چلتے ایک سرائے میں پہنچے اور بگل کو آتش دان کے کنارے رکھ دیا۔ اب بگل نے خود بخود بجنا شروع کیا۔ غور کیا تو معلوم ہوا کہ بگل کے سُر ٹھنڈے جم گئے تھے۔ گرمی پائی تو اپنا کام کرنے لگے۔

سائنس کی الماری

محمد حسین حسان

آج ہفتے کا دن تھا۔ جمعہ کے دن چھٹی تھی۔ عمر کامل کے باپ اُسے مچھلی کا شکار کرنے جمنا کنارے لے گئے تھے۔ دو چار مچھلیاں خود بھی پکڑی تھیں۔ پھر گھر آکر اپنے ابا اور امی کے ساتھ انھیں صاف کیا تھا

سینے بھی ہوتے ہیں اور میرا خیال ہے کہ ان کا خون بھی ٹھنڈا ٹھنڈا ہوتا ہے "

آپا جان :- ہاں میاں، ایک حد تک تو تمھارا خیال ٹھیک ہے۔ سب مچھلیوں کا خون ٹھنڈا ہوتا ہے

اور جب وہ پک گئیں تو خوب مزے سے کھایا تھا۔

آپا جان جیسے ہی آگئیں تو اس نے اپنے شکار کا حال بیان کیا۔ کہنے لگا "آپا جان جمنا میں تو طرح طرح کی مچھلیاں تھیں بعض چھوٹی، بعض خوب بڑی بڑی اور آپا جان کچھ تو ایسی خوب صورت تھیں کہ بس دیکھا کیجیے۔ کیوں آپا جان یہ بھی تو رینگنے والے جانوروں میں ہیں۔ ان کے

اور قریب قریب سبھی مچھلیوں کے سینے ہوتے ہیں پھر بھی یہ رینگنے والے جانوروں میں شامل نہیں ہیں۔ اچھا آؤ اس شیشے کے مرتبان میں ان سُرخ مچھلیوں کو دیکھیں۔ دیکھو ان میں کوئی ایسی بات ہے جو سانپ میں نہیں ہے؟ رشید جلدی سے بولا۔ "ہاں آپا جان' دیکھیے اُن کے ننھے منے

پڑھیں"

آپا جان :۔ تم ٹھیک کہتے ہو۔ سب مچھلیوں کے پر ہوتے ہیں۔ اچھا اور کوئی چیز؟

سعید:"ہاں آپا جان مچھلی کے گلپھڑے بھی ہوتے ہیں۔ ایک دفعہ ابا جان بہت سی مچھلیاں شکار کر کے لائے تھے۔ میں نے ایک خوب صورت سی مچھلی کے گلپھڑے میں رسی ڈالی اور منہ میں سے نکال کر مضبوط سی گانٹھ لگائی اور لٹکائے لٹکائے پھرا، اور آپا جان مچھلیوں کے گلپھڑے ہر وقت اندر باہر ہوتے رہتے ہیں۔ یہ کیا بات ہے۔ یہ دیکھئے ان سنہری مچھلیوں کو دیکھئے۔"

آپا جان :۔ بیٹے بات یہ ہے کہ مچھلیاں اپنے گلپھڑوں کے ذریعے سانس لیتی ہیں۔ دیکھو تم جب سانس لیتے ہو تمھارا سینہ اوپر نیچے ہوتا ہے۔ اسی طرح مچھلی کے گلپھڑوں کا اوپر والا حصہ اندر باہر ہوتا رہتا ہے۔ سانس تو سبھی جان دار لیتے ہیں۔ کوئی کسی طرح، کوئی کسی طرح مچھلیاں اپنے گلپھڑوں سے سانس لیتی ہیں۔

حمید :۔ آپا جان آپ سبھی جانوروں کو کسی نہ کسی گروہ میں تقسیم کر چکیں۔ میری تتلی جھینگر اور ٹڈا رہ گیا۔ اور ہاں حمید کا مینڈک اور چیونٹی رہ گئی۔

آپا جان :۔ اچھا اچھا ابھی لو ہم سوائے مینڈک کے اور سب چیزوں کے بارے میں ایک ساتھ بات چیت کریں گے۔ یہ سب ایک ہی گروہ کے جانور ہیں یعنی کیڑے مکوڑے۔ ابھی تک تو تم یہی سمجھتے ہو گے کہ یہ قسم قسم کے جانور ہیں مگر تم اُن کا ڈھانچا غور سے دیکھو گے تو تمھاری سمجھ میں آجائے گا۔ یہ جانور تو بہت سے ہیں تم سب ایک ایک لے لو۔ ایک ٹڈا، ایک جھینگر ایک تتلی اور ایک چیونٹی۔ ان میں سے چند زندہ

کیڑوں کو شیشے کے مرتبان میں رکھ کر دیکھو تمھیں یہ چلتے پھرتے اور ہلتے جلتے نظر آئیں گے چار پانچ بچے مل کر ایک ایک چیز کو دیکھیں جو ٹڈے کو دیکھنا چاہیں وہ ایک ٹولی بنالیں اور جو تتلی کو دیکھنا چاہیں وہ بھی ایک ٹولی بنالیں

اسی طرح دوسرے کیڑوں کے دیکھنے کے لئے الگ الگ ٹولیاں بن جائیں۔ اچھا اب میں بلیک بورڈ پر چند سوال لکھتی ہوں۔ اُن کے جواب دینے کی کوشش کرو۔

(۱) تمھارے کیڑے کے کتنے پاؤں ہیں؟

(۲) اس کے جسم کے کتنے حصے ہیں؟

(۳) اس کے جسم پر کھال ہے یا خول۔ کس چیز سے اس

پر دو لمبی لمبی سونڈیں ہیں۔"

عمر کامل چیونٹی کو دیکھ رہا تھا۔ کہنے لگا۔" آپا جان اس کے بھی چھ پاؤں ہیں۔ اور یہ تو ذرا سے دیکھنے پر بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس کے جسم کے تین حصے ہیں۔ اس کے سر پر بھی دو سونڈیں ہیں اور اس کا جسم ایک سخت خول سے ڈھنکا ہوا ہے۔"

آپا جان:- ان چھ پیروں والے جانوروں کا ڈھانچہ
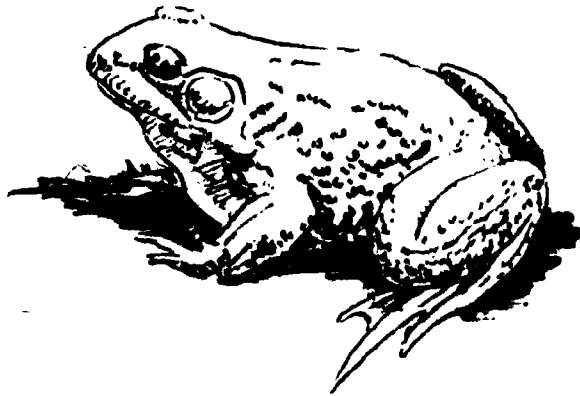
کا جسم ڈھکا ہوا ہے؟

(۴) اس کے کتنی سونڈیں ہیں؟

سب بچوں نے اپنے اپنے جانوروں کو غور سے دیکھا اور جواب دینے کے لئے تیار ہوگئے۔ سعیدہ نے پہل کی اور بولی۔" ٹڈوں کے چھ پاؤں ہوتے ہیں اور اس کے جسم کو غور سے دیکھو تو جسم کے تین حصے نظر آئیں گے۔ اس کے جسم پر سخت قسم کا خول ہے اور سر

جن کے بارے میں تم تحقیقات کر رہے ہو، ان جانوروں سے بالکل الگ ہے جن کے بارے میں ہم پہلے تحقیقات کر چکے ہیں۔ ایک کیڑے کا جسم تین حصوں میں تقسیم ہے۔ پیر اور بازو جسم کے بیچ کے حصے میں جڑے ہوتے ہیں ان میں سے کسی کیڑے کے دو بازو ہوتے ہیں کسی کے چار اور کسی کے ایک بھی نہیں۔

اچھا اب ہم تمھیں کیڑوں کے بارے میں ایک دلچسپ چیز بتائیں اور وہ یہ کہ اُن کے جسم میں ہڈی نہیں ہوتی۔ بیل، چڑیاں، رینگنے والے جانور، مچھلی، ان سب کے جسم کے اندر ہڈیوں کا ڈھانچ یا فریم ہوتا ہے جو جسم کے نرم حصّوں کو ایک دوسرے سے جوڑا رہنے میں مدد دیتا ہے۔ اس ڈھانچ یا فریم کو پنجر کہتے ہیں۔

کیڑوں کے اوپر کے جسم پر بجائے کھال کے ایک خول ہوتا ہے۔ یہ خول وہی کام کرتا ہے جو ہڈیوں کا پنجر یا فریم۔ بعض کیڑوں کے جسم پر تو یہ خول اتنا سخت ہوتا ہے جتنا تمھاری انگلی کا ناخن اور بعض کے جسم پر بہت باریک۔ گویا کیڑوں کے جسم کا ڈھانچا یا پنجر جسم کے اوپر والے حصے میں ہوتا ہے۔

مسعود ایک ٹڈے کو خوردبین سے دیکھ رہا تھا کہنے لگا۔ "آپا جان ٹڈے کے جسم پر ننھے ننھے نشان ایک قطار میں چلے گئے ہیں۔ یہ کیا چیز ہے؟"

آپا جان:۔ یہ چھوٹے چھوٹے نشان اصل میں سوراخ ہیں۔ ٹڈا اِن ہی سوراخوں سے سانس لیتا ہے۔ قدرت نے کیڑوں کے لئے سانس لینے کا یہی انتظام کیا ہے۔

حمید:۔ اور آپا جان مینڈک؟

آپا جان:۔ ارے بھئی آج تو تمھیں بہت سی باتیں معلوم ہوگئیں۔

سعیدہ:۔ نہیں آپا جان، آج ہی بتا دیجئے۔

آپا جان:۔ اچھا میں سمجھ گئی۔ یہ ہماری الماری کا آخری جانور ہے۔ اس لئے شاید تم جانوروں کے سلسلے کو آج ختم کر دینا چاہتے ہو۔ اچھا تو اسے بھی غور سے دیکھو مگر میں تمھیں پہلے یہ بات بتا دوں کہ یہ اس گروہ میں شامل ہے جسے جل تھلی کہنا چاہئے یعنی جو پانی میں بھی رہتے ہیں اور خشکی میں بھی۔

اب سب بچے مینڈک کے چاروں طرف اکٹھے ہوگئے اور بہت غور سے اُسے دیکھنے لگے۔ سب بچے ابھی مشغول تھے کہ حمید بولا "آپا جان میں نے اسے بہت غور سے دیکھا۔ یہ ہماری الماری کے اور سب جانوروں سے بالکل مختلف ہے۔ اس کے جسم پر بس کھال ہی کھال ہے۔ اور چھونے سے یہ ٹھنڈا ٹھنڈا لگتا ہے۔ اس لئے اس کا خون بھی ٹھنڈا ہے۔"

آپا جان:۔ شاباش، شاباش تم نے بالکل ٹھیک کہا۔ اس گروہ کے جانوروں کے نہ تو بال ہوتے ہیں نہ پر، نہ سینے۔ اُن کا خون بھی ٹھنڈا ہے مگر ایک اہم چیز ایسی ہے جو مینڈک کو دیکھ کر معلوم نہیں ہو سکتی اور وہ یہ کہ اس گروہ کے سب جانور پانی میں انڈے دیتے ہیں اور اسی میں پلتے بڑھتے ہیں۔ پلنے بڑھنے کے بعد بھی وہ جیسے خشکی میں رہ سکتے ہیں، اسی طرح پانی میں۔

سعیدہ بولی "آپا جان اب میں بھی یہ سائنس جاننے والے جانور کے ڈھانچے کے بارے میں کہل

تحقیقات کرتے ہیں۔ اب دیکھئے۔ کوئی جانور ہمارے سامنے آئے گا۔ ہم اس کا ڈھانچا دیکھ کر بتا دیں گے کہ یہ کس گروہ سے ہے۔

غرض اب تمام جانور مختلف گروہوں میں تقسیم ہوگئے تھے۔ بچوں نے ہر ایک گروہ یا قسم پر ایک ایک تختی لگا دی

ابا جان نے بتایا کہ جانوروں کی اور بھی بہت سی قسمیں ہیں۔ مگر ہماری الماری کے یہ سب جانور ساری دنیا میں عام ہیں۔

میمل	چڑیاں	رینگنے والے جانور	جل تھلی	مچھلیاں	کیڑے مکوڑے
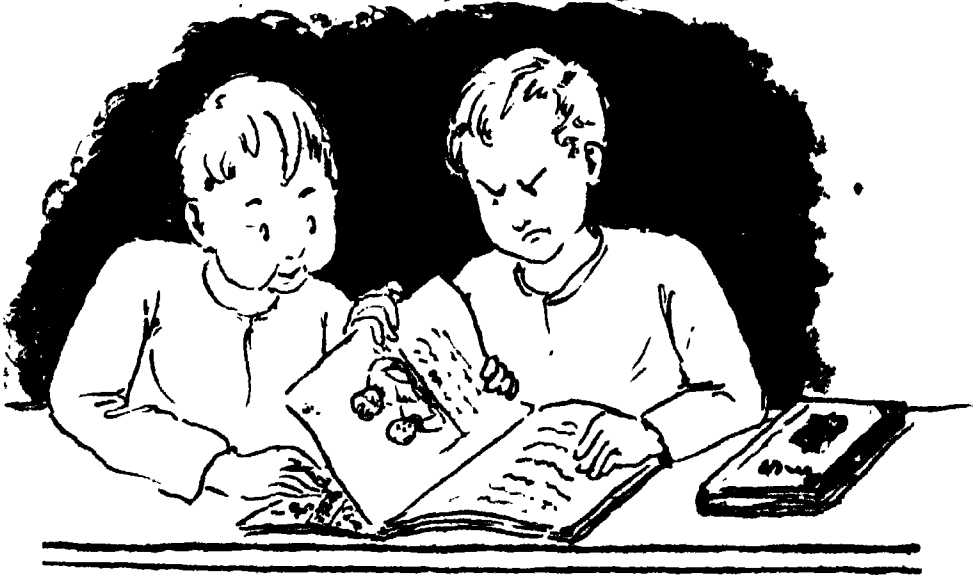
ایسا ہی شوق ہے تو رسالہ کیوں نہیں خرید لیتے

چیلارام

سید محمد شمیم جامعی

چیلارام سے دلی کے ایک پارک میں ملاقات ہوئی۔ خوب لمبا تگڑا جوان تھا۔ پورے چھ فٹ چھ انچ اونچا، لمبی داڑھی، بڑی بڑی مونچھیں، چوڑا سینہ ہاتھ پاؤں لوہے جیسے مضبوط۔

چیلارام بہت دنیا دیکھے ہوئے تھا وہ ایک غیر معمولی آدمی تھا۔ اس کی زندگی میں ایسے ایسے واقعات پیش آئے تھے جو معمولی آدمیوں کے ساتھ نہیں آتے وہ جنگ عظیم میں فرانس گیا تھا۔ لڑائی ختم ہونے پر واپس آیا اور پھر عراق گیا۔ ریگستان میں بدوؤں کے ہاتھوں میں گرفتار ہوا تھا۔ بابل کے مینارے پر بیٹھ کر سگریٹ پیا تھا۔

میں نے کہا۔ "چیلارام! اپنی زندگی کا کوئی ایسا قصہ سناؤ جو سب سے زیادہ دلچسپ ہو۔"

چیلارام کہنے لگا۔

"میرا گھر امرت سر کے ضلع میں ہے۔ میرے گاؤں والے بالکل غریب تھے۔ اسی گاؤں کا ایک آدمی کلکتہ میں رہتا تھا۔ نہ معلوم کیا کام کرتا تھا لیکن اکیس روپئے تنخواہ پاتا تھا یہی اس گاؤں کا سب سے امیر آدمی تھا۔ وہ کہتا تھا کلکتہ میں داروغہ تھا یہ

میں نے اٹھارہ برس کی عمر میں اسکول چھوڑ دیا اور کچھ جمع کرکے کلکتہ پہنچا۔ خیال تھا کہ اگر داروغہ فوراً نہ ہو سکا تو ہیڈ کانسٹبل تو ضرور ہو جاؤں گا۔

کلکتہ پہنچتے ہی غلط فہمی دور ہو گئی۔ تلاش اور جستجو کے بعد میرے ہم وطن کا پتہ چلا۔ معلوم ہوا کہ وہ کسی امیر آدمی کا دربان ہے! اس نے مجھے کلکتہ میں رہنے کے لئے ایک مہینے کا خرچ دیا۔ لیکن شرط یہ تھی کہ اس کی دربانی کا قصہ کسی سے نہ کہوں گا۔ اسی کے مشورے سے میں نے موٹر چلانا سیکھا۔ کچھ دنوں کلکتہ میں ٹیکسی چلاتا رہا۔ اس زمانے میں یورپ میں لڑائی چھڑ گئی۔ میں فوج میں بھرتی ہو کر کراچی گیا اور کراچی سے فرانس۔

اس زمانے کے قصے بہت خوفناک ہیں۔ ان کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ لڑائی ختم ہونے کے بعد اپنے گاؤں میں چلا آیا۔ یہاں طبیعت نہ لگی۔ پھر

نوکر ہوکر عراق گیا۔ تین برس کے بعد عراق سے بمبئی واپس آیا۔ اس وقت جیب میں کچھ پیسے تھے۔ خیال ہوا کہ ایک موٹر لے کر ٹیکسی چلاؤں۔ لیکن دو تین دن کے بعد ایک قصہ ہوگیا۔ ایک سرائے میں کسی بات پر غنڈوں سے لڑائی ہوگئی۔ اور چاقو چھری تک نوبت آگئی۔ ایک غنڈا زخمی ہوگیا۔ میرے ساتھ میرا ایک دوست تھا۔ پولیس کے ڈر سے دونوں آدمی بمبئی سے بھاگ کھڑے ہوئے۔

میں بہت دنوں تک مارا مارا پھرا۔ آخر کوئٹہ اور ریگستان ہوکر کابل پہنچ گیا۔ اس وقت کابل میں لاریاں اور بسیں چلنا شروع ہوئی تھیں۔ امیروں کے پاس موٹریں بھی تھیں۔ لیکن اچھے ڈرائیور کمیاب تھے۔ ہم لوگوں کو فوراً ملازمت مل گئی۔

اسی طرح کئی برس گذر گئے۔ میرے پاس جو روپیہ تھا اسی سے ایک لاری لے لی تھی۔ کابل اور قندھار کے درمیان چلاتا تھا۔ چیزیں بھی سستی تھیں۔ دوست احباب بھی پیدا ہوگئے تھے۔ آرام سے دن کٹتے تھے کابل میں ایک گجراتی برہمن تھے۔ بھولا ناتھ ان کا نام تھا۔ بہت دنوں سے کابل میں تھے۔ یہاں پروہت کا پیشہ کرتے تھے۔ میر کد بازار میں دکھن کی طرف ایک چھوٹی سی گلی تھی۔ اسی گلی میں ایک چھوٹا سا مندر اور مکان تھا۔

بھولا ناتھ کا مندر ایک عجیب جگہ تھی۔ شام ہوتے ہی مختلف قسم کے لوگ جمع ہونا شروع ہو جاتے تھے ہر وقت چار چلتی تھی۔ گھنٹہ بھی بجتا تھا۔ آرتی ہوتی تھی پرشاد تقسیم ہوتا تھا۔ بارہ ایک بجے رات تک لوگ آتے رہتے تھے۔ ان لوگوں میں بڑے بڑے کاروباری بھی ہوتے تھے اور ہمارے جیسے معمولی آدمی بھی بھولا ناتھ کا سلوک سب لوگوں کے ساتھ یکساں تھا۔ اور سب لوگ بھولا ناتھ کی عزت کرتے تھے۔ ضرورت کے وقت مشورہ بھی لیتے تھے۔

ایک دن آٹھ بجے رات کو میں بھولا ناتھ کے مندر گیا۔ بھولا ناتھ نے چار دی۔ لیکن میں نے چار نہ پی۔ رات زیادہ ہوگئی تھی۔ یکایک میری نظر ایک سرکاری افسر پر پڑی۔ میں نے اکثر ان کو سڑک پر موٹر چلاتے دیکھا تھا۔ ایک اعلیٰ افسر کو اس منڈلی میں دیکھ کر مجھے بہت تعجب ہوا۔ لیکن کسی سے کچھ کہنا مناسب نہ سمجھا۔ چپ چاپ بیٹھا رہا۔ کچھ دیر کے بعد افغانی افسر چلے گئے۔

اُن کے جانے کے بعد معلوم ہوا کہ وہ یہ معلوم کرنے آئے تھے کہ اس جماعت میں کون کون لوگ مشین گن چلانا جانتے ہیں۔ سمجھ میں نہ آیا کہ قصہ کیا ہے

جب میں اُٹھا تو رات بہت زیادہ ہوگئی تھی۔ میرے ساتھ میرے ایک دوست جوالا پرشاد تھے انھوں نے مجھ سے چپکے چپکے کہا "بنک میں اگر کچھ روپے ہیں تو اسی وقت نکال لو۔"

میں نے حیرت سے پوچھا "کیوں؟ کیا ہوا؟"

انھوں نے جواب دیا "امان اللہ کے خلاف بہت

جلد بغاوت ہوگی۔"

میں نے پوچھا "کون بغاوت کرے گا؟"

جوالاپرشاد نے کہا "مجھے اتنی تو خبر نہیں لیکن ہوگی جلد۔ تم ہوشیار رہنا۔ زیادہ رات تک ادھر ادھر مارے مارے نہ پھرنا۔"

میر ملکد بازار کے قہوہ خانوں میں اب تک چہل پہل تھی۔ رات کے وقت یہ جگہیں بہت خوفناک ہیں۔ بہت سے بےخبر لوگ چھروں سے زخمی ہوتے ہیں۔

ابھی بازار سے پار ہی ہوا تھا کہ دَن دَن بندوق چلنے کی آواز آئی۔ اس کے ساتھ ساتھ پٹ پٹ پٹ پٹ مشین گن کی آواز آئی۔ بچہ سقہ کی بغاوت شروع ہوگئی۔

میر ملکد بازار کے لوگ دوکان اور قہوہ خانے چھوڑکر باہر نکل آئے۔ دوکانیں بند ہوگئیں۔ سب کان کھڑے کرکے سن رہے تھے۔ کسی کو خبر نہ تھی لیکن بغاوت کی خبر آگ کی طرح بہت جلد پھیل گئی سب اچنبھے میں پڑگئے۔ کیونکہ بغاوت کے معنی تھے خون، لوٹ مار، گھروں میں آگ، بےرحمی سفاکی اور یہی سب ہوا۔

جس وقت بچہ سقہ کی بغاوت زوروں پر تھی اس وقت کی تمام باتیں معلوم ہیں لیکن ان کے دہرانے کی ضرورت نہیں۔ آنکھوں سے جو جو خون خرابا دیکھا، اُن کے خیال سے اب بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ میر ملکد بازار میں خون کی ندی بہی تھی کوئی ٹھکانا نہ تھا کہ کون کس کو مار ڈالے گا۔ موقع پاکر بدمعاشوں اور غنڈوں نے خوب سر اُٹھایا۔ ان لوگوں نے دن دہاڑے لوٹ مار شروع کردی۔

ایک دن رات کو میرے دوست جوالاپرشاد آئے اور کہا "چپ چاپ بھولاناتھ کے ڈیرے پر چلے آؤ۔ کچھ پوچھو نہیں۔"

بھولاناتھ کے مندر میں چند سکھوں اور جاٹوں کو دیکھا۔ یہ سب ڈرائیور تھے۔ سب ملاکر دس آدمی تھے اور وہی افغان افسر بھی تھے اور اُن کے ساتھ ایک نوجوان افغان بھی تھے۔ سوٹ پہنے ہوئے تھے۔ مندر کی دھیمی روشنی میں اُن کی شکلیں صاف نہیں نظر آتی تھیں۔

افغان سردار نے کہا "تم میں سے کون کون آج ہی رات کو کابل سے قندھار جانے کو تیار ہے؟ اور پھر قندھار سے کوئٹہ"

میں تو حیرت میں پڑگیا۔ کہاں کابل اور کہاں کوئٹہ! پھر جانے کا راستہ کہاں تھا؟ باغیوں نے خیبر کا راستہ روک رکھا تھا۔ کابل ندی کو پار کرنا بھی مشتبہ تھا۔ کیوں اور کس کو نے جانا ہوگا۔ یہ معلوم نہ تھا۔ افغان افسر نے کہا "دس لاریوں کی ضرورت ہے اور دو پرائیویٹ موٹر ہوں گے۔ ان کے لئے ڈرائیور کی ضرورت ہے۔ چمن کے راستے

سے چمن ہوتے ہوئے کوئٹہ پہنچانا ہوگا جس قدر روپیہ مانگوگے دوں گا"

ہم سبھوں نے سر ہلا کر انکار کر دیا۔ یہ ناممکن تھا ان خوفناک دنوں میں قندھار کے راستے سے چمن اور بمبئی !!

افغان افسر نے بہت حجت کی، لالچ دلایا دھمکایا، لیکن خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا۔ ہم لوگ راضی نہ ہوئے

اب وہ سوٹ پہنے افغانی صاحب تاریکی سے نکل کر روشنی میں آئے۔ اور کہا "کیوں؟ تم لوگوں کو اعتراض کیا ہے؟"

میری بغل میں جو دو تین سکھ اور جاٹ تھے وہ چونک پڑے اور خوب جھک کر کورنش بجالائے۔ جوالا پرشاد بھی تعجب سے کاٹھ کے پتلے بن گئے اُن کے مُنہ سے بے اختیار نکل پڑا۔ جہاں پناہ...

.... اب میں نے بھی پہچانا۔ خود بادشاہ امان اللہ تھے۔

امان اللہ خاں صاحب نے کہا "منہ مانگی مزد ملے گی۔ ہمیں دس لاریوں کی ضرورت ہے۔ کون کون تیار ہے؟ ہمیں کوئٹہ پہنچانا ہوگا۔ مصیبت میں گرفتار ہوکر تم لوگوں سے مدد مانگنے آیا ہوں۔ تم لوگوں پر مجھے اعتماد ہے"

ہم لوگ ایک ساتھ بول اُٹھے: "جو حضور کا حکم ہو ہم لوگ تیار ہیں۔ فرمائیے کہاں لاری لے کر حاضر ہوں"

امان اللہ خاں نے ہاتھ کی گھڑی میں وقت دیکھا پھر کہا "ایک گھنٹے کے اندر اسی جگہ آجاؤ۔ یہاں سے کہاں جانا ہوگا۔ یہ تمھیں بتا دیں گے" اور افغان افسر کی طرف اشارہ کر دیا۔

اسی رات کو دس لاریاں اور دو موٹریں کابل سے قندھار کے راستے پر روانہ ہوگئیں۔ چار لاریوں پر صرف نقد سکے تھے جو لکڑی کے بکسوں میں بند تھے دو موٹروں پر امان اللہ خاں اور اُن کی بیوی بچے تھے۔ ایک لاری آگے اور ایک پیچھے تھی۔ ان پر مشین گنیں تھیں جن کو ترپال سے چھپا دیا گیا تھا۔

آخر رات تھی۔ کہرا چھایا ہوا تھا ایسے وقت میں بادشاہ اور بیگم کو لے کر ہوا کی طرح ہم لوگ چلے کابل ندی پار ہوکر ایک چھوٹی سی پہاڑی پر باغیوں کا اڈا ملا۔ یہ لوگ ضرور روک ٹوک کرتے۔ پورن مل جاٹ مشین گن کے پیچھے تیار ہو بیٹھا۔ خود امان اللہ خاں نے حکم دیا کہ راستہ کاٹ کر ان سے بچتے چلو۔

دور سے ہم لوگوں نے دیکھا کہ وہ لوگ گنبوج کے پاس جمع ہوگئے ہیں۔ ہم لوگوں نے مسرع (موٹر تیز کرنے کا آلہ) کو پاؤں سے دبا دیا۔ موٹر کی رفتار تیز ہوگئی۔ ۳۰ میل فی گھنٹہ کے بجائے ۴۰، ۵۰، ۶۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلنے لگی۔ ایک لمحے میں ہم لوگ پار ہوگئے۔ ان لوگوں نے رائفل چلائی۔ ادھر

مشین گن سے جواب دیا گیا۔ روپے پیسے کی ایک لاری کا ٹائر پھٹ گیا۔ لاری کو وہیں چھوڑ ہم لوگ آگے بڑھ گئے۔ کسی نے پھر کر دیکھا بھی نہیں۔

ڈر تھا کہ وہ لوگ پیچھا کریں گے اور ہم لوگوں کے پاس وقت بھی نہ تھا۔ قندھار پہنچ کر خبر ملی کہ باغیوں نے کوئٹہ کا راستہ روک رکھا ہے۔ واپس ہو کر ہیلمند ندی پار ہو کر دکھن کے پچھم کونے سے ہم لوگ افغانستان کی حدود سے پار ہوئے۔ اس کے بعد بلوچستان کا سنسان ریگستان تھا۔ سبزے سے خالی سیاہ پہاڑ تھے یا ریگستان۔ بس یہی دو چیزیں نظر آتی تھیں۔

اسی ریگستان میں قلات اور چمن کے راستے پر بلوچی لٹیروں نے حملہ کیا۔ وہ لوگ سوداگری کے مال کی لاریاں سمجھے ہوئے تھے۔ لیکن مشین گن کی آواز پر بھاگ کھڑے ہوئے۔ ایک مرتبہ راستے میں پانی ختم ہو گیا۔ پیاس زور کی تھی۔ انجن کی ٹنکی سے گرم پانی نکال کر بادشاہ وغیرہ کو پلایا۔ اسی وقت طوفان آیا تھا۔ بالو سے تمام راستے ڈھک گئے تھے۔ کوئی نشان نہ ملتا تھا۔ چلتے چلتے ایک موٹر بھی خراب ہو گئی۔ اس موٹر سے لوگوں کو اتار کر دوسری موٹر میں کسی طرح جگہ دی گئی۔ امان اللہ لاری میں آ کر ڈرائیور کے پاس بیٹھے۔ اُف! اس خوفناک گرمی میں پیاس سے ان سب کو کس قدر تکلیف ہوئی اس موٹر کو تو وہیں چھوڑ دیا گیا تھا۔ نہ معلوم کیا حشر ہوا ہوگا۔ ہم لوگ سب کے سب ریگستان ہی میں ختم ہو جاتے لیکن خوش قسمتی سے برٹش حکومت کے سرکاری ڈاک کی لاری سے ملاقات ہوئی۔ قلات سے کراچی جا رہی تھی۔ اس کے ساتھ حفاظت کے لئے سپاہیوں کی ایک لاری تھی۔ ہم لوگ اسی کے ساتھ ہو گئے۔ ہم لوگ ایک دن میں چمن پہنچے اور پھر کوئٹہ پہنچ گئے۔ کوئٹہ سے امان اللہ خاں وغیرہ ریل گاڑی سے بمبئی گئے۔

مزدوری اور تیل کی قیمت کے علاوہ ہم لوگوں کو دو سو روپئے فی کس انعام ملا۔ ہم لوگ اسی روز کابل کے لئے روانہ ہو گئے۔ روانگی کے وقت امان اللہ خان نے ہم لوگوں کے ساتھ ہاتھ ملایا۔ اور کہا "اگر کبھی واپس آیا تو تم لوگوں کو نہ بھولوں گا۔" بیگم کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ ہم لوگوں کی آنکھیں بھی خشک نہ تھیں۔ سنگ دل جاٹ پورن مل کی آنکھوں میں بھی شاید آنسو آ گئے تھے کیوں کہ اس نے اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیا تھا ٭

ہندی سے ترجمہ

پیڈنا

سید محمد یحییٰ پٹنہ کالج

کھیل میں کام کرنے والے:۔

چنو ایک شریر چالاک لڑکا۔

گھسیٹا خاں۔ چنو کا ساتھی مگر چنو سے عاجز۔

طوطا رام گھسیٹا کا دوست، چنو کا ساتھی۔

ماسٹر ہوسٹل کے انچارج اور حساب کے ماسٹر۔

سین

کلاس کا کمرہ۔ لڑکوں کے شور وغل کرنے کی آواز سنائی دے رہی ہے۔ چنو اور گھسیٹا باتیں کر رہے ہیں

چنو:۔ ارے بھئی گھسیٹا تم تو سارے سوال نکال چکے ہوگے۔

گھسیٹا:۔ ہاں صرف پانچ نوٹ تھے ہی۔

چنو:۔ (گھبرا کر، اور طوطا رام! ارے تم بھی ختم کر چکے؟

طوطا:۔ اور کیا۔ میں بھی تم جیسا.......

چنو:۔ ارے دوست۔ چپ بھی رہ۔ ماسٹر صاحب آیا ہی چاہتے ہیں۔ کوئی ترکیب بتا جو جان بچے آج وہ مجھے نہ چھوڑیں گے۔ کیا بہانہ کروں؟

طوطا:۔ کہہ دینا۔ رات لیچیاں کھا گیا تھا۔ پیٹ میں درد ہوگیا۔

چنو:۔ مگر دوست پہلے بھی تو یہی بہانہ کر چکا ہوں کوئی دوسرا.......

گھسیٹا:۔ ہاں ایک ترکیب سوجھی۔ بڑے ہی مزے کی۔

چنو:۔ ارے بھیا جلدی بتا۔ دیکھ ماسٹر صاحب بس.......

گھسیٹا:۔ ہاں پہلے جھانک کر دیکھ لو۔ ماسٹر صاحب کہاں تک پہنچے ہیں۔ (چنو جاتا ہے۔ گھسیٹا طوطا سے کہتا ہے) ارے طوطا بس یہی موقع ہے۔ پٹواؤ چنو کو، بڑا ہی شریر ہے۔

طوطا:۔ ضرور! بھلا اس میں بھی پوچھنے کی.......

.... (چنو آتا ہے)

چُنّو ۔ گھسیٹے! ابھی ماسٹر صاحب کرانی سے باتیں کر رہے ہیں۔ ذرا جلدی بچنے کی ترکیب بتاؤ۔ ہاں بھیّا

گھسیٹا ۔ تم بالکل نہ گھبراؤ۔ جب ماسٹر صاحب آئیں گے تو میں اور طوطا دونوں مل کر ایسی بات نکال دیں گے کہ ماسٹر صاحب کو گھر کا کام دیکھنے کی یاد ہی نہ آئے گی۔

چنّو ۔ بس دوست ٹھیک کہا تم نے مگر ذرا ہوشیاری سے کام لینا۔

گھسیٹا ۔ ہاں، ہاں اطمینان رکھو۔ اے لو ماسٹر صاحب آ گئے۔

(ماسٹر صاحب داخل ہوتے ہیں۔ بچوں کے بجنے کی آواز آتی ہے۔ سارا ہنگامہ بند ہو جاتا ہے)

ماسٹر صاحب ۔ بیٹھ جاؤ۔ شاباش! (لڑکے بیٹھ جاتے ہیں) ہاں بیٹھو چنّو ذرا بول تو کون کون سے سوال گھر پر نکالنے کو دئے تھے ہیں تے

چنّو ۔ (گھبرا کر) جی! جی! جی! (آہستہ سے گھسیٹا سے) کون کون سے تھے گھسیٹے۔ جلدی بول

گھسیٹا ۔ (آہستہ سے) مشق ۱۱ کے ۲۲ سے ۲۶ تک

ماسٹر صاحب ۔ ہاں ٹھیک ہے۔ اچھا آگے نکالو ابھی گھر کا کام دیکھتا ہوں۔

چنّو ۔ (آہستہ سے) ارے گھسیٹے بھائی۔ بچاؤ ورنہ آج پٹ گیا۔

گھسیٹا ۔ (ہنستا ہے) گھبراؤ نہیں۔

(ماسٹر صاحب سب کی کاپیاں دیکھتے ہیں۔ کبھی کبھی گھونسوں اور تھپڑوں کی آواز سنائی دیتی ہے۔)

گھسیٹا ۔ ماسٹر صاحب! آپ نے چنّو کو چھوڑ دیا۔

چنّو ۔ (گھبرا کر) ارے گھسیٹے! یہ کیا غضب ....

گھسیٹا ۔ (آہستہ سے) کچھ نہیں۔ اس روز رات کا کھانا بند کروانے کی سزا۔

ماسٹر صاحب ۔ (تڑپ کر) ایں! چنّو بچ گیا۔ چلو چنّو!

چنّو ۔ (کھڑا ہو جاتا ہے) جی ماسٹر صاحب! بات یہ ہوئی کہ میں شام کو گیا ۔ جی ماسٹر صاحب! ....

ماسٹر صاحب ۔ لا کاپی نالائق۔

چنّو ۔ بات یہ ہوئی ماسٹر صاحب کہ پیٹ میں کچھ .... نہیں ذرا سینما .... جی نہیں نہیں نیند آ گئی تھی ذرا اور .....

ماسٹر صاحب ۔ کیا بک بک کر رہا ہے؟ کیا سوال نہیں نکالے تو نے؟

چنّو ۔ نیند آ گئی تھی ماسٹر صاحب ۔ اس لئے نہیں نکال سکا۔

ماسٹر صاحب (غصّے میں) اِدھر آ بدھوا! لاؤ بید وہ کونے میں کھڑا ہے۔

چنو :- (رو کر) جی ماسٹر صاحب! اب کبھی نہیں بھولوں گا۔ (روتا ہے)

ماسٹر صاحب :- (چلا کر) نہیں کئی بار تم بہانے کر چکے ہو چلو۔ ادھر۔

(چنو جاتا ہے۔ بید سے پٹنے کی آواز آتی ہے)

چنو :- ارے ماسٹر صاحب! مر گیا۔ مر گیا۔ بس بس اب ضرور سوال نکالوں گا۔ (روتا ہے)

گھسیٹا :- (آہستہ سے) بڑا افسوس ہے۔ بے چارا چنو پٹ گیا۔ (ہنستا ہے)

طوطا :- (آہستہ سے) اور ہونا بھی چاہئے۔ (ہنستا ہے)

(چھٹی کا گھنٹہ بجتا ہے۔ لڑکے درجوں سے نکلتے ہیں۔)

گھسیٹا :- کہو یار چنو۔ مزا تو آگیا ہوگا۔ (زور سے ہنستا ہے۔)

طوطا :- اور رات کا کھانا بند کرواؤ۔ میرا (ہنستا ہے) چنو!

سین

ہوسٹل کا کمرہ۔ دس بجے رات کا وقت، چنو گھسیٹا، خراٹے لے رہے ہیں۔ طوطا چپکے سے گھسیٹے کے پاس آتا ہے۔)

طوطا :- (دبی ہوئی آواز میں۔) ارے گھسیٹا او گھسیٹا اُٹھ۔ دیکھ موقع غنیمت ہے۔

گھسیٹا :- (نیند میں) بالکل ٹھیک، کہو یار چنو کیسا لطف آرہا ہے۔

طوطا :- ذت۔ او گھسیٹے اُٹھ

گھسیٹا :- ہوں (آنکھ کھولتا ہے) کیا ہے طوطا؟

طوطا :- چپکے چپکے بولو نہیں تو سارا کھیل بگڑ جائے گا۔

گھسیٹا :- کیوں کیا بات ہے؟

طوطا :- آج ماسٹر صاحب نے صبح کے ناشتے کے لئے پڈنگ بنوائی ہے۔ اور ....

گھسیٹا :- سچ مچ بھئی! پڈنگ کے نام سے تو منہ میں پانی آگیا۔

طوطا :- اور تجویز یہ ہے کہ اسے کھایا جائے۔ اس وقت مجھے بھی بھوک لگ رہی ہے۔

گھسیٹا :- مگر وہ تو اسٹور روم میں بند ہوگا۔

طوطا :- یہ دیکھو اسٹور روم کی کنجی۔

گھسیٹا :- پھر کیا ہے۔ بس ٹھیک چلو۔

(دونوں دبے پاؤں جاتے ہیں)

چنو :- (ہنستا ہے) صبح کا بدلا لینے کا کتنی جلدی موقع مل گیا۔ (چنو بھی دبے پاؤں ان کے پیچھے جاتا ہے۔)

سین

اسٹور روم کے دروازے پر گھسیٹا اور طوطا

کھڑے ہیں۔ چنوّ ان کے پیچھے کھمبے کے سائے میں کھڑا ہے۔ تالا کھولنے کی آواز سنائی دیتی ہے۔

گھسیٹا :۔ کھلا تالا؟ ٹارچ جلاؤں۔

طوطا :۔ نہیں یہ تو کھل گیا، اور دیکھو اندر پہنچ کر بجلی جلانا (دونوں داخل ہوجاتے ہیں۔ چیزوں کے ساتھ ٹھوکر کھانے کی آواز آتی ہے چنو باہر سے تالا لگا دیتا ہے۔ ہنستا ہوا واپس آتا ہے اور اطمینان سے سو جاتا ہے۔)

سین

صبح چھ بجے کا وقت۔ ہوسٹل کے تمام لڑکے ایک کمرے میں بیٹھے ناشتہ کر رہے ہیں۔ آہستہ آہستہ آپس میں گپ بھی کر رہے ہیں۔ اتنے میں چنوّ داخل ہوتا ہے۔

ماسٹر صاحب :۔ ارے چنوّ میاں۔ طوطارام اور گھسیٹے کو کہاں چھوڑ آئے۔

چُنوّ :۔ (بہت سنجیدگی سے) جی ماسٹر صاحب! مجھے نہیں معلوم۔ کہاں رہ گئے۔

ماسٹر صاحب :۔ (چونک کر) اُہو۔ بھولا، لڑکو! ابھی مت اُٹھنا۔ میں نے تم لوگوں کے واسطے پڈنگ بنوائی ہے۔ ابھی اسٹور روم سے لاتا ہوں۔ ٹھہرو۔ (ماسٹر صاحب جاتے ہیں۔ گپ کرنے کی آواز کافی تیز ہو جاتی ہے۔) (منشی جی گھسیٹا اور طوطا کا کان پکڑ کر لاتے ہیں۔ ہنگامہ یک بیک بند ہو جاتا ہے۔)

ماسٹر صاحب :۔ (غصے میں) یہ کم بخت نہ جانے اسٹور روم میں کیسے گھس گئے۔ ساری پڈنگ کم بخت نالائق کھا گئے۔

گھسیٹا :۔ جی ماسٹر صاحب! نہ جانے کس نے ہمیں بند کر دیا۔

ماسٹر صاحب :۔ (چلاّکر) بھوت نے بند کر دیا ہوگا؟ تم لوگ بڑے شریر ہو۔ ٹھہرو (چنو ہنستا ہے) کوئی ہے۔ ذرا لانا تو میری بید۔ ابھی ان نالائقوں کو مزا چکھائے دیتا ہوں پڈنگ چرانے کا۔ ایک لڑکا دوڑ کر بید لے آتا ہے۔ ماسٹر صاحب جھلاہٹ میں دونوں کو خوب دھنتے ہیں۔ ہائے توبہ کی آوازیں آتی ہیں۔

چُنوّ :۔ (آہستہ سے) کہو طوطے۔ کیسا مزا آتا ہے بید کھانے میں۔ پڈنگ سے زیادہ یا کم؟ (گھسیٹا سے) اور گھسیٹے تمھیں کیسا لطف آیا۔ کیوں اور مجھے پٹواؤ گے۔

گھسیٹا :۔ (روتے ہوئے ماسٹر صاحب سے) ماسٹر صاحب ہمیں چنو نے بند کر دیا۔

ماسٹر صاحب :۔ چپ رہو بدمعاشو۔ تم لوگوں نے میرا ناک میں دم کر رکھا ہے.... (ہوسٹل کا گھنٹہ بجتا ہے سب لڑکے اپنے کمروں کی طرف جاتے ہیں طوطا اور گھسیٹا رو رہے ہیں اور چنو قہقہے لگا رہا ہے۔)

سید نور الحسن صاحب ہاشمی

پہاڑوں پر سردی کیوں ہوتی ہے؟

پچھلے پرچے میں میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ میں تمھیں یہ بتاؤں گا کہ بلندی پر سردی کیوں ہوتی ہے۔ اس کی صرف دو وجہیں ہیں۔ یہ تو تمھیں معلوم ہی ہوگا کہ ہوا میں گرد ملی جلی ہوتی ہے۔ یہ گرد نیچے یعنی میدانوں اور زمینوں پر زیادہ ہوتی ہے۔ پہاڑوں یا اور بلندیوں پر ہوا صاف ہوتی ہے۔ گرمی اصل میں سورج کی روشنی سے اس وقت ہوتی ہے جب سورج کی گرمی ان ذروں میں پیوست ہو جاتی ہے یا ان ذروں کو گرم کر دیتی ہے۔ بلندیوں پر چونکہ ہوا صاف اور گرد سے آلودہ نہیں ہوتی اس لئے ہوا میں گرمی پیدا نہیں ہو پاتی۔ دوسری یہ بھی ہے کہ میدانوں اور وادیوں میں زمین زیادہ پھیلی ہوئی اور کشادہ ہوتی ہے اس لئے سورج کی روشنی زیادہ حصے میں پھیل پاتی ہے اس لئے گرمی زیادہ ہو جاتی ہے۔ پہاڑوں کی چوٹیوں میں وسعت اور کشادگی کم ہوتی ہے اس لئے اتنی گرمی ہو نہیں پاتی۔ یہی دو وجہیں ہیں جن کی وجہ سے پہاڑوں کی چوٹیاں برف سے ڈھکی رہتی ہیں اور گرمیوں میں لوگ پہاڑوں پر چلے جاتے ہیں۔

شبنم کیسے بنتی ہے؟

تم لوگوں نے اوس یا شبنم تو بہت دیکھی ہوگی صبح صبح اوس کے قطرے گھاس درختوں کے پتوں پر پڑے ملا ہی کرتے ہیں۔ لیکن تمھیں یہ بھی معلوم ہے کہ یہ کیوں کر بنتی ہے؟

دراصل قصہ یوں ہے کہ جب سورج ڈوب جاتا ہے تو زمین اور جتنی چیزیں اس پر ہیں یعنی مکانات درخت، دیواریں، کھیت وغیرہ سب ٹھنڈے ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ دن میں دھوپ کی وجہ سے وہ گرم ہو گئے تھے لیکن اب رات کو جب دھوپ نہیں ہوئی، وہ ٹھنڈے پڑنے لگتے ہیں اور ان کی تمام گرمی ان سے نکل کر ہوا میں مل جاتی ہے۔ جب وہ خود ٹھنڈے ہو جاتے ہیں تو ہوا میں جو نمی ہوتی ہے یا جو بھاپ

موجود ہوتی ہے (اور یہ تو تمھیں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ ہوا میں مختلف جگھوں سے بھاپ اُٹھ اُٹھ کر ملتی رہتی ہے اس لئے ہوا میں کچھ نہ کچھ نمی ضرور موجود رہتی ہے۔ اگر کسی بچے کو یقین نہ ہو تو ایک گلاس کو برف یا برف کے پانی سے بھر کر رکھے۔ تھوڑی دیر میں وہ دیکھے گا کہ گلاس کے چاروں طرف قطرے قطرے سے آجاتے ہیں۔ یہ قطرے کہاں سے آئے گلاس کے اندر سے نہیں بلکہ باہر ہوا میں جو نمی تھی وُہ ٹھنڈ پاکر گلاس کے اوپر قطروں کی شکل میں جم گئی۔) وُہ ٹھنڈ پاکر قطروں کی شکل میں اُن پر جم جاتی ہے اسی کو ہم شبنم کا گرنا کہتے ہیں اور اسی کے قطرے ہم صبح صبح پتوں۔ گھاس اور درخت وغیرہ پر دیکھتے ہیں۔

لیکن جس وقت ہوا تیز چلتی ہوتی ہے اس دن شبنم نہیں بنتی۔ کیونکہ ہوا تیز چلنے کی وجہ سے جو چیزیں ٹھنڈی ہوجاتی ہیں اُن کا اثر ہوا اور اس کی نمی پر نہیں پڑنے پاتا۔

بارش کا پانی میٹھا اور صاف کیوں ہوتا ہے؟

اس سوال کا جواب دینے کے لئے پہلے تمھیں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ پانی کھاری کیوں ہوتا ہے:

پانی دراصل کھاری اس لئے ہوتا ہے کہ اس میں بہت سے قسم کے نمک یا کئی قسم کی اور معدنیات مل جاتی ہیں جو زمین میں ہوتی ہیں۔ اگر پانی ان نمکوں یا معدنی چیزوں سے صاف کرلیا جائے تو پانی بالکل صاف اور بالکل میٹھا ہوجائے۔ نلوں میں جو پانی آتا ہے وہ بھی بہت میٹھا ہوتا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ اُسے مختلف طریقوں سے صاف کرلیا جاتا ہے، اس لئے وہ خوب میٹھا ہو جاتا ہے۔

بارش کا پانی تو سمندر سے بھاپ بن کر آتا ہی جب سمندر جھیل یا دریاؤں سے پانی بھاپ بن کر اوپر اٹھتا ہے تو نمک یا اور ایسی ہی معدنی چیزیں وغیرہ جتنی ہوتی ہیں سب انھیں میں رہ جاتی ہیں۔ بھاپ بالکل پاک صاف ہوتی ہے، اسی لئے وہ بھاپ جب بادلوں کی شکل میں آکر برستی ہے تو اسے بہت صاف اور خوب میٹھا پاتے ہیں۔ یہ تو تمھیں معلوم ہی ہوگا کہ سمندر کا پانی بڑا ہی کھاری ہوتا ہی۔ اگر اس طرح پانی صاف نہ ہو ہو جایا کرتا تو بڑا کھاری پانی برسا کرتا۔

طِلسمی پنکھا
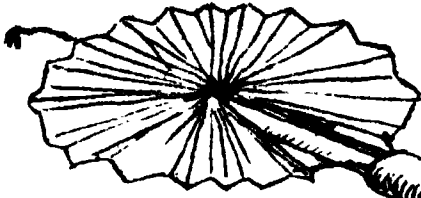
محمد اظفار اللہ صدیقی - نیوتمنوی

دیکھو پہلے ایک فٹ لمبا کاغذ لو۔ اس کاغذ کی نلکی یا ٹیوب بناؤ۔ نلکی کا قطر ڈیڑھ انچ ہو۔ اچھا صاحب یہ تو ہو گیا ٹیوب۔ اسے آپ سوکھنے کے لئے رکھ دیجئے۔

اب ڈیڑھ فٹ لانبا اور ایک فٹ چوڑا کاغذ لو اور چوڑائی میں پون پون انچ پر متوازی لکیریں کھینچ لو۔ پھر ان لکیروں پر کاغذ کو تہہ کر لو یا موڑ لو۔ ایک اندر سے ایک باہر سے۔

اب مڑے ہوئے یا تہہ کئے ہوئے کاغذ کے اوپر کے حصّے میں (جیسا کہ شکل میں دکھایا گیا ہے) دونوں سروں پر دو دو انچ لمبا تاگا (الف اور ب) چپکا دو۔ ایک چار انچ لمبا تاگا بالکل بیچ میں چپکا دو۔ (ج)

اب مڑے ہوئے کاغذ کو ٹیوب میں اس طرف سے داخل کرو جس طرف تاگے نہیں چپکے ہیں اور دونوں سروں کے تاگے ٹیوب کے دونوں سروں پر چپکا دو۔ لیجئے صاحب آپ کا پنکھا بن گیا۔ کاغذ رنگین ہو تو اچھا ہے۔ اب اگر تم پنکھا کھولنا چاہو تو بیچ کا تاگا کھینچ لو۔ دیکھو کیسا اچھا پنکھا کھلتا ہے۔ فوراً نہ کھینچنا۔ ذرا خشک ہو جانے دو۔
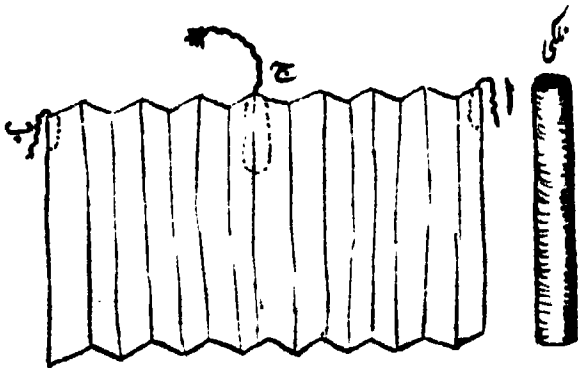
نئے نئے کھیل

مزدوری

(از الطاف علی صاحب)

تعداد - ۱۵ سے ۳۰ تک

جگہ - کمرہ، صحن، کھیل کا میدان

طریقہ:-

سب کھلاڑی دو برابر جماعتوں میں ایک ایک سردار کے ماتحت تقسیم کیے جائیں۔ ایک جماعت کسی درخت تلے، یا کسی اور جگہ کو گھر بنا کر وہاں بیٹھ جائے

دوسری جماعت کچھ فاصلے پر جا کر وہاں کوئی کام، پیشہ یا تجارت چن کر پہلی جماعت کے سامنے یہ گاتی آتی ہے

اگر ہو کام، نوکر دالو ہم سے ......،
نہ ملیں گے پھر کاریگر ایسے

پہلی جماعت کا سردار پوچھتا ہے۔ کیا کام جانتے ہو۔ وہ جواب دیتے ہیں "ہر ایک کام" اس پر وہ کہتا ہے۔ "اچھا پھر کام کرو"۔ اس پر وہ بغیر کچھ کہے ہوئے اپنی حرکات سے اپنا کیا ہوا کام پیش کرتے ہیں۔ اگر پہلی جماعت اُن کے کام کو صحیح صحیح بوجھ لیتی ہے تو وہ اُن کی جگہ لے کر اپنا کام پیش کرتی ہے۔ ورنہ دوسری جماعت پھر جاتی ہے اور پہلے کی طرح پھر گاتی ہوئی آتی ہے۔ اسی طرح سلسلہ جاری رہتا ہے۔

احتیاط:-

(۱) بوجھنے والی جماعت کا سردار پہلے اپنی جماعت سے مشورہ لے لیتا ہے۔ اس کے بعد اس تجارت کا نام یا پیشے کا نام بتاتا ہے۔
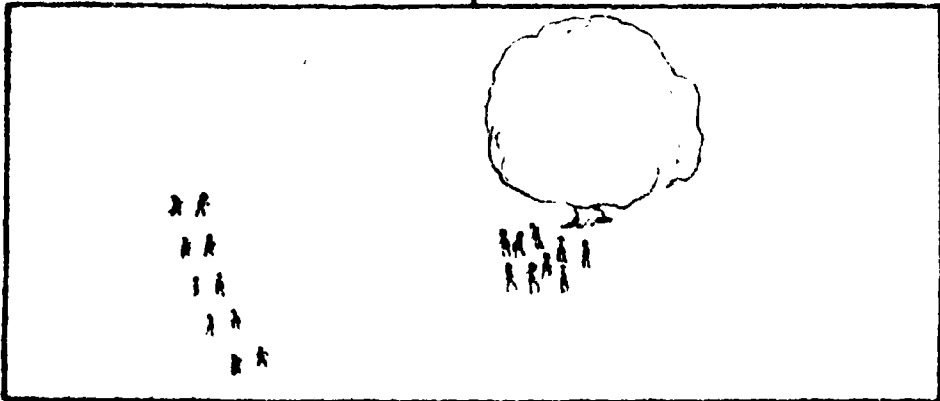
(۲) ہر ایک کھلاڑی اپنی جماعت کی چنی ہوئی تجارت کے مختلف شعبوں کو ظاہر کرے مثلاً اگر پیشہ بڑھئی کا ہو تو ایک کھلاڑی لکڑی کاٹے۔ دوسرا کلہاڑی چلائے۔ تیسرا آری، رندا وغیرہ۔

(۳) صحیح اندازہ لگانے کے لئے بوجھنے والی جماعت کو صرف دو موقعے دئے جائیں گے۔

جناب الطاف علی صاحب عثمان مدرس جسمانی (اوکھلا)

معلومات

ہمالیہ نے محض ایک ملک والوں کو دعوت نہیں دی ہے بلکہ تمام دنیا کے لوگوں کو اپنی طرف کھینچا ہے۔ خصوصاً جرمن، سوئزرلینڈ، فرانس، اٹلی اور امریکہ والوں نے تو اس کے متعلق بہت معلومات بہم پہنچائی ہیں اب پولینڈ والوں نے بھی اس میں حصہ لینا شروع کر دیا ہے۔ ابھی چند روز ہوئے پولینڈ والوں کا وفد ہندوستان آیا تھا۔ معلوم ہوا ہے کہ اس نے نندا دیوی کی مشرقی چوٹی کو سر کر لیا ہے۔ یہ چوٹی پچیس ہزار چھ سو فیٹ بلند اور رانی کھیت سے ساٹھ میل کے فاصلے پر ہے۔ انگریزی حکومت کے حدود میں نندا دیوی سب سے اونچی چوٹی ہے اور ہندؤں کی پرانی روایات میں اس کا بہت بڑا درجہ ہے۔ یہ ایک بہت ہی بڑی چٹان کا ٹکڑا ہے جس کے آس پاس ستر میل کے دائرے میں بڑے بڑے پہاڑ ہیں۔ ان میں سے کوئی سترہ ہزار فیٹ سے کم نہیں ہے۔ بارہ تو ایسے ہیں جن کی بلندی اکیس ہزار فیٹ سے زیادہ ہے۔ صرف اس جگہ ذرا سی نچائی ہے جہاں رشی گنگا، دریائے گنگا سے ملنے کے لئے اپنا راستہ بنائی ہے۔ ۱۹۳۴ء تک ان پہاڑی محافظوں کی وجہ سے انسانی قدم وہاں نہ پہنچ سکے تھے۔ صرف اس سال مسٹر شفٹن اور مسٹر ٹل مین خطرناک کھڈوں کو پار کر کے وہاں تک پہنچ سکے اور دو سال پہلے انگریزوں اور امریکنوں کی متحدہ پارٹی نے جس کے لیڈر پروفیسر گراہم براؤن تھے، نندا دیوی کو پہلی دفعہ فتح کیا تھا حقیقت یہ ہے کہ اس پہاڑ پر خطرناک ڈھلوان کی وجہ سے چڑھنا تقریباً ناممکن ہے۔ پولینڈ والوں کی کامیابی اس وجہ سے اور بھی قابلِ تعریف ہے کہ ان میں کسی کو بھی پہلے ہمالیہ کا تجربہ نہ تھا۔ "اسٹیٹس مین"

ربڑ کی قیمت سترھویں صدی میں انگلستان میں نصف مربع انچ ربڑ کا ٹکڑا تین شلنگ میں فروخت ہوتا تھا۔ مصور بڑی خوشی سے یہ قیمت ادا کرتے تھے۔

واٹر پروف سب سے پہلے واٹر پروف پروفیسر "مئے کن ٹاش" نے بنایا جو کہ ایک اسکاچستانی تھا۔ شروع شروع میں واٹر پروف اپنے موجد کے نام پر "مئے کن ٹاش" کہلاتے تھے۔

سید خدا بخش سلیم

قواعد

(۱) حل کے ساتھ خریداری نمبر لکھیے۔
(۲) ایک حل کے ساتھ ایک آنے کا ٹکٹ آنا ضروری ہے۔
(۳) ایک سے زیادہ حل بھی بھیجے جاسکتے ہیں۔
(۴) دونوں انعام تقسیم کردئے جائیں گے۔ قرعہ اندازی نہیں ہوگی۔
(۵) تمام حل ۱۰ اکتوبر تک دفتر پیامِ تعلیم مکتبہ جامعہ دہلی پہنچ جانا چاہیے۔
(۶) ایڈیٹر کا فیصلہ قطعی ہوگا۔
(۷) لفافے کے بائیں کونے پر لفظ معما لکھ دیا جائے
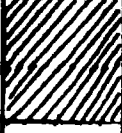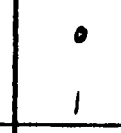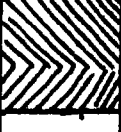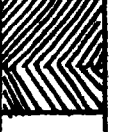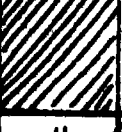
تمھارا
سال گرہ نمبر
۲۹ر اکتوبر کو شائع ہوگا۔

ستمبر کے معمے کا حل

۴ ی	ب	۳ ا	۲ ج	ن	۱ پ
ہ		م	۵ ا		ن
	۷ س	ر	م	۶ ا	
۹ پ	نے	و	ع	ت	۸ د
ج		د	ہ		ا
ے	۱۱ و			س	۱۰ د

پیامِ برادری

عزیز بھیو اور بچو ۔ خوش رہو اور تندرست ۔ آج کل تم لڑائی کی خبریں تو روز سنتے ہوگے یہ لڑائی یورپ میں ہو رہی ہے ۔ بات یہ ہے کہ جرمنی کے ملک میں جب سے ہٹلر ڈکٹیٹر ہوا ہے اس نے بہت آفت مچا رکھی ہے وہ اب تک کئی چھوٹے چھوٹے ملکوں ۔ آسٹریا ۔ چیکوسلاویکیا وغیرہ پر زبردستی قبضہ کر چکا ہے ۔ اور اب پولینڈ کے پیچھے پڑ گیا ہے ۔
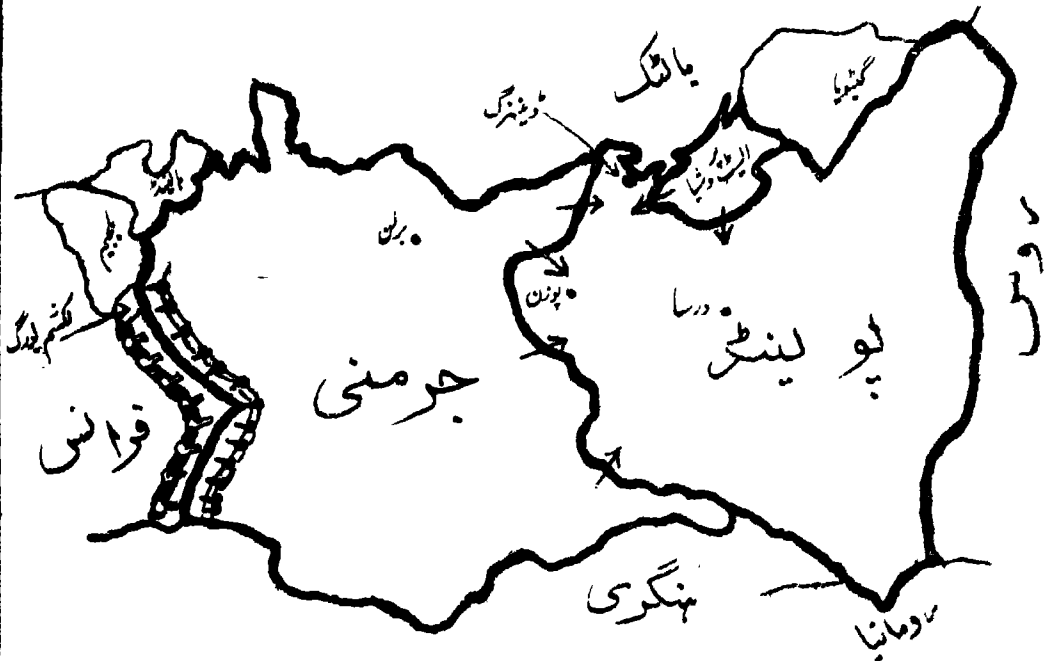
پولینڈ یورپ کے پورب میں مشہور ملک ہے ۔ یہاں کے لوگ بہت محنتی بہادر اور شائستہ ہوتے ہیں ۔ یہاں صنعت اور تجارت کے ساتھ ساتھ کھیتی باڑی بھی ہوتی ہے ۔ اس ملک کی سرحدیں ہمارے دیس کی سرحدوں کی طرح محفوظ نہیں ہیں اسی لئے پولینڈ سالہا سال سے اپنی حفاظت کے لئے دوسرے ملکوں سے لڑتا رہا ہے ۔ آج سے کوئی ایک سو بیس سال پہلے آسٹریا ۔ جرمنی

اور روس نے اسے غلام ہی بنا لیا تھا اور کہیں پچھلی لڑائی کے بعد جیتی ہوئی قوموں نے یہ تینوں علاقے چھین کر پولینڈ کو آزادی دی۔ اب وہ پھر اسی مصیبت میں گرفتار ہے۔ پولینڈ کے مشہور شہر ڈانزگ اور سرحد کوریڈار پر جرمنوں کا دانت تھا۔ دوسرے ملکوں نے بہت سمجھایا بجھایا کہ یہ مت کرو۔ کیوں لالچ اور حرص میں آکر دوسرے کم زور ملکوں پر ظلم کرتے ہو۔ مگر ہٹلر کے منہ کو خون لگ گیا تھا وہ کب ایسی باتوں کو سنتا تھا۔ اس کا کہنا یہ ہے کہ یہ ہماری پرانی سرحد ہے ہم اس پر قبضہ ضرور کریں گے۔ یہ دیکھ کر برطانیہ اور فرانس نے کہا اگر تم ڈانزگ پر حملہ کروگے تو ہماری تمہاری لڑائی ہے۔ ہٹلر نے اس کی بھی پرواہ نہیں کی اور ڈانزگ پر چڑھ دوڑا۔ اس پر ان دونوں ملکوں نے بھی اس پر چڑھائی کردی اور لڑائی شروع ہوگئی۔ مگر کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جرمنی پہلے پولینڈ سے نبٹنا چاہتا ہے۔ چنانچہ اس وقت وہ کئی شہروں پر قبضہ بھی کرچکا ہے۔ پولینڈ کی فوجیں بھی بہت بہادری سے مقابلہ کررہی ہیں۔ ادھر برطانیہ اور فرانس کی فوجیں برابر بڑھ رہی ہیں۔ دوسرے ملکوں کی ہمدردی بھی پولینڈ کے ساتھ ہے۔ اس وقت تک کی خبروں سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ جرمنی پولینڈ کو غلام بناکر رہے گا۔ لیکن فرانس اور برطانیہ اسی طرح جرمنی پر دباؤ ڈالتے رہے تو جرمنی کے لئے پولینڈ کا ہضم کرنا مشکل ہوجائے گا۔ تازہ خبر ہے کہ روس کی فوجیں پولینڈ کی مشرقی سرحد میں گھس آئی ہیں اور ہاں روس اور جاپان میں بیرونی منگولیا کی سرحد کے بارے میں صلح ہوگئی ہے۔

اس مرتبہ پچھلے مہینے کے مقابلے میں بہت زیادہ حل آئے۔ اتنے کہ یہاں اُن کے لکھنے کی گنجائش نہیں ہے اسی لئے صرف ان بچوں کے نام لکھے جاتے ہیں جو کسی نہ کسی حیثیت سے انعام کے مستحق قرار دئے گئے ہیں۔

اول انعام۔ صر

حسن احمد قنوجی۔ دہلی	سید فرحت حسین۔ دہرادون	حبیب احمد۔ علی گڑھ	محمد عبد الودود۔ دھولپور
محمد خورشید اقبال۔ سہارنپور	ابرار الرحمن قدوائی۔ بارہ بنکی	سید امیر حیدر نمبر ۲۳۳۶	شمیم محمود۔ دہلی
محمد ستار الرب۔ کانپور	ملک ابرار احمد خاں شاہجہانپور	محمد احسن۔ حیدرآباد	سید لیئق یوسف۔ ملتان۔
سید محمد اشفاق۔ شملہ		عبد الحفیظ گوالیاری۔	جامعہ نگر اوکھلا۔ دہلی۔

دوسرا انعام۔ ے ر

خلیل عمر۔ علی گڑھ	معین الدین رضمی نمبر ۹۵۹	محمد حامد علی۔ دہلی	یار محمد۔ دہلی
ظہیر حسن خاں۔ بریلی	سید شاہ شرف عالم۔ بھاگل پور	آمنہ خاتون۔ علی گڑھ	منظور احمد۔ بستی

محمد دین موحد ۔ بدایوں | عزیز اختر ۔ گوالیار | اظہار حسین ۔ دہلی | محمد غیاث الدین احمد ۔ گیا
حبیب احمد ۔ بدایوں | مس جمیلہ عبداللہ ۔ لاہور | غیاث اللہ ۔ ملتان | شفاعت علی ۔ دہلی
شمیم آرا ۔ حیدرآباد دکن | ملک اسرار احمد خاں ۔ شاہ جہاں پور | مجیب حسن ۔ [illegible]
محمد منظر ۔ درجہ ہفتم ۔ دریاپور | قمر الحسن خاں ۔ اوکھلا

تیسرا انعام عہ

اقبال احمد | عزیز زہرا خاتون ۔ گورکھپور | محمد مغیث ۔ کلکتہ | سید شریف احمد بخاری ۔ باغپت
بلقیس اختر ۔ سہیڑ | محمد جمال الدین ۔ لکھنؤ | عبدالرحمٰن کلکتہ | رضیہ سلطانہ ۔ الوت محل
خلیل احمد اللہ والا ۔ دہلی | عبید الرحمٰن ۔ بارہ بنکی | محمد محسن ۔ سہارنپور | سید احمد سعید ۔ رام پور
سید حسن مظفر زیدی ۔ شملہ | سید صباح الدین علا ۔ لکھنؤ | محمد منیر ۔ سیال کوٹ | سید ظفر علی ۔ دہلی
قمر عماری نمبر ۱۶ | منظر حسین خاں ۔ بریلی | محمد وسیم انصاری ۔ اوکھلا | مظہر علی علوی ۔ نئی دہلی
رومیند ناتھ ۔ لکھیم پور | انور کمال پاشا ۔ بوچستان | ابرار احمد [illegible] ۔ مئو

اس سلسلے میں ہمارے پاس ایک بہت دلچسپ حل آیا ہے ۔ اُسے یہاں نقل کرتے ہیں ۔

(۱) بنگال اڑیسہ کے رہنے والے کو بنگالی کہتے ہیں ۔

(۵) آج کل ناشپاتی ، انگور ، سیب یہ پھل خوب کھائے جاتے ہیں ۔

(۷) منقہ ایک خشک پھل ہوتا ہے ۔

(۸) لفظ بے ترتیب جیسے ج ، ا ، ب ، مش ، د

(۱۰) ایک عدد پیام تعلیم لاؤ یا ایک عدد لوٹا لاؤ ۔

(۱۱) اشارے کے لئے یہ ، وہ ، اس ، اُس لفظ استعمال ہوتا ہے ۔

(۲) نہر پر چل رہی ہے پن چکی ٭ دھن کی ہے پکی کام کی پکی

(۳) یونیورسٹی میں لڑکے لوگ پڑھتے ہیں اور وہاں ہر طرح کی چیزیں بنائی جاتی ہیں ۔

(۴) الٰہ آباد کے ہائی کورٹ اور قلعہ یونیورسٹی کالج مشہور ہے ۔

---

[1] اس بچے نے اپنا نام نہیں لکھا تھا۔

جواب حل معمّا

(۷) از دہلی دفتر پیام تعلیم

(۸) انصاف کرنا بہت ضروری ہے۔

(۹) تم سب پیام تعلیم کے خریدار جمع ہو۔ نقط........

معلوم ہوتا ہے کہ اس ننھی بچی نے اپنی سمجھ سے معما حل کیا ہے۔ کسی سے مدد نہیں لی ہو اس لئے میں نے اسے بھی اڈیٹر صاحب سے انعام بھیجنے کی سفارش کی ہے۔

میں ایک اور ضروری بات یہاں بتا دینا چاہتی ہوں اور وہ یہ کہ ان معموں کا سلسلہ بچوں کی معلومات بڑھانے کی غرض سے شروع کیا گیا ہے اس کا مقصد تجارت ہرگز نہیں ہے۔

بچیوں اور بچوں کو چاہیئے کہ معما حل کرتے وقت ان باتوں کا خیال رکھیں۔

(۱) معما جس طرح خانوں میں دیا گیا ہے اسی طرح خانے بناکر اور خانوں میں حروف لکھ کر حل کرو۔

(۲) جس کاغذ پر حل ہو اسی کاغذ پر نمبر خریداری، پورا پتہ اور نام لکھنا چاہیئے اور ٹکٹ بھی اسی کی پشت پر یا اوپر ذرا سا چپکا دو۔

(۳) حل میں کاٹ کر دوسرا حرف نہ لکھو بلکہ ایسی صورت میں نئے کاغذ پر دوبارہ صاف حل لکھ کر بھیجو۔

جو بچے سمجھتے ہوں کہ اُن کا حل صحیح تھا اور ان کا نام نہیں چھپا وہ دس تاریخ تک ہم کو اپنی شکایت سے اطلاع دیں۔

میں نے پچھلے پرچے میں برادری کی شاخوں کو لکھا تھا کہ اپنے یہاں کے عہدے داروں کے گروپ فوٹو بھیج دیں۔ سوائے آگرے کے کسی شاخ نے اپنے فوٹو نہیں بھیجے۔ اب ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے کہ اب ان کے بلاک بننے اور چھپنے میں دیر لگے گی۔ ہاں پیامی نمائش میں چیزیں بھیج دیں اور بہت جلد پیامیوں کے جلسے اور اُن کی نمائندگی کے بارے میں خط و کتابت کے ذریعے گفتگو کروں گی۔

اس مہینے، علی گڑھ، آگرے، بریلی، لکھنؤ اور دوسری جگہوں سے جلسوں کی روداد یں آئی ہیں لیکن گنجائش کی کمی کے سبب شائع نہ ہوسکیں۔ اچھا اب رخصت۔

تمھاری آپا جان

انتظار!
۲۹
اکتوبر
(صفحہ ۲۴۹ پر دیکھو)

Regd. No. L. 1961

اونچے درجے کے پڑھے لکھے

"تعلیمی تاش" جیسا اسکول کے لڑکوں اور معمولی تعلیم یافتہ لوگوں میں مقبول ہے ویسا ہی اونچے درجے کے پڑھے لکھوں میں پسند کیا جاتا ہے۔

تعلیمی تاش کے کھیل میں کبھی آپ قہقہہ لگائیں گے اور کبھی آپ سنجیدہ بن جائیں گے۔ ساتھ کھیلنے والے پر آپ کو رشک آئے گا اور کبھی اپنا شاندار ہاتھ بن جانے پر آپ کو بے حد مسرت ہوگی۔

تعلیمی تاش ایک عجیب کھیل ہے، اس میں علم کی خوبیاں اور کھیل کی دلچسپیاں ملا دی گئی ہیں، ابھی ایک تاش منگائیے۔ کھیلنے کے قواعد کی کتاب بکس کے ہمراہ بھیجی جاتی ہے

قیمت فی بکس
بڑا سائز :- اردو انگریزی ۱۲؍ - اردو ۸؍ - ہندی ۱۲؍
چھوٹا سائز :- اردو ۶؍ - انگریزی ۸؍

مکتبہ جامعہ دہلی

Only Cover Printed at the Calcutta Art Press, Katra Baryan, Delhi

پیامِ تعلیم
دہلی
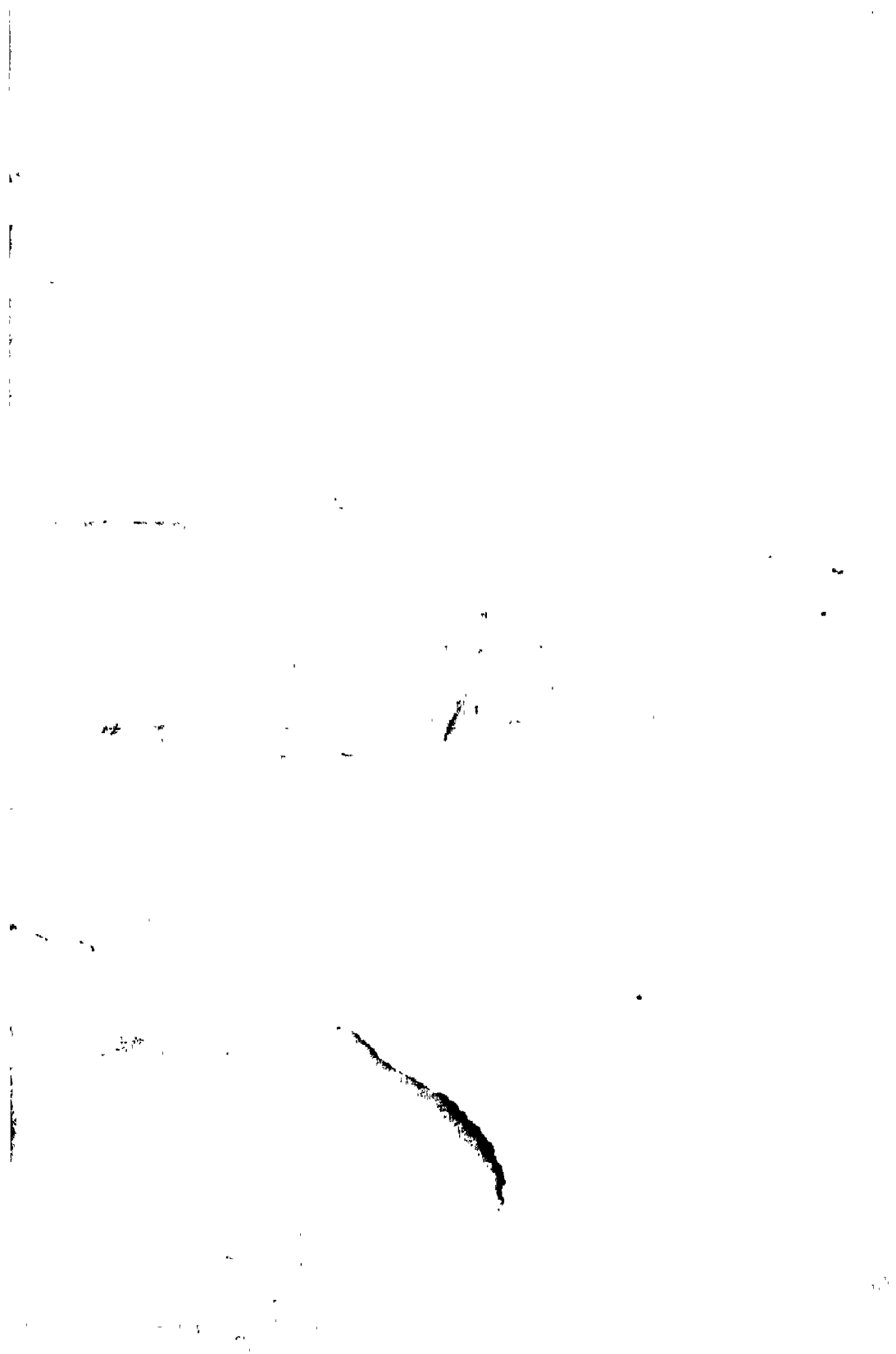
پیام تعلیم
دہلی
سال گرہ نمبر

عید کی خوشی

غنچے چٹک رہے ہیں اس عید کی خوشی میں
پھولوں کی انجمن ہے مصروفِ دل لگی میں

پیڑوں کی ٹہنیوں پر چڑیاں چہک رہی ہیں
باغوں میں پیاری پیاری کلیاں مہک رہی ہیں

پھولوں کے دل کھِلے ہیں بلبل کے چہچہوں سے
اور سرو ہنس رہے ہیں قمری کے قہقہوں سے

ٹھنڈی ہوا کے جھونکے گانا سا گا رہے ہیں
نغمے مسرتوں کے کانوں میں آ رہے ہیں

ہے عید کی مسرت سارے جہاں پہ طاری
خوشیاں منا رہی ہے خلقت خدا کی ساری

بوڑھے بھی آج خوش ہیں اور ہیں جوان بھی خوش
مسرور ہیں توانا اور ناتوان بھی خوش

بچّوں کا پوچھنا کیا چہرے کھِلے ہوئے ہیں
کھانے پہ شیر خرما سارے پلے ہوئے ہیں

اچھے لباس پہنے سب نے نہا نہا کر
ماں باپ نے نظر کی بچّوں پہ مُسکرا کر

سج بن کے گھر سے نکلے خوش خوش ہوئے روانہ
پڑھنے کو عید گہ میں سب عید کا دوگانہ

پڑھ کر نماز یہ سب باہم گلے ملیں گے
غنچے محبتوں کے ہر قلب میں کھلیں گے

آپس کے سارے جھگڑے یہ بھول جائیں گے اب
الفت کے پاک نغمے سب مل کے گائیں گے اب

نیّر کی یہ دُعا ہے، یہ عید ہو مبارک
عیش و طرب کے رُخ کی پھر دید ہو مبارک

محمد شفیع الدین صاحب نیّر

تیئسواں سالگرہ نمبر

آٹھ آنے

قیمت سالانہ ۸ عہ

فی پرچہ ۳ر

جلد ۲۲ : نمبر ۱۱ ۱۲۰

پرنٹر پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین ایم اے پی ایچ ڈی۔ محبوب المطابع پریس دہلی

ایڈیٹر:۔ محمد حسین حسان

پھرکی

برکت علی صاحب فسران

آؤ آؤ پھرکی بنائیں | اور ہوا میں خوب نچائیں
آؤ چلیں اور کاغذ لائیں | نیلا پیلا کاغذ لائیں
لالوُ، پیلا کاغذ لائے | کالوُ نیلا کاغذ لائے
لالوُ جاکر قینچی لائے | کالوُ جاکر لیئی لائے
لالوُ نے پھر کاغذ کاٹے | آڑے ترچھے ٹیڑھے بانکے
پھر ان سب ٹکڑوں کو موڑا | اور سب کو لیئی سے جوڑا
لواب وہ تیار ہے پھرکی | پیلی پیلی نیلی نیلی
ایسی پھرکی بنائی سب نے | پھلواری میں پھول ہوں جیسے
لالوُ نے لی پیلی پھرکی | کالو نے لی نیلی پھرکی
ایک بچی تھی پیلی پھرکی | وہ آکر راجوُ نے لے لی

لالوُ بھی خوش کالو بھی خوش
ننھے منے سے راجو بھی خوش

کوئی ایک مہینہ ہوا ایک پیامی نے مجھ سے کہا "سنا ہے اب کی تو آپ کا سال گرہ نمبر بہت شان دار نکل رہا ہے"۔ میں نے جواب دیا "بھائی کوشش تو ہم بھی کر رہے ہیں۔ مگر تمھیں معلوم ہے کاغذ اور دوسری چیزوں کے دام لڑائی کی وجہ سے کس قدر زیادہ ہو گئے ہیں اسی کی وجہ سے انگریزی اور اردو کے روزانہ پرچوں نے بھی چار چار صفحے کم کر دئے ہیں۔ پھر بھی ہم کوشش کریں گے کہ اس گرانی یا مہنگائی کا اثر پیام تعلیم پر نہ پڑے۔

اور ہم نے سچ مچ کوشش بھی کی مگر حالات نے ہمیں مجبور کر دیا۔ بہت سے اچھے اچھے مضمون ہمیں وقت کے وقت نکالنا پڑے اور بہت سی اچھی اچھی دلچسپ تصویریں پرچے میں شامل نہ ہو سکیں

ہمیں اپنے محترم بھائی جناب سید محمد صاحب ٹونکی۔ جناب سید محمد ادیا ما صاحب' جناب الیاس احمد صاحب مجیبی۔ جناب الطاف علی صاحب سے خاص طور پر شرمندگی ہے۔ ان سے ہم نے بہت اصرار کے ساتھ مضمون لکھائے تھے۔ یہ دلچسپ اور اچھے مضمون اگلے پرچوں میں چھپیں گے۔

موجودہ مضامین ہم نے بہت احتیاط سے منتخب کئے ہیں اور اس بات کا خیال رکھا ہے کہ کوئی مضمون ایسا نہ چھپنے پائے جو تمھارے لئے دل چسپ اور مفید نہ ہو۔ توڑے دار بندوق، ولیم ٹل کے ملک میں پہلا سبق، آنکھوں پر اعتبار اور اسی طرح کے دوسرے مضمون ہمیں امید ہے کہ تم بہت پسند کرو گے۔

اس سال پچھلے سال کے مقابلے میں پیام تعلیم

بچوں کے لئے اور بھی مفید اور دلچسپ بنانے کی کوشش کی گئی اور ہمیں خوشی ہے کہ بچوں نے بھی ہماری اس کوشش کو بہت پسند کیا۔ اگلے سال چند اور دلچسپ اور مفید چیزیں بڑھانے کا ارادہ ہے۔

ہمیں سب سے زیادہ دقت صفحوں کی کمی کے سبب پیش آتی ہے۔ پچھلے سال سے ہم نے ۸ صفحے بڑھائے ہیں موجودہ حالت میں ہم اس سے زیادہ بڑھا بھی نہیں سکتے۔ ہاں اگر پیامی خریدار بڑھانے کی کوشش کریں تو سب کچھ ممکن ہے

کیا پیامی اپنے پرچے کی ترقی کے لئے اسے اپنے ساتھیوں میں مقبول بنانے کی کوشش نہ کریں گے اپنا سال گرہ نمبر اپنے دوستوں اور ہم جولیوں کو دکھاؤ اور انھیں پیام تعلیم خریدنے پر مجبور کرو۔ اگر تم سب نے ایک ایک خریدار بھی بنادیا تو پھر دیکھنا تمھارا پرچہ کتنی ترقی کرتا ہے۔ اور کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے۔

پچھلے سال ہمیں اپنے محترم بھائی جناب سلطان عالم خاں صاحب چیرمین ایجوکیشن کمیٹی ڈسٹرکٹ بورڈ سے بہت مدد ملی آپ نے اپنے حکم سے کوئی دو تین سو پرچے ڈسٹرکٹ بورڈ فرخ آباد کے مدرسوں میں جاری کرائے ہیں۔ کیا اچھا ہو کہ ہمارے دوسرے بزرگ بھی اس مثال کی تقلید کریں۔

سال گرہ نمبر کا یہ پرچہ ہمیشہ کی طرح نومبر اور دسمبر کا یکجائی پرچہ ہے۔ اب اگلا پرچہ جنوری ۱۹۳۳ء میں شائع ہوگا۔ پیامی دسمبر میں پیام تعلیم کا انتظار نہ کریں۔

ستمبر کے پیام تعلیم میں ماسٹر کلورام کے عنوان سے ایک مضمون شائع ہوا ہے ہمیں وہم وگمان بھی نہ تھا کہ یہ کسی خاص شخصیت کے بارے میں لکھا گیا ہے مگر جناب رام رکش پال مصرا صاحب وکیل کی ایک اطلاع سے یہ معلوم کر کے بہت افسوس ہوا کہ ماسٹر کالورام صاحب فرخ آباد میں ڈرائنگ کے استاد ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ ماسٹر کالورام صاحب اور اُن کے صاحب زادے مسٹر رام رکش پال مصرا وکیل ہماری اس نادانستہ غلطی کو معاف کریں گے ہمیں پیام تعلیم میں مضمون لکھنے والے چھوٹے اور بڑے بھائیوں سے امید ہے کہ آیندہ وہ خاص احتیاط سے کام لیں گے اور ہمیں اس قسم کا کوئی مضمون نہ بھیجیں گے۔

غازی

محمد شفیع الدین صاحب نیّر

گھوڑے پہ ہی سوار عجب آن بان سے
پیدا شکوہ و شان ہی اس کے نشان سے

ٹوٹا ہوا ہی خود تو وردی پھٹی ہوئی
ہر شے ہی اس کی گرد سے ان کی اٹی ہوئی

کاندھے پہ تیز اَنی کا ہی نیزہ ٹِکا ہوا
بیٹھا ہی اپنے گھوڑے پہ کیسا ڈٹا ہوا

تلوار تیز پہلو میں ہی اک لٹک رہی
برچھی سی ہی جو چشم عدو میں کھٹک رہی

ظاہر ہی چال ڈھال اور رنگ ڈھنگ سے
ہی آرہا ابھی ابھی میدانِ جنگ سے

ہوتا عیاں ہی معرکہ سر کرکے آیا ہی
صف دشمنوں کی زیر و زبر کرکے آیا ہی

ہیں زخم بے شمار بدن چور چور ہی
فرطِ سرور سے مگر آنکھوں میں نور ہی

خوش ہی کسی پہ آپ یہ چڑھ کر نہیں گیا
حملہ ہوئے بغیر یہ بڑھ کر نہیں گیا

یہ سچ ہی خاک و خون میں کھیلا ہی جوش میں
اور دشمنوں کو خوب ہی ریلا ہی جوش میں

جم کر بہادری سے یہ کچھ اس طرح لڑا
بے ساختہ پکار اُٹھے دشمن بھی واہ وا

دنیا کو اپنی تیغ کے جوہر دکھا دیئے
اعدائے دیں کے جنگ میں چھکے چھڑا دیئے

لیکن کسی کا جنگ میں پیچھا نہیں کیا
مانی شکست جس نے اسے دکھ نہیں دیا

کچھ اِس طرح سے جنگ کا نقشہ جما دیا
کم عمر اور ضعیف کو زد سے بچا دیا

عورت پہ اس نے ہاتھ اُٹھایا نہیں کبھی
بچوں کو بھول کر بھی ڈرایا نہیں کبھی

آبادیوں کو اس نے مٹایا نہیں ذرا
با امن شہریوں کو ستایا نہیں ذرا

ظلم و ستم مٹانے کو تلوار اُٹھائی تھی
دنیا کے امن کے لئے تیغ آزمائی تھی

یہ آرزو تھی دین کا جھنڈا بلند ہو
دنیا میں اس کی قوم سدا ارجمند ہو

ارمان تھا کہ راہِ خدا میں شہید ہو
حق پر فدا ہو جان تو بس اس کی عید ہو

نے مال کے لئے تھی نہ تھی جاہ کے لئے
جنگ اس کی جنگ تھی فقط اللہ کے لئے

آ شیر مرد! تجھ کو گلے سے لگائیں ہم
آ تیری خاکِ پاک کا سرمہ بنائیں ہم

تو وہ ہے جس کی ذات پہ ہے حریت کو ناز
اسلامیت کو فخر ہے انسانیت کو ناز

نیرؔ کا قلب بھی اسی وقت شاد ہو
راہ خدا میں نوک قلم سے جہاد ہو

شام کا وقت (مرسلہ عطا محمد جامعہ)

عکس (مرسلہ حسن احمد قنوجی)

ریل کا پل

پہاڑی دریا پر پل (کشمیر)
(مرسلہ محمود احمد خان سیالکوٹ)

سید محمد رضا رضوی
جھانسی

(بائیں سے کھڑے ہوئے)
زبیدہ بیگم اور کشور آرا بیگم
(بیٹھی ہوئے)
راحت علی وجاہت علی
امتیاز علی

(دائیں طرف سے) ساجدہ انصاریہ (صدر)
عزیزہ انصاریہ (سیکرٹری)

محمد منصور رضا آگرہ

توڑے دار بندوق

سید ابوطاہر صاحب بی، ایس، سی، بی، ٹی

ہمارے مکان کی گھنٹی بجی اور گول کمرے میں نوکر نے ایسے شخص کے آنے کی اطلاع دی جو اپنا نام اور آنے کی غرض بتانا نہیں چاہتا تھا۔ عرشی بھائی نے سر ہلایا۔ نوکر نے چک ہٹائی اور ایک قوی ہیکل جوان کوٹ پتلون پہنے اندر داخل ہوا۔

"ہلو انسپکٹر مسٹر امیر عالم"

آنے والا شخص حیران کھڑا رہ گیا اور پھر مسکرا کر کہنے لگا "میں لاہور سے کل ہی آیا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ آپ نے مجھے اس سے پہلے کبھی دیکھا بھی نہیں۔"

"جی ہاں" عرشی بھائی نے قہقہہ لگایا" اور اب سے دو سال پہلے کلکتے میں، میرے اور نرنجن پال کے پیچھے کون ہاتھ دھو کر پڑا تھا۔"

"لیکن اس زمانے میں تو میں ایک بنگالی بابو کے بھیس میں تھا اور آپ کو سراغ رسانی سے دور کا واسطہ بھی نہ تھا۔"

"لیکن آپ اپنے ماتھے کا مسا نہ چھپا سکے تھے۔"

"اُسے میں نے سیندور سے چھپا لیا تھا۔"

"اور اتفاق سے آپ گرمی کے سبب اتنے بوکھلائے ہوئے تھے کہ رومال سے منہ پوچھتے وقت اُسے بھی صاف کر گئے تھے۔"

"بڑے ہوشیار ہو.........مگر یہ تو بتاؤ میرا نام کیسے معلوم ہوا۔"

"جی اس سے پہلے ایک کیس کے سلسلے میں آپ کی تصویر ہفتہ وار اجل میں شائع ہو چکی ہے اور اس کے نیچے آپ کا نام کنگلی حروف میں لکھا ہوا تھا"

"مگر اس میں مونچھیں تو تھیں نہیں۔"

"اور اس وقت بھی نہیں ہیں۔" عرشی بھائی نے انسپکٹر کو گھورتے ہوئے کہا۔

انسپکٹر نے خاموشی سے اپنی مونچھیں نکال کر اپنی جیب میں رکھ لیں اور جھینپ مٹانے کے لئے خوب قہقہے لگانے لگا۔

"آپ مرزا حکیم کے قتل کی تفتیش کرنے آئے

ہیں" عرشی بھائی نے مسکرا کر کہا۔
"آپ مجھے اپنی ذہانت سے ٹکڑے ٹکڑے
کئے ڈالتے ہیں۔"
"انسپکٹر! اس میں ذہانت کی کون سی بات
تھی۔ دہلی میں اس ہفتے کے اندر یہی سب سے مشہور
اور اہم واقعہ ہوا ہے۔ خیر آپ بیان تو کیجئے۔"
انسپکٹر نے گلا صاف کرتے ہوئے کہا "حکیم صاحب
۱۰ جون کو صبح کے وقت شکار کھیلنے گئے تھے اور
وہاں سے دو بجے واپس آکر اپنی محل سرا کے خاص
کمرے میں جو اوپر کی منزل پر تھا کوچ پر لیٹے آرام
کر رہے تھے کہ لوگوں نے بندوق چلنے کی آواز سنی
سب دوڑے ہوئے اندر آئے تو دیکھا کہ بندوق
زمین پر پڑی ہے اور حکیم صاحب اس کے قریب
اوندھے منہ پڑے ہوئے ہیں۔ سارا سینہ
چھرّوں سے لہولہان ہے......"
"میں ایک بات کہوں بھائی جان۔"
"ہاں"
"میری رائے میں انھوں نے خودکشی کی ہے"
میں نے ایک تجربے کار سراغ رساں کی طرح کہا
"بندوق سے خودکشی کرنا ذرا مشکل بات
ہے۔" انسپکٹر نے میری بات کا مذاق اڑاتے
ہوئے کہا۔
"ہاں خودکشی تو ہوسکتی ہے مگر اس طرح
گولی یا تو ٹھوڑی پر لگے گی یا کھوپڑی پر۔" عرشی
بھائی نے ذرا نرمی سے کہا۔
"اور حکیم صاحب خود بھی بندوق کے مقابلے
میں بہت چھوٹے تھے" انسپکٹر نے اب کی مرتبہ
ذرا مسکرا کر کہا۔
"خیر تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ قتل کئے
گئے" عرشی بھائی نے انسپکٹر کی طرف مخاطب ہو کر کہا
"اس میں کیا شک ہے۔"
"اور قاتل؟"
"بھائی صاحب۔"
"ان کو آپ جیل بھجوا چکے ہیں؟"
"جی ہاں"
"ثبوت؟"
"سنئے! حکیم صاحب کی پہلی بیوی مر چکی تھیں
انھوں نے کوئی اولاد بھی نہیں چھوڑی حکیم صاحب
نے ابھی تین چار سال ہوئے ایک عیسائی استانی
سے نکاح کیا۔ لیکن اُن کے بھائی یہ چاہتے تھے کہ
حکیم صاحب اس کو طلاق دے دیں تاکہ وہ خود اس
سے نکاح کر لیں اس بات پر کبھی کبھی آپس میں لڑائی
بھی ہو جاتی تھی اس لئے اس کا قطعی امکان ہے کہ
انھوں نے حکیم صاحب پر گولی چلا دی ہو۔ اور سب
سے بڑی بات یہ ہے کہ جس وقت یہ واقعہ ہوا ہے
اس وقت وہ حکیم صاحب کے پاس ہی کے کمرے میں

سو رہے تھے۔"

"یعنی وہ سو بھی رہے تھے اور اسی حالت میں بندوق بھی چلا رہے تھے۔"

"نہیں صاحب کھلا ہوا بہانہ ہے۔ دنیا کا خون سفید ہو گیا ہے۔"

"یہ باتیں آپ کو کس طرح معلوم ہوئیں۔"

"حکیم صاحب کے گھر والوں سے۔"

"اور اُن کے گھر میں ہے کون کون۔"

"حکیم صاحب کی عیسائی بیوی، گھر کی مامائیں اور نوکر۔"

"یعنی اس کے یہ معنی ہیں کہ حکیم صاحب کی بیوی خود اپنے دیور کے خلاف ہیں..........

آخر کیوں؟"

"اس لئے کہ وہ اچھے آدمی نہیں"

"نہیں بلکہ اس لئے کہ.......... اس لئے کہ.........." عرشی بھائی کہتے کہتے رک گئے پھر چیخ کر بولے "انسپکٹر! آپ اتنا نہیں سمجھ سکتے کہ ایک بی اے پاس نوجوان خود اپنے بھائی کو اتنی بے وقوفی سے قتل کرے گا.........." عرشی بھائی دونوں ہاتھ پیچھے باندھ کر ٹہلنے لگے اور پھر انسپکٹر کی طرف رُخ کر کے بولے "مسٹر آپ دوسرے بے گناہ کے خون میں ہاتھ رنگ رہے ہیں..."

"تو آپ ہی بتائیے قاتل کون ہے؟"

"چلئے"

دو دن تک عرشی بھائی گھر سے غائب رہے تیسرے روز دیکھتا کیا ہوں کہ بہت خوش خوش چلے آ رہے ہیں۔ غلاف میں ایک بندوق لئے ہوئے اور جیبوں میں کچھ چیزیں بھرے ہوئے۔

میں نے کہا "کہئے بھائی جان شیر یا بھیڑ"

"شیر" میرے سر پر ایک ٹیپ جماتے ہوئے کہا۔

"سچ! آپ نے پتہ لگا لیا؟"

"کبھی کا۔ ایک نے سائنس کی مدد سے ایک بے گناہ کو قتل کیا اور دوسرے نے سائنس کی مدد سے ایک بے گناہ کو پھانسی کے تختے سے ہٹا کر ایک گناہ گار کو اس کی جگہ لا کر کھڑا کر دیا۔"

"میں عرشی بھائی سے دوڑ کر لپٹ گیا۔"

"اچھا تم بتاؤ قاتل کون ہے۔"

"استانی"

"اونہو نہ وہ تو اتنی کم زور اور نازک ہے کہ بندوق چھوڑنا تو کجا اُٹھا بھی نہیں سکتی۔" پھر انھوں نے بندوق غلاف میں سے نکال کر میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا

"دیکھو کتنی بھاری بندوق ہے۔"

"اوہو۔ اس پر تو شہنشاہ فرخ سیر کی مہر بھی ہے۔"

"ہاں حکیم صاحب کے بزرگوں کو انعام میں ملی تھی"

"لیکن یہ تو عجائب خانے کے لئے ہے۔ شکاری کے لئے نہیں"

"ہاں حکیم صاحب بھی اپنی وضع کے ایک ہی تھے۔ ہر ساتویں آٹھویں روز شکار کو ضرور جاتے تھے۔ لیکن لاتے کچھ بھی نہیں تھے۔ کیونکہ جب تک بندوق میں چھرا بھرو، بارود ڈالو اور گز کے ذریعے روئی ٹھونسو، اس وقت تک کوئی جانور انتظار نہیں کر سکتا۔ اس کے علاوہ وہ خود بھی شکار کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ البتہ گھوڑے پر بیٹھ کر اپنے بزرگوں کی بہادری کی نشانی اپنے ہاتھ میں لے کر وہ خود کو مغل سردار سمجھنے لگتے تھے"

"تو اس روز بھی وہ خالی ہاتھ آئے ہوں گے"

"ہاں ہاتھ خالی تھے مگر بندوق بھری ہوئی تھی۔ اسی طرح وہ اپنے کمرے میں داخل ہوئے"

"اور بندوق خالی کرنے لگے"

"توڑے دار بندوق صرف فیر کرنے سے خالی ہوتی ہے اور چونکہ وہ تھک گئے تھے۔ گرمی بھی بہت تھی۔ منہ میں روزہ بھی تھا، اس لئے انھوں نے بندوق شاید بیچ کی گول میز پر رکھ دی ہوگی"

"انھیں خیال نہیں آیا کہ کہیں گھوڑا نہ گر جائے"

"گھوڑا گرا ہوا تھا۔ گرا ہوا نہ بھی ہوتا تب بھی اس کے لئے ٹوپی کی ضرورت ہوتی ہے۔ تجربے کار شکاری اپنی بندوق بھری رکھتے ہیں لیکن اس پر ٹوپی اسی وقت چڑھاتے ہیں جب انھیں فیر کرنا ہوتا ہے"

"اچھا پھر کیا ہوا"

"ہاں! تو بندوق رکھنے کے بعد انھوں نے اپنے کمرے کی کھڑکیاں کھولی ہوں گی اور شکاری کوٹ اُتار کر یونہی کوچ پر دراز ہو گئے ہوں گے۔

اب تم بتا سکتے ہو کہ اس کے بعد کیا ہوا؟"

"بندوق چھوٹ گئی"

"کیسے"

"یہی تو معلوم نہیں"

"اچھا بتاؤ بندوق چھوٹتی کس طرح ہے"

"ہم لبلبی دباتے ہیں۔ گھوڑا کیپ پر ضرب مارتا ہے۔ کیپ چھروں اور بارود سے ٹکراتی ہے۔ اس ٹکر سے حرارت پیدا ہو جاتی ہے۔ بارود آگ پکڑ لیتی ہے بارود کا شورہ آکسیجن دیتا ہے۔ گندھک جلنے لگتی ہے گیسیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ وہ پھیلتی ہیں اور زور کے دھکے سے اپنے ساتھ چھروں کو لئے ہوئے نال کے اندر سے نکل جاتی ہیں......"

"شاباش! اب بتاؤ بندوق کی لبلبی کس نے دبائی ہوگی"

" استانی نے "

" شی۔ تم استانی کے دشمن کیوں ہو گئے کیا بغیر لبلبی دبائے بندوق نہیں چھوٹ سکتی ؟"

" میگزین کو گرم کیا جائے تو........."

" بھئی خدا کی قسم تو بڑا عقل مند ہے۔ اچھا بتا میگزین کس طرح گرم ہوا"

" استانی نے اس پر آگ رکھ دی ہو گی۔"

میں نے سر کھجاتے ہوئے کہا

" کیا خوب! استانی تمھاری طرح بے وقوف نہیں ہے۔"

" اچھا ٹھہرئے۔ دس جون کو۔ دہلی کی گرمی میں دن کے ایک بجے ٹھیک دوپہری میں سورج کی کرنیں حکیم صاحب کے کمرے میں آ رہی تھیں

" کدھر سے "

" مغرب کی طرف کی کھڑکی سے "

" پھر "

" میگزین گرم ہو گیا "

" میگڈین گلم ہو ڈیا " عرشی بھائی میرا منہ چڑھانے لگے۔

" سچ بھائی جان ایسی دوپہری میں میری سائیکل کے ٹیوب جو پھٹ چکے ہیں "

" جناب! وہ کول تار کی سڑک پر پھٹ جاتے ہیں کیونکہ اس میں خاصیت ہے کہ وہ سورج کی کرنوں کو جذب کرکے خوب گرم ہو جاتا ہے۔"

" تو یہاں ایسی کون سی چیز تھی جس نے سورج کی کرنوں کو جذب کر لیا۔"

" یہی تو پوچھ رہا ہوں........"

" مجھے نہیں معلوم "

عرشی بھائی نے اپنی جیب سے ایک آتشی شیشہ نکالا جو بیچ میں سے موٹا تھا۔ اور کناروں پر سے پتلا۔

میں اچھل کر کھڑا ہو گیا مگر عرشی بھائی نے کان پکڑ کر بٹھا دیا۔ میں نے کہا " بھائی جان اپنی اس سے کاغذ اور کپڑے جلا چکا ہوں۔ پرسوں ہی میں نے ثریا کے بال جلا دئے تھے۔ اور اس پر اماں کے ہاتھ سے پٹا بھی خوب تھا " عرشی بھائی نے جھنجلا کر میرے ایک چپت رسید کی اور پھر کہنے لگے " بتاؤ اس کے ذریعے چیزیں کیوں کر جل جاتی ہیں۔"

میں نے ہار مان لی تو انھوں نے یہ شکل بنائی۔

کہنے لگے " دیکھو سورج کی کرنیں اس شیشے میں داخل ہونے کے بعد مڑنا شروع کرتی ہیں۔ یہاں تک کہ تھوڑی دور جاکر سب ایک نقطے پر جمع ہو جاتی ہیں۔ یہی نقطہ اس شیشے

کا فوکس کہلاتا ہے۔ چونکہ اتنی ذرا سی جگہ پر اتنی کرنوں کا جماؤ ہوتا ہے اسی وجہ سے اس مقام پر سورج کا چھوٹا سا گول عکس اتر آتا ہے اور چیزیں جلنے لگتی ہیں۔ اب کہو میگزین کس طرح گرم ہوا"

" استانی نے ایسا شیشہ لے کر....."

" ہاں وہ دو گھنٹے تک اس شیشے کو لئے ہوئے کھڑی رہی تاکہ حکیم صاحب جاگ اٹھیں اور

" ارے اب میں سمجھ گیا"

" ہاں اس نے وہ حوض اٹھا کر گول میز پر رکھ دیا"

" یہ حوض گول شیشے کا کام کرنے لگا"

" پھر بندوق کو ذرا سرکا کر اس طرح رکھ دیا کہ اس کی نال کا رخ حکیم صاحب کے سینے کی طرف ہو گیا اور اس کا میگزین حوض کے ٹھیک فوکس پر آ گیا"

اسے یہ حرکت کرتے دیکھ کر پولیس کے حوالے کر دیں...... بھائی وہ واقعی استانی تھی اور شادی سے پہلے لڑکیوں کو سائنس پڑھایا کرتی تھی"

میں نے سر ہلایا

"حکیم صاحب کے کمرے میں شیشے کی ایک بڑی سی ہانڈی رکھی تھی۔ جس کے اندر سرخ سبز مچھلیاں تیر رہی تھیں......"

میں نے ایک جھرجھری لی پھر چونکتے ہوئے کہا "ممکن ہے وہ حوض وہیں رکھا جاتا ہو"

"نہیں وہ ہمیشہ کمرے میں کونے کی میز پر رکھا رہتا تھا اسی روز وہ بیچ کی میز پر رکھا گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے اندر کی تمام مچھلیاں پک مر گئیں۔

" اس کا کیا ثبوت کہ یہ کام استانی ہی نے کیا حکیم صاحب کے بھائی بھی ایسا کر سکتے تھے

کیونکہ وہ بھی بی اے پاس ہیں"
"میاں صاحب زادے سائنس سمجھ لینا ہر
بی اے پاس کا کام نہیں ہے۔ اس کے علاوہ
ہانڈی کی سطح پر استانی کی انگلیوں کے تازہ
نشان موجود تھے ان کا فوٹو لے کر اس بات کا

بعد اور حکیم صاحب زخمی ہونے کے بعد"
"تو بھائی جان اب استانی کو پھانسی....؟"
میرا دل دھڑک رہا تھا۔
"ہاں"
میں اپنے دل میں کہہ رہا تھا کہ بڑا ہو کر میں

پورا ثبوت دے دیا گیا"
میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔
"کچھ اور پوچھنا ہے"
"حکیم صاحب اور بندوق زمین پر کیسے آرہے؟"
"دونوں اچھل پڑے، بندوق چھوٹنے کے

سائنس پڑھانے والی استانی سے کبھی۔۔۔۔۔" کیا
سوچ رہے ہو"
عرشی بھائی نے مجھے چونکا دیا۔
"یہی کہ اگر یہ قصہ پیام تعلیم کے سال گرہ نمبر
میں بھیج دیا جائے"
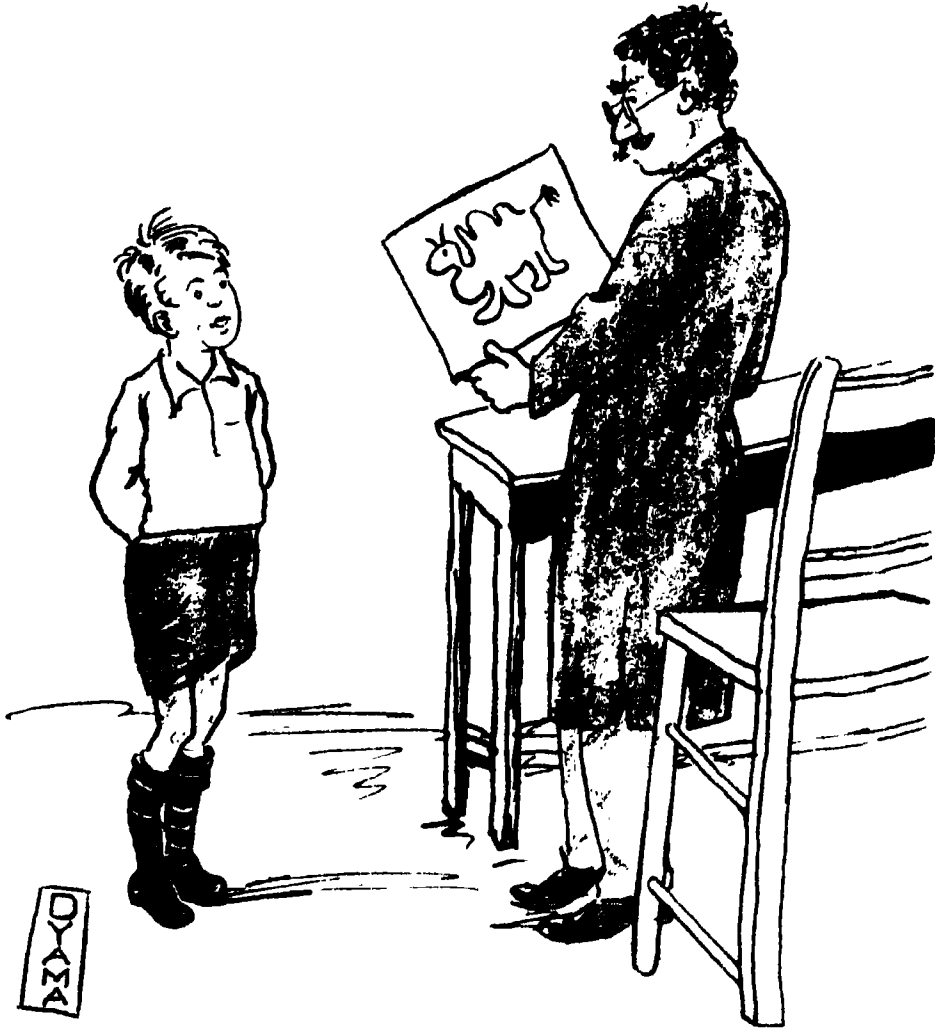
جی ہاں ماٹ صب! یہ تصویر بغیر دیکھے بنائی ہے۔ نقل نہیں ہے!

صاحب ... بی ایس سی - لندن

کہو یارو! آپ بیتی سنائیں یا جگ بیتی؟

آپ بیتی؟

اچھا صاحب آپ بیتی ہی سہی...... سنو

کچھ دنوں کی بات ہے کہ لندن میں ایک دن بیٹھے بیٹھے خیال آیا کہ چلو ذرا سوئٹسان یعنی سوئٹزرلینڈ کی سیر کی جائے......

اب میں تمھیں کیا بتاؤں کہ سوئٹسان کیسا ملک ہے۔ بس یہ سمجھ لو کہ معلوم ہوتا ہے اللہ میاں نے خاص اپنے ہاتھ سے اس ملک کو بنایا ہے۔ جدھر دیکھو اونچے اونچے پہاڑ برف سے ڈھکے سفید ٹوپی پہنے کھڑے ہیں۔ پہاڑوں کی چوٹیاں اور بہت دور نیچے برف کی حد تک درختوں کا نام و نشان نہیں ہے۔ برف کے ختم ہوتے ہی سبزی شروع ہوتی ہے۔ اور پہاڑ خوب صورت درختوں سے ڈھکے ہوئے ہوتے ہیں جن میں سرو، صنوبر، چیڑ، چنار، شمشاد سبھی کچھ ہوں گے۔ لیکن صنوبر کی تعداد زیادہ نظر آتی ہے۔ پھر وادیوں میں نہایت خوب صورت جھیلیں ہیں۔ ان کا رنگ کہیں پر فیروزی، کہیں پر گہرا نیلا ہے۔ اور پانی ایسا شفاف کہ تہ تک کی چیز صاف نظر آتی ہے۔ جھیلوں کے کنارے، وادیوں میں پہاڑوں پر صاف ستھرے اور خوب صورت گاؤں آباد ہیں۔ ہر گاؤں میں چھوٹے چھوٹے ہوٹل اور رہنے کی جگہیں ہیں۔ ان بستیوں کی گلیوں اور سڑکوں کو دیکھو تو ایسی صاف ستھری کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ہر وقت جھاڑو دی جاتی ہے۔ مکانات اُجلے اُجلے اور گرد و غبار سے بالکل پاک و صاف ہیں۔ سارے ملک میں نہایت نفیس سڑکوں کا جال پھیلا ہوا ہے اور ریلیں ہر مقام پر موجود ہیں یہ ریل گاڑیاں بجلی سے چلتی ہیں۔ ان میں بیٹھنے والوں کے کپڑے، کوئلے کے دھوئیں سے اور اُن کی آنکھیں کوئلوں کے ریزوں سے خراب نہیں ہوتیں۔ سوئٹسان میں بجلی آبشاروں سے بنائی جاتی ہے اور اس وجہ سے بہت سستی بنتی اور ملتی ہے اور ہر کام میں لائی جاتی ہے۔ سارے ملک میں جدھر دیکھو صفائی اور

جدھر دیکھو ستھرائی ہے۔ جب ہی تو تمام دنیا کے لوگ یہاں سیر و تفریح کے لئے آتے ہیں۔

توبہ! میں کہاں سے کہاں نکل گیا۔ کہہ یہ رہا تھا کہ سوئٹزرلینڈ جانے کا خیال پیدا ہوا۔ خیال پیدا ہونا تھا کہ بوریا بستر اُٹھا، لندن سے نیوہے ون،

آج تو صرف ایک دو دن کے واقعات سن لو۔ لوسرن ایک نہایت خوب صورت شہر ہے اور جھیل لوسرن کے مغربی کنارے پر آباد ہے۔ جھیل کے کنارے کنارے نہایت نفیس ہوٹل بنے ہوئے ہیں اور ہوٹلوں کے سامنے نہایت

جنیوا کی جھیل کا ایک حصہ

نیوہے ون سے جہاز پر ڈی اپ، ڈی اپ سے ریل پر پیرس اور پھر پیرس سے جو ریل پر بیٹھے تو سوئٹزرلینڈ کے مشہور شہر لوسرن جا کر دم لیا۔

وہاں کیا سُنا اور کیا دیکھا اس کی داستان لانبی ہے۔ تم سنتے سنتے تھک جاؤ گے۔ اس لئے
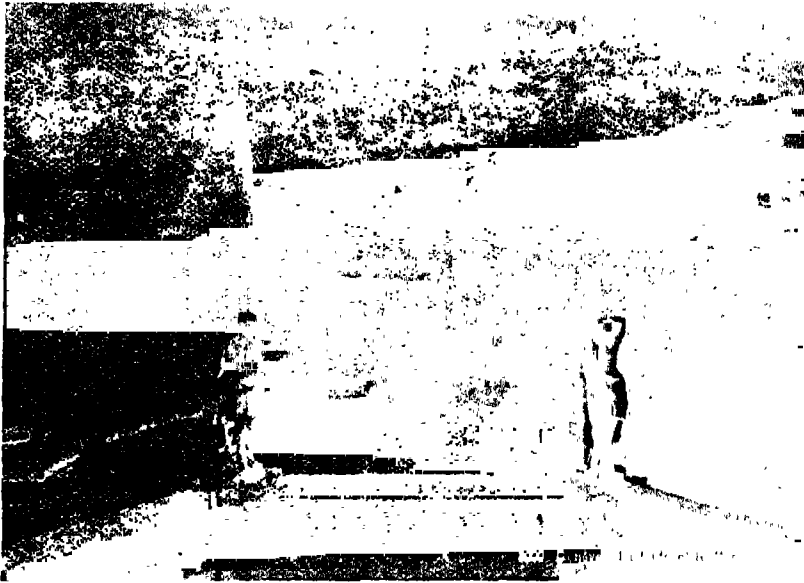
خوب صورت باغیچے لگے ہوئے ہیں جن میں ہر وقت اور خاص کر شام کے وقت با جا بجتا رہتا ہے اور لوگ چاء شربت پیتے رہتے ہیں۔

یہاں پر بیٹھ کر جھیل کا منظر کیسا معلوم ہوتا ہے؟ پوچھو مت بس دیکھنے کی چیز ہے۔ جی

ہیں آیا کہ 'یامولا' کا نعرہ ماروں اور انھی ہوٹلوں میں سے کسی ایک میں جم جاؤں ، اور اس طرف دو قدم بڑھائے بھی تھے کہ معاً جیب کا خیال آگیا بس سارا نشہ ہرن ہوگیا۔ اور مجبوراً ایک سستے ہوٹل کی طرف رُخ کیا۔ یہ بے چارا ہوٹل جھیل کے جنوبی سمت ایک دو مکانات کے پیچھے تھا۔

ہم نے اپنے آپ کو دلاسا دیا کہ کیا غم ہے اگر ہوٹل سے جھیل ہماری نگاہ کے سامنے نہیں آتی تو کیا ہوا! ہم خود اس کے کنارے جا کر اپنے آپ کو سامنے کریں گے۔

شام ہوگئی ۔ تمام شہر بقعۂ نور بن گیا۔ چاروں طرف پہاڑ جگ مگ جگ مگ کرنے لگے ۔ ان پر ہر طرف اونچی اونچی جگھوں پر ہوٹل کلب اور صحت گاہیں بنی ہوئی ہیں۔ ان کی روشنیاں چراغاں کا لطف دے رہی تھیں۔ میں کپڑے بدل جھیل کے کنارے پہنچ گیا......... او ہو ہو ہو! کیا سماں ہے۔ جھیل کے کنارے کنارے بجلی کے ہزاروں رنگین قمقمے لگے ہوئے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے تفریحی جہاز رنگ برنگی روشنی سے منور آہستہ آہستہ چل رہے ہیں۔ ان پر باجا بج رہا ہے گانا ہو رہا ہے۔ چھوٹے چھوٹے موٹر بوٹ پانی کو روئی کی طرح دھنتے ہوئے، غنغناتے ہوئے، ڈگمگاتے ہوئے تیر کی طرح نکلے چلے جارہے ہیں۔ ان پر بیٹھے ہوئے مرد قہقہہ لگا رہے ہیں اور عورتیں ڈر کے مارے چیخ رہی ہیں۔ پانی کے کنارے کنارے رنگین فوارے اُڑ رہے ہیں۔ ہر ملک اور ہر رنگ کے لوگ چہل قدمی اور گپ بازی میں مشغول ہیں۔ جہاں جہاں پانی ساکن ہے وہاں اوپر کی روشنی نیچے منعکس ہو کر جھلک رہی ہے۔ اوپر بھی چراغاں ہے نیچے بھی چراغاں ہے۔ بس کچھ نہ پوچھو، دل لوٹ پوٹ ہوگیا۔ افسوس میں شاعر نہ ہوا۔

جھیل کے اس پار بھی آبادی ہے اور اُس پار بھی آبادی۔ جہاں پر اس کی چوڑائی کم ہے ایک پل بنا ہوا ہے۔ یہی پل ان دونوں آبادیوں کو ملاتا ہے۔ میں پل سے گذر کر شہر کے شمالی حصے میں پہنچا اور کچھ چہل قدمی کر کے جھیل کے کنارے ایک بنچ پر بیٹھ گیا۔ اور بہت دیر تک اس منظر کا لطف اُٹھاتا رہا۔ پھر ایک چکر کاٹ کر اپنے ہوٹل میں واپس پہنچا اور ہوٹل کے منیجر سے میں نے کہا "دیکھو ہم اس پاس کے مقامات کی سیر کرنا چاہتے ہیں۔ ذرا کوک کمپنی کو اطلاع کر دو کہ وہ اپنی موٹر صبح سویرے بھیج دے" اس کے بعد کھانا کھا کر میں سو گیا۔

صبح ابھی ٹھیک سے منہ ہاتھ بھی نہ دھونے پایا تھا کہ موٹر کے ہارن کی آواز آئی۔ میں نے جلدی سے کپڑے پہنے اور ناشتہ کھا کر تیار ہوگیا۔ ہوٹل کے منیجر نے دن کے کھانے کا لفافہ ساتھ کر دیا۔

تم کہوگے کہ کھانے کے لفافے کے کیا معنی - بات یہ
ہے کہ اس میں خشک چیزیں مثلاً کچھ اُبلے ہوئے انڈے
کچھ سینڈوچ اور اسی قسم کی چیزیں تھیں۔

سوئستان کی ایک سڑک

باہر دیکھتے ہیں کہ ایک کھلی موٹر جس میں دس،
پندرہ آدمی آرام سے بیٹھ سکتے ہیں کھڑی ہوئی ہے
موٹر کے ڈرائیور کے ساتھ ایک رہبر بھی تھا۔ جس کا
کام تھا کہ مختلف مقامات کی سیر کرائے اور اُن کے حالات
ہمیں بتلائے۔ رہبر نے مسکرا کر مجھے سلام کیا اور آگے
بیٹھنے کو کہا۔ میں بیٹھ گیا لیکن تعجب ہوا کہ تین، چار
آدمیوں کے لئے ایسی بڑی موٹر کس واسطے آئی۔ تھوڑی
دیر میں اس کا سبب بھی معلوم ہوگیا کیونکہ موٹر ہمارے
ہوٹل سے نکل کر دوسرے ہوٹلوں میں پہنچی اور ایک
دو اشخاص ہر جگہ سے سوار ہوئے۔ مجھے خوشی ہوئی کہ وقت
پر اطلاع کرنے کا نتیجہ ہوا کہ اچھی جگہ ملی ورنہ سب کے
پیچھے بیٹھنے کو جگہ ملتی۔

اسی طرح مختلف نسل اور اقوام کا یہ مختصر قافلہ
ولیم ٹل کے ملک کی سیر کو چلا۔

ولیم ٹل کو نہیں جانتے؟

بھئی واہ! اس کا ذکر تو تم نے اکثر سنا ہوگا۔
اس کے قصے بچوں کے لئے اور بوڑھوں کے لئے
لکھے گئے۔ اس کا افسانہ تیار ہوا۔ اس کا ڈراما تیار
ہوا۔ کون سی ایسی زبان ہے جس میں ولیم ٹل کے واقعات
نہ لکھے گئے ہوں گے۔

ہاں تو یہ کیوں نہ کہو کہ تم میں سے اکثر جانتے
ہیں۔ لیکن بہت سے ایسے بھی ہیں جو نہیں جانتے۔

اچھا بھائی انھی کی خاطر سہی، دو، چار جملوں
میں ولیم ٹل کا ذکر کر دیتا ہوں۔ تفصیل سے پھر کبھی
پڑھ لینا۔

آج سے تقریباً سات سو سال پہلے یعنی
تیرھویں صدی میں سوئستان کا ملک بڑی مصیبت
میں تھا۔ اس کی آزادی چھن گئی تھی، اس پر آسٹریا
والوں نے قبضہ کر رکھا تھا۔ اور جس طرح بہت سی
حاکم قوموں کا قاعدہ ہے آسٹریا والے سوئستان والوں

کو محکوم سمجھ کر بہت ستاتے تھے، اُن کی بڑی بے عزتی کرتے تھے۔ یہ بے چارے غم و غصہ سہتے مگر کچھ نہ کہہ سکتے تھے۔ اندر اندر آگ کی طرح جلتے لیکن اتنی طاقت نہ تھی کہ ظالموں کو مار بھگائیں

اس زمانے میں آسٹریا کے ڈیوک نے ایک شخص گیسلر نامی کو سوئٹسرلینڈ کے اس علاقے یعنی جھیل لوسرن کے اطراف کے ملک کا والی (گورنر) بنا کر بھیجا۔ یہ گیسلر بڑا ہی بے رحم ظالم اور خونی تھا۔ ہزاروں سوئس لوگوں کو اس نے قید کر دیا۔ سینکڑوں کی اس نے گردنیں کٹوا دیں۔ اور لوگوں کو ذلیل کرنے کے لئے یہ ترکیب نکالی کہ قصبہ الٹ ڈورف کے چوراہے پر ایک کھمبے پر اپنی ٹوپی لگوا دی، جو کوئی اس ٹوپی کے سامنے نہ جھکتا اس کو موت کی سزا دی جاتی۔ غرض یہ کہ ظلم و زیادتی کے اس نے عجیب عجیب طریقے نکال رکھے تھے، مگر کب تک؟ ......

کہتے ہیں کہ الٹ ڈورف کے قریب ہی ایک گاؤں میں ایک بڑا بہادر شخص رہتا تھا۔ اس کا نام ولیم ٹل تھا۔ ولیم ٹل بڑا جی دار اور بے خوف انسان تھا۔ اس کے تیر کا نشانہ بے خطا سمجھا جاتا تھا اور ایسا استاد کشتی کھینے والا تھا کہ وہ جھیل میں طوفان کی بھی پروا نہ کرتا تھا۔ وہ بڑا محب وطن تھا۔ ہر وقت اپنے دیس کی آزادی کے خواب دیکھا کرتا تھا۔

ولیم ٹل کا ایک لڑکا تھا جس کو وہ بہت پیار کرتا تھا اور بے حد چاہتا تھا۔ ایک دن اسی بچے کو لے کر الٹ ڈورف پہنچا اور چوک پر سے گذر ہی رہا تھا کہ ایک سپاہی نے اس کو پکڑ لیا اور کہنے لگا "چونکہ تم اس ٹوپی کے سامنے نہیں جھکے اس لئے موت کی سزا دی جائے گی" ......

ولیم ٹل نے ایک بے جان چیز اور غلامی کے نشان کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیا۔ یہ جھگڑا ہو ہی رہا تھا کہ گیسلر بھی پہنچ گیا اور کہنے لگا "تو باغی ہے میں تجھے موت کی سزا دوں گا" ...... اتنے میں ولیم ٹل کا بچہ "ابا، ابا" کرتا اس کے قریب آیا۔ گیسلر تو مجسم شیطان تھا۔ بچے کو دیکھ کر کہنے لگا "اس لڑکے کو درخت سے باندھ دو"

ٹل یہ دیکھ کر پریشان ہوا کہنے لگا "دیکھو! اس بچے کو نہ ستاؤ یہ میرا سب سے بڑا لڑکا ہے" گیسلر نے کہا "اس بچے کے سر پر ایک سیب رکھ دو" اور پھر ٹل سے کہنے لگا "اگر جان کی امان چاہتا ہے تو تیر مار کر سیب کے دو ٹکڑے کر ڈال۔ اگر سیب نہیں کٹا یا بچہ مر گیا تو تجھے مار ڈالوں گا"

ولیم ٹل بہت گھبرایا، کہنے لگا "ظالم کیا تیرے سینے میں دل نہیں ہے۔ کیا میں اپنی جان کے لئے اپنے بچے کی جان خطرے میں ڈالوں گا؟" گیسلر تو چھٹا ہوا بدمعاش تھا کہنے لگا "اچھا تو میں پہلے تیرے بیٹے کو تیری آنکھوں کے سامنے ذبح کر دوں گا پھر تیری

جان لوں گا......... تو تو بڑا نشانہ باز کہلاتا ہے۔
اب کیا ہوگیا؟"
مجبور ہوکر ٹل نے دو تیر اُٹھائے۔ ایک کمر میں رکھا، دوسرا کمان پر چڑھایا۔ خدا سے دعا کی اور ایسا نشانہ لگایا کہ سیب دو ٹکڑے ہوکر گرگیا اور بچے کا

الٹ ڈورف میں ولیم ٹل کا مجسمہ۔ اسی جگہ پر تیر والا واقعہ ہوا تھا۔

بال بھی بیکا نہ ہوا۔ گیسلر کھسیانا سا ہوگیا۔ لوگ دنگ رہ گئے۔ پھر گیسلر نے پوچھا "اور یہ دوسرا تیر کس لئے تھا؟"
ولیم ٹل نے بے خوف انداز سے جواب دیا "اگر میرے بچے کی جان جاتی تو دوسرا تیر تیرے سینے کے پار ہوجاتا۔"
گیسلر غصے سے بھوت ہوگیا۔ لیکن کرتا کیا۔ سارے مجمع کے سامنے جان کی امان دے چکا تھا۔ دانت پیس کر کہنے لگا "اچھا تو میری جان حلقے میں ہی خیر میں تجھے قتل نہیں کروں گا لیکن تمام عمر اپنے قلعے میں بند رکھوں گا۔ پھر دیکھتا ہوں تیرا تیر مجھے کس طرح چھوتا ہے۔"
سپاہیوں نے ٹل کو گرفتار کرلیا اور لے جاکر گیسلر کے جہاز پر ڈال دیا۔ ابھی جہاز پر سوار ہوکر گیسلر تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ جھیل میں بڑے زور کا طوفان آیا۔ بڑا ہی خوفناک طوفان تھا۔ ملاحوں نے بڑی کوشش کی مگر جہاز کسی کے سنبھالے نہ سنبھلتا تھا۔ ظالم کو دوسرے کی جان کی پروا نہیں ہوتی۔ مگر اپنی جان بہت پیاری ہوتی ہے۔ گیسلر مارے خوف کے بے حال ہوگیا اور گھبرا کر ولیم ٹل کو باہر نکلوایا۔ اس کی ملاحی کی تعریف سن چکا تھا — جہاز کو سنبھالنے کا حکم دیا۔
ٹل تو ایسے کتنے ہی طوفان دیکھے ہوئے تھا۔ فوراً جہاز کو راہ پر لے آیا اور اس کے رُخ کو دوسرے کنارے کی طرف پھیر دیا۔ اس وقت اس کے دماغ میں اپنی آزادی اور ملک کی آزادی کا خیال چکر لگا رہا تھا۔ تھوڑی دیر میں جہاز کو وہ ایک چٹان کے قریب لے آیا اور خود ایک چھلانگ میں چٹان کے اوپر۔ لوگ جب تک ہوشیار ہوں اور جہاز ٹکرانے سے بچائیں وہ

بندر کی طرح تیزی سے پہاڑ پر چڑھ کر چھپ گیا۔
اس کے لئے یہ دن رات کا کھیل تھا۔ وہ تاک کر ایسی جگہ چھپا تھا کہ گیسلر کو، اگر بچ گیا، تو اسی راستے سے گذرنا پڑتا۔ اس نے تیر کو کمان پر چڑھا لیا اور دھڑکتے ہوئے دل سے انتظار کرنے لگا۔

تھوڑی دیر میں کچھ لوگوں کے آنے کی آہٹ معلوم ہوئی۔ ٹل اور بھی چھپ کر بیٹھ گیا۔ گیسلر مع اپنے ساتھیوں کے آ رہا تھا اور کہہ رہا تھا "اگر میں زندہ بچ گیا اور الٹ ڈورف واپس پہنچا تو قسم کھاتا ہوں کہ اس باغی کے سارے خاندان کا خاتمہ کر دوں گا۔ ٹل اس کی بیوی اور بچوں کو ایک ساتھ ہی قتل کروں گا۔"

ٹل نے اپنے جی میں کہا تو کبھی واپس نہ جائے گا اور ایسا تیر مارا کہ گیسلر وہیں گر کر مر گیا............ اس طرح سوئٹسان نے ایک بڑے ظالم سے نجات پائی۔ ولیم ٹل اس کے بعد باغیوں سے جا ملا۔ لوگوں کو ابھارتا رہا اور مضبوط بناتا رہا۔ آخر کار ان سب بہادروں نے مل کر آسٹریا والوں کو مار بھگایا اور ملک آزاد ہو گیا

تو صاحب یہ ہے ولیم ٹل کا قصہ۔ اب یہ تاریخی حیثیت سے کہاں تک صحیح ہے، اس کا بتانا بہت مشکل ہے لیکن یہ قصہ سوئٹسان والوں کے بچے بچے کی زبان پر ہے اور ولیم ٹل ان کا قومی ہیرو ہے۔ ہر جگہ اس کے یادگار مجسمے بنے ہوئے ہیں اور ہر جگہ اس کے ترانے گائے جاتے ہیں۔

ولیم ٹل کی کہانی سن چکے اب میری سنو کہ موٹر شہر کے شمالی طرف سے باہر نکلی اور جھیل کے کنارے کنارے مشرق کی سمت چلی۔ تھوڑی دور گئے تھے کہ

ایک خوب صورت وادی

ایک چھوٹی سی عمارت نظر آئی۔ موٹر رک گئی۔ رہبر نے کہا اس جگہ ولیم ٹل نے گیسلر کا خاتمہ کیا تھا...... اتر کر دیکھا تو واقعی اس واقعہ کو عمارت کی دیوار پر ایک نفیس تصویر کے ذریعے ظاہر کیا گیا تھا۔ گیسلر تیر کھا کر گر رہا ہے اور ولیم ٹل کمان لئے کھڑا ہے۔

اسی طرح ہم چلتے چلتے زوگ نامی جھیل کے کنارے پہنچے۔ تھوڑی دیر اس کے کنارے کنارے چلے پھر جنوب کی جانب مڑے اور پھر جھیل لوسرن کے کنارے پہنچ گئے۔ یہاں پر جھیل دکھن کی طرف مڑ گئی ہے۔ اور منظر بے حد خوب صورت ہے یہاں

سڑک کے کنارے صنوبر کے درخت

پار پہاڑ پر ایک نہایت نفیس ہوٹل بنا ہوا ہے۔ رہبر نے کہا کہ ملکہ وکٹوریہ اکثر اس میں ٹھیرا کرتی تھیں۔ ہم جھیل کے کنارے کنارے آگے بڑھتے گئے۔ یہاں پر سڑک پہاڑ کو بہت ہوشیاری کاٹ کر بنائی گئی تھی۔ کہیں کہیں پر آبشار آ گئے تھے۔ تو اس خیال سے کہ پانی سے سڑک برباد نہ ہو جائے، آبشار کے نیچے سے سرنگ کاٹ کر سڑک نکال دی گئی۔ کہیں کہیں پر تو ایسا دلچسپ منظر ہوتا ہے کہ طبیعت خوش ہو جاتی ہے۔ نیچے سڑک جا رہی ہے اور اوپر سے پانی کی چادر گر رہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے اللہ میاں نے سڑک پر سایہ کرنے کے لئے پانی کی چادر جاری کر دی ہے۔

جگہ جگہ پہاڑ کے پھسل پڑنے سے سڑک ٹوٹ گئی تھی، لیکن مرمت کر دی گئی تھی۔ ٹوٹے ہوئے درخت اب بھی نظر آ رہے تھے۔ ایک زمانے میں اس ملک میں یہ پہاڑوں کا پھسلنا بہت غضب ڈھایا کرتا تھا۔ اکثر بے سان گمان پہاڑ کے بڑے بڑے ٹکڑے ٹوٹ کر پھسل جاتے اور بادل کی طرح گرجتے، راستے میں درختوں کو توڑتے اور جنگلوں کو روندتے ہوئے نیچے والوں پر اچانک آن پڑتے۔ ہزاروں جانیں اسی طرح برباد ہوئیں اور سینکڑوں بستیوں کا نام و نشان مٹ گیا۔ ایک جگہ ہم نے دیکھا کہ ایک پہاڑ کے نیچے بہت بڑی بڑی چٹانیں بکھری ہوئی ہیں۔ اور ان کے بیچ میں کہیں کہیں چھوٹے چھوٹے درخت اُگ آئے ہیں۔ رہبر نے کہا "یہ پہاڑ جو آپ لوگوں کو نظر آ رہا ہے کچھ سال پہلے اس سے زیادہ اونچا تھا اور اس کی شکل دوسری طرح کی تھی۔ اس کے نیچے ایک بہت بڑا گاؤں آباد تھا۔ ایک رات یکایک اس

پہاڑ کی چوٹی پھسل کر گر پڑی اور گاؤں والے پھر کبھی نہ جاگے۔ ایسا دردناک واقعہ سوئٹسان میں کبھی نہ ہوا تھا۔ یہ جو پتھر بکھرے ہوئے ہیں، اسی کے نیچے گاؤں دب گیا"۔۔۔۔۔ یہ سُن کر بہت افسوس ہوا اور انسان مضبوط ہونے پر بھی کتنا کمزور ہے، اس کا احساس ہونے لگا۔۔۔۔۔ خیر جو ہونا تھا ہو گیا۔ لیکن لوگوں کو اس کی روک تھام کی فکر ہوئی۔ ملک کے بڑے بڑے سائنس داں پہاڑوں کے ماہر، جنگلوں کے ماہر ایک جگہ جمع ہوئے۔ سب نے اپنے اپنے تجربے بتائے اور بحث مباحثے کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس پھسلن کو روکنے کے لئے درختوں سے مدد لینے کی رائے ٹھہری۔ تجربے سے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ جن پہاڑوں پر کافی درخت ہوتے ہیں، وہ نہیں گرتے۔ وجہ یہ ہے کہ درختوں کی جڑیں مٹی اور پتھر کو تھامے رہتی ہیں۔ اس لئے اب حکومت نے حکم دے دیا کہ درخت بالکل نہ کاٹے جائیں۔ اس کا فائدہ یہ ہوا ہے کہ اب اس قسم کے حادثے بہت کم ہوگئے ہیں۔ ہمارے ہندوستان میں شملے کے قریب اکثر پہاڑ پھسل جایا کرتے ہیں۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ یہ چیز ایسی عام نہیں ہے۔

موٹر آگے بڑھتی گئی۔ سیدھے ہاتھ کو بہت نیچے فیروزی رنگ کی جھیل، اُلٹے ہاتھ کو اونچا پہاڑ، سامنے وادیاں اور بہت دور برف سے ڈھکی ہوئی اجلی اجلی چوٹیاں، ایسا خوب صورت منظر تھا کہ میں تم سے اچھی طرح بیان نہیں کر سکتا۔ اس کے لئے تو عبدالحلیم شرر اور محمد حسین آزاد کا قلم ہو، تب تمھیں کچھ مزا آئے۔

میں نے دل میں دعا کی کہ یا اللہ میں نوکری

ایک دل فریب منظر

کے جھنجھٹ میں نہ پڑوں اور دن رات اسی طرح گھومتا پھرتا رہوں۔ مگر اللہ میاں ہم سے بہتر جانتے ہیں، ہماری دعا قبول نہ ہوئی۔

چل ہی رہے تھے کہ ایک جگہ چند کُتّے پنجروں میں بند نظر آئے۔ رہبر نے موٹر رکوائی اور کہنے لگا

"مشہور سینٹ برنارڈ کتے ہیں، اس جگہ پر رکھے اور پالے جاتے ہیں" اور ایک چھوٹے سے بچے کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا " اس کی قیمت ستّر پونڈ (تقریباً ۹۰۰ روپے) ہے، بڑا ہوگا تو قیمت اور زیادہ ہو جائے گی"

اس دریا نے کروڑوں برس کی محنت سے اس پہاڑ میں گہری گھاٹی بنائی ہے۔

میں نے پوچھا " انھیں خریدتا کون ہے ؟"

رہبر نے جواب دیا " حکومت خریدتی ہے" کچھ اپنے پاس رکھتی ہے، کچھ سینٹ برنارڈ کے راہبوں کو دے دیتی ہے"

کیوں بھئی تمھیں تعجب تو ضرور ہوگا کہ ایک کتے کی قیمت ہزار روپے!! اس کے کیا معنی؟ بات یہ ہے کہ یہ کتے بڑے کام کے ہوتے ہیں........

سوئستان اور اطالیہ کے درمیان الپس نامی ایک بہت اونچا پہاڑ ہے۔ اس میں صرف چند ہی درّے ایسے ہیں جن سے ایک ملک سے دوسرے ملک کو آیا جایا جاسکتا ہے ایک درّے کا نام درہ سینٹ برنارڈ ہے۔ برنارڈ کوئی عیسائی بزرگ تھے، انھیں کے نام پر ہے۔ درّے پر ایک خانقاہ بھی ہے جہاں عیسائی راہب رہا کرتے ہیں اور وہیں یہ کتے بھی رہا کرتے ہیں۔ سردیوں میں یہ درّہ برف سے ڈھک جاتا ہے، اور رات دن برفانی آندھیاں چلا کرتی ہیں اور آمد و رفت مشکل ہو جاتی ہے۔ پھر بھی ضرورت والوں کو آنا ہی پڑتا ہے۔ ان میں سے بعض بدقسمت برف سے پھسل کر جان دے دیتے ہیں۔ بعض بری طرح زخمی ہو جاتے ہیں۔ بعض سردی کے مارے اکڑ جاتے ہیں۔ اور بعض طوفان سے نڈھال ہو کر گر جاتے ہیں اور برف سے دب جاتے ہیں۔ ایسے موسم میں یہ کتے اِدھر اُدھر درّے میں پھرا کرتے ہیں۔ ان کے گلے میں ایک بوتل شراب کی بندھی رہتی ہے۔ اگر کوئی انسان برف کے نیچے دبا ہوا ہو تو انھیں فوراً پتہ چل جاتا ہے۔ کھود کر نکال لیتے ہیں۔ اس کے منہ کو چاٹ کر گرم کرتے ہیں۔ اگر ہوش میں آجاتا ہے تو شراب

پی لیتا ہے۔ کچھ قوت آجاتی ہے۔ انہی کتوں کے ذریعے راہبوں کو پتہ چل جاتا ہے اور وہ زخمیوں، مردہ یا بے ہوش لوگوں کو اٹھا کر اپنی خانقاہ میں لے جاتے ہیں اور اُن کا علاج معالجہ کرتے ہیں۔
.... کیوں صاحب اب کیا کہتے ہو؟ کیا کتوں کی قیمت زیادہ ہے؟۔

تھوڑی دیر میں جھیل پیچھے چھوٹ گئی۔ اور ہم الٹ ڈورف پہنچ گئے۔ وہی الٹ ڈورف جس کا ذکر ولیم ٹل کے بیان میں آچکا ہے۔ ہماری موٹر ایک جگہ رُکی اور رہبر نے کہا" یہی وہ جگہ ہے جہاں ولیم ٹل نے اپنے بیٹے کے سر پر سیب کاٹ ڈالا تھا"............ سامنے ایک مجسمہ بنا ہوا تھا ولیم ٹل اپنے بیٹے کو لئے کھڑا ہے۔ اس کے پیچھے نقاشی کے ذریعے اس کے گاؤں کا منظر پیش کیا گیا تھا۔ رہبر نے بتایا کہ آگے چل کر اس کا گاؤں بھی نظر آئے گا۔ موٹر آگے بڑھی۔ الٹ ڈورف پیچھے چھوٹ گیا۔ ایک وادی آئی وہ بھی گذر گئی اور سڑک بلند ہونے لگی۔ سامنے اونچا پہاڑ تھا۔ لیکن کہیں پر درہ نظر نہ آتا تھا۔

میں نے دل میں کہا اب تو سامنے کچھ راستہ نظر نہیں آتا ہوا پس لوٹنا ہوگا۔ لیکن موٹر ہے کہ چلی جارہی ہے۔ اب سڑک بہت ڈھلوان ہو گئی تھی اور موٹر کو بہت زور کرنا پڑ رہا تھا۔ سامنے جو دیکھتے ہیں تو سڑک سانپ کی طرح بل کھائی ہوئی پہاڑ کی بلندی پر چلی گئی ہے۔ ہم سے آگے اونچائی پر بہت سی موٹریں جارہی تھیں معلوم ہوتا تھا کہ چیونٹیاں

درۂ فرکاکے قریب پہاڑ پر
ایک گاؤں کے چند مکانات

رینگ رہی ہیں۔ ہمارے پیچھے بھی بہت سی موٹریں تھیں۔ ہماری رفتار بہت آہستہ تھی تقریباً ڈیڑھ بجے ہم پہاڑ کے اوپر پہنچ گئے۔ ہمیں بتایا گیا کہ پہاڑ کی چوٹی نہیں ہے بلکہ ایک درہ ہے اس کا نام درہ فرکا ہے۔ یہ درہ سوئٹزرلینڈ میں غالباً سب سے اونچا درہ ہے

گرمی کا موسم ہونے کے باوجود یہاں پر ابھی تک برف موجود تھی اور بہت کافی ٹھنڈک تھی۔ یہاں ایک ہوٹل بھی موجود تھا۔ چھ مہینے یہ ہوٹل برف سے ڈھکا رہتا ہے اور یہاں کوئی آجا نہیں سکتا۔ گرمی جب رہتی ہے تو یہ ہوٹل کھلتا ہے اور سیاحوں کے لئے رہنے اور کھانے پینے کا انتظام ہوتا ہے۔

آج دن اتنا صاف تھا اور سورج ایسا چمک رہا تھا کہ بڑی دور دور کی چیزیں صاف معلوم ہو رہی تھیں۔ ایک امریکی کہنے لگا کہ "میں یہاں تین بار آچکا ہوں۔ لیکن ایسا صاف شفاف اور سہاؤنا دن کبھی نہ دیکھا۔ کبھی تو بادل چھائے رہتے تھے اور کبھی کہرہ"۔ میں نے دل میں کہا یہ اس فقیر کی برکت ہے۔

فرکا پر موٹر رکی تو لوگ ہوٹل میں کھانے کے لئے گھس گئے۔ پہاڑی ہوا سے بھوک کو بڑی محبت ہے۔ اِدھر ہوا لگی، اُدھر بھوک صاحبہ حاضر۔ اور کھانا کھائے کچھ دیر نہیں ہوتی کہ پھر حاضر۔ غرض کہ اس وقت ہم بھوک سے بے تاب ہو رہے تھے

میں تو اپنا کھانا ساتھ ہی لایا تھا۔ لفافے کو بغل میں دبا ایک طرف چلا کہ پہاڑ پر کسی جگہ بیٹھ کر کھاؤں گا۔ ایک آسٹریلیا کا رہنے والا شخص میرے ساتھ ہو گیا۔ ہم دونوں ایک برفانی چشمے کے کنارے بیٹھ گئے۔ اِدھر اُدھر کی گپ کرتے رہے اور کھانا اُڑاتے رہے۔ اس کے بعد برف کے چشمے کا پانی پیا۔ پانی زیادہ مزے دار نہ تھا مگر بے حد ٹھنڈا تھا۔ اتنا ٹھنڈا کہ پینا مشکل تھا۔ بعد میں جب ہمارے رہبر نے یہ سُنا کہ ہم نے برفانی چشمے کا پانی پیا ہے تو اس نے وہ ڈانٹ بتائی کہ آیندہ کے لئے توبہ کرتے ہی بنی۔ کہنے لگا کہ فوراً زکام ہو جائے گا اور اس کے بعد انفلوئنزا پھر نمونیہ اور پھر......

جب سب لوگ کھانے دانے سے فارغ ہو گئے تو موٹر آگے بڑھی۔ تھوڑی ہی دور گئے ہوں گے کہ ایک بڑا گلیشیر یعنی برف کا دریا نظر آیا

رون گلیشیر
برف کے پگھلنے سے جو چھوٹا سا نالا نکلا ہے یہیں سے
رون دریا شروع ہوتا ہے۔

گلیشیر تو تم لوگ جانتے ہی ہو گے۔ جن پہاڑوں پر برف جمی ہوتی ہے اُن میں کہیں کہیں سے برف آہستہ آہستہ نیچے کی طرف کھسکتی رہتی ہے، اس کی رفتار بہت آہستہ ہوتی ہے۔ دن بھر میں بس ایک آدھ فٹ۔ اسی طرح چلتے چلتے یہ گلیشیر پہاڑ کے نیچے پہنچ جاتا ہے اور برف پگھلنے لگتی ہے چھوٹا سا چشمہ جاری ہو جاتا ہے اور آگے بڑھ کر ایک چھوٹی سی ندی بن جاتا ہے۔ یہ ندی اور آگے بڑھتی ہے اس میں دوسری چھوٹی بڑی ندیاں آکر ملتی ہیں اور اس طرح دریا بن کر یہ سارا پانی سمندر میں جا گرتا ہے .... اسی طرح دنیا کے بہت بڑے بڑے دریا نکلے ہیں۔ ہمارے دیس کے گنگا جمنا بھی ہمالیہ پہاڑ کے گلیشیروں سے ہی نکلے ہیں۔

جس گلیشیر کے نزدیک ہم پہنچے، اس کا نام رون گلیشیر ہے۔ اس سے یورپ کا مشہور رون دریا نکلتا ہے۔ جہاں پر درّہ فرکا ختم ہوتا ہے اور پہاڑوں کے دوسری طرف اتار شروع ہوتا ہے، یہیں پر یہ گلیشیر بھی وادی میں گرتا ہے۔ جہاں پر برف ختم ہوتی ہے اور پانی شروع ہوتا ہے، وہاں پر اس پانی کی چوڑائی دس بارہ گز سے بھی کم ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایک چھوٹا سا نالہ ہے۔ اگر تم اس دریا کو کچھ دور آگے بڑھ کر جینوا کی جھیل میں گرتا ہوا یا اس سے نکلتا ہوا دیکھو تو تمھیں ہرگز یقین نہ ہو کہ یہ وہی ننھا نالا ہے۔

خیر تو یہ ٹھیری کہ اس گلیشیر کو خوب اچھی طرح دیکھا بھالا جائے۔ گلیشیر کے اندر برف کو کاٹ کر ایک سرنگ بنا دی گئی تھی۔ ہم لوگ ٹکٹ لے کر اس کے اندر گھس گئے۔ اندر بہت ٹھنڈک تھی۔ اور اوپر سے روشنی چھن چھن کر آرہی تھی۔ اس وجہ سے تمام سرنگ ایک سبزی مائل روشنی سے منوّر معلوم ہو رہی تھی۔ اندر سب لوگ سبز ہی سبز نظر آرہے تھے۔ اوپر نیچے ہر طرف برف کے حرکت کرنے کی کچھ کچھ آواز آرہی تھی۔ جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں گلیشیر کی رفتار دن بھر میں ایک آدھ فٹ سے زیادہ نہیں ہوتی، پھر بھی یہ خفیف حرکت، آواز پیدا کرنے کے لئے کافی تھی، اور رہ رہ کر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ساری سرنگ بیٹھ جائے گی۔ یہ خیال کہ ہم برف کے دریا میں غوطہ مار رہے ہیں اور گو آہستہ ہی سہی لیکن یقینی طور پر پہاڑ کی چوٹی سے نیچے کی طرف کھسک رہے ہیں، کافی دہشت انگیز تھا۔

یہاں سے ہماری سڑک نیچے اُترنے لگی اور سامنے وادی میں گلیشیر کا بچہ رون دریا بہتا ہوا نظر آیا۔ ہم لوگ تھوڑی دور دریا کے ساتھ ساتھ گئے پھر شمال کی طرف مڑ گئے۔ معلوم نہیں تم نے ابھی تک اس سفر کے سمتوں کا خیال رکھا یا نہیں۔ یہ بہت ضروری چیز ہے تاکہ تم سمجھ سکو۔ لوسرن سے ہم پورب

کی طرف جھیل کے کنارے کنارے چلے۔ کچھ دور بعد
جھیل دکھن سمت مڑ گئی۔ ہم اس کے کنارے کنارے
چلتے گئے۔ جھیل چھوٹ گئی پھر الٹ ڈورف ملا ہم لوگ
اس کے آگے کافی دور تک گئے۔ پھر درۂ فرکا پر
چڑھنے کے لئے پچھم سمت کو گئے۔ اب فرکا پر سے اترنے

ایک خوب صورت آبشار

کے بعد کچھ دور ہم لوگ پچھم سمت ہی گئے پھر اُتر کی طرف مڑ گئے
راستے میں پہلے سے بھی زیادہ خوب صورت جگہیں
ملیں۔ ایک آبشار اتنا خوب صورت نظر آیا کہ دل
لوٹ پوٹ ہو گیا۔ میں نے بہت احتیاط سے اس
کے اوپر کے حصے کی تصویر لی۔ سارے آبشار کی
تصویر لینا ممکن نہ تھا کیونکہ پانی سینکڑوں فیٹ نیچے گرتا
تھا اور کافی پیچھے ہٹنے کی جگہ نہ تھی۔

راستے میں ایک عجیب وغریب دریا نظر آیا۔ یہ
دریا اب سے کروڑوں سال پہلے ایک پہاڑ کے اوپر
بہتا تھا۔ اس وقت آدم علیہ السلام دنیا میں آئے
بھی نہ تھے۔ جب دریا کہیں پر بہتا ہے تو نیچے کی ریت
مٹی وغیرہ کو ساتھ بہا کر لے جاتا ہے۔ اور زمین گہری
ہوتی چلی جاتی ہے، اور جہاں پر دریا سمندر میں گرتا ہے،
زمین بھرتی جاتی ہے۔ جس دریا کا میں ذکر کر رہا ہوں اس
نے بھی ایسا ہی کیا۔ اور پتھر اور مٹی کو کاٹتے کاٹتے
کاٹتے کاٹتے، اپنے لئے ایک نہایت ہی گہرا اور تنگ
راستہ بنا لیا ہے اور اس میں بڑے زور و شور سے بہتا
ہے۔ جو گھاٹی اس نے کاٹ کر بنائی ہے وہ اس قدر
تنگ ہے کہ کہیں کہیں پر دونوں دیواروں کو ہاتھ
بڑھا کر چھو سکتے ہیں۔ اور یہ دیواریں اس قدر اونچی
ہیں کہ نیچے پورے طور سے روشنی بھی نہیں جاتی۔ اور
آسمان کو دیکھنے کے لئے ٹوپی سنبھالنی پڑتی ہے۔

سیاحوں کے لئے پانی سے کچھ اوپر لکڑی
کے تختے لگا دیے گئے ہیں۔ اور ایک پتلا چھجا سا بن
گیا ہے۔ داخلے کے لئے ٹکٹ کی ضرورت پڑتی ہے
میں ٹکٹ لے کر اندر گیا اور ندی کے ساتھ ساتھ چل کر
پہاڑ کے دوسری طرف نکل گیا۔ موٹر چکر کاٹ کر
ادھر آگئی تھی اور پہلے ہی سے کھڑی تھی۔ ہم لوگ

موٹر پر بیٹھ گئے اور لوسون کی طرف روانہ ہوئے۔
اور مغرب کے بعد ڈھائی سو میل کا چکر لگا کر مغرب
سے شہر میں داخل ہوئے۔

لو صاحب آج کا قصہ تو ختم ہوا۔ سردست
خدا حافظ۔ پھر کبھی ملیں گے ؛

(حقوق محفوظ)

میاں بدھو
(۱) ایک تھے میاں بدھو
جا رہے تھے میلے
(۲) رستے میں ملے کلو
موٹے کیلے والے
(۳) بولے میاں بدھو
کھلاؤ ہمیں کیلا
(۴) بولے میاں کلو
دکھاؤ ہمیں پیسا
(۵) بولے میاں بدھو
نہیں ایک پائی
(۶) بولے موٹے کلو
تو جاؤ میلے بھائی

دعوت

حضرت مولانا سید شرف الدین صاحب مرحوم سابق استاد جامعہ

پساؤ بیسن دہی منگاؤ ۔ کڑھی پکاؤ ہمیں کھلاؤ۔
یہ سب ہے حاضر
جلاؤ چولھا ۔ چڑھاؤ ہانڈی ۔ چڑھا بھی دی آنچ اب لگاؤ
وہ کھد بدائی اُبھان آیا ۔ چلاؤ ڈوئی لگاؤ چھینٹا۔
اُتارو بس بس یہ پک چکی اب
اب گُڑھ میں آٹا گھولو۔ اور گلگلے پکاؤ، گُڑ کے نہیں میاں جی ۔ ہاں گھی شکر کے کھیے
میدے کے اور دہی کے ۔ شیرے کے گلگلے ہوں۔ کچھ پھلکیاں بھی پکیں اور کچھ دہی بڑے ہوں
آیا چڑھی کڑھائی ۔
بیسن گھولو۔ زیرا ملاؤ ۔ پیاز اور پودینہ کتر دو۔ خوب ملاؤ۔
متھو اور پھینٹو۔ ہو گیا تیل اب جھٹ سے نکالو ۔ تاؤ کہیں نہ مارا جائے
جلدی سے اک گھائی اتارو۔ پھلکیاں لے کر کڑھی میں ڈالو
پیاز اور زیرا داغ کرو اب ۔ اب خوب مزے کا بگھار لگاؤ
بس بس اب جلدی سے بگھار دو۔ سائے سائے۔ وہ چھن ۔ آہا ہا ہا ۔

زندگی کی گھڑی

حامد حسین صاحب متعلم جامعہ

اس تصویر میں ایک گھڑی دنیا کی زندگی کی بنائی گئی ہے۔ اگر ہم دنیا کو چوبیس گھنٹے پرانا مان لیں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ زندگی کا پہلا خاکہ کیا ایک دن ہے اور اس سے پہلے کا عرصہ ایک رات ہوئی۔ اس طرح ہم زمانے کو دنیا کی بے زندگی والی رات اور زندگی والے دن میں تقسیم کرسکتے ہیں۔

یہ گھڑی دنیا کے دنوں کے چوبیس گھنٹے دکھاتی ہے اور ہر گھنٹہ تقریباً......۳۰ برس ظاہر کرتا ہے

زندہ مخلوق کی پیدائش کے لحاظ سے مختلف حلقوں میں ان کی تصویریں ہیں۔ اس کو مخلوق کے زندہ رہنے کا زمانہ سمجھنا۔

پہلے دو گھنٹوں میں سمندر میں چھوٹے چھوٹے کیڑے کھپرے والی مچھلی اور (TRILOBITES) پیدا ہوئے۔
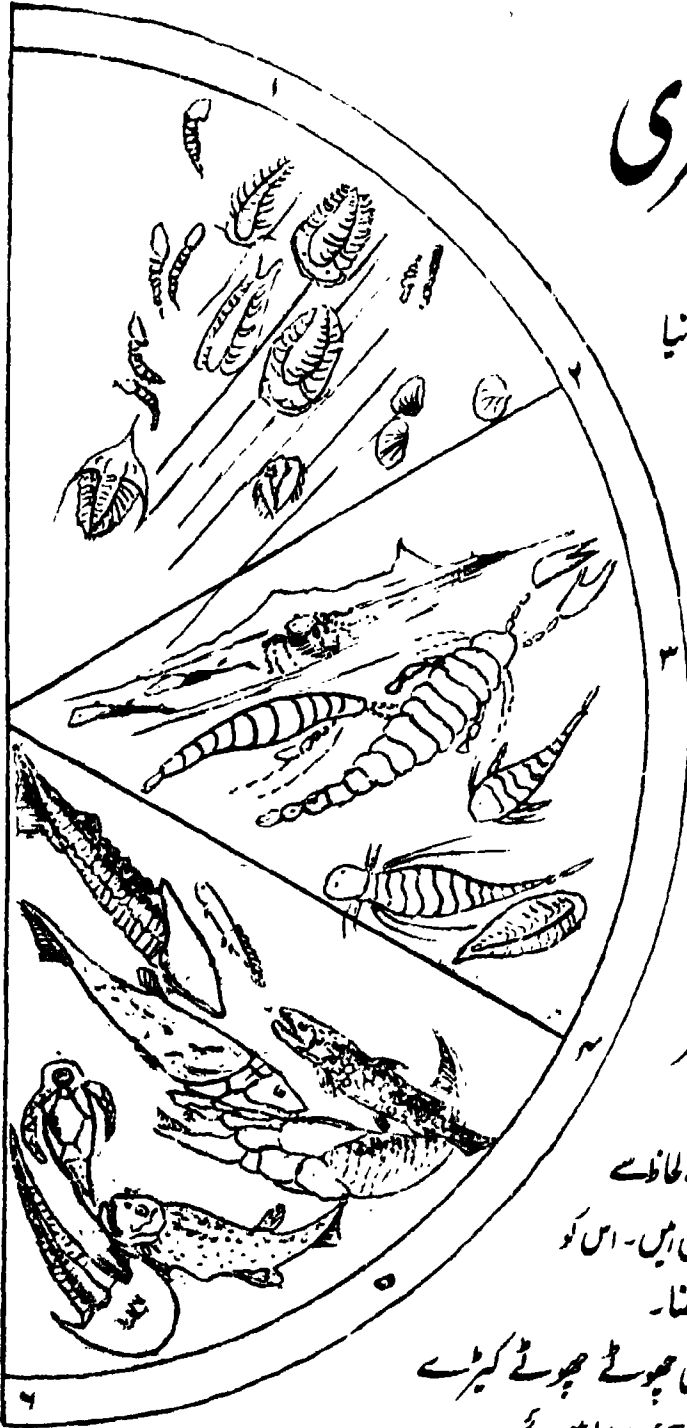
دوسرے اور تیسرے گھنٹے میں سمندری بچھو بڑے جھینگوں کی طرح بڑھے۔ تیسرے اور چوتھے میں مچھلی جس کی ریڑھ کی ہڈی ہوتی تھی پیدا ہوئی اور دنیا میں ریڑھ کی ہڈی وجود میں آئی۔

چار سے چھ تک ایسی مچھلیاں بڑھیں جن میں ایک دوسرے سے لڑنے کے لئے قدرتی طور پر ہتھیار کی سی چیز جسم میں ہوتی تھی۔ یہ مچھلیاں بڑے بڑے جھینگوں سے لڑتی تھیں۔

ریڑھ کی ہڈی نے پہلی دفعہ تمام چیزوں پر فتح پائی۔

چھ سے آٹھ تک عظیم الشان درخت پیدا ہوئے۔ کوئلے کی کانیں حقیقت میں جنگل تھے۔ یہ درخت اس قدر دل کش تھے کہ انھوں نے زندہ چیزوں کو ساحلوں پر متوجہ کیا۔ یہ دور جل تھلی کہلاتا ہے جس میں خشکی اور تری کے جانور پیدا ہوئے اور اُن کے ہاتھ پیر نکلے۔

آٹھ سے نو تک سمندری چھپکلی کا زمانہ تھا۔

نو سے دس تک رینگنے والے جاندار بڑے (STEGOSAUR اور BANTOSAUA) جنگلوں میں پھرنے لگے۔ اُڑنے والے اژدہے وجود میں آئے۔

دس سے گیارہ تک کھریا (مٹی) کا زمانہ تھا۔ جب کہ سمندر میں کھریا

کی سطح پیدا ہوئی۔ رینگنے والے جانور، انسان اور حیوان کی ملی جلی بے ڈھنگی اور خوفناک شکل میں تبدیل ہوگئے۔ پہلے اُڑنے والا جان دار پیدا ہوا جس کے بڑے بڑے پنجے اور دانت تھے۔ دس اور گیارہ کے وسط میں دودھ پلانے والے جانور بھی بڑھے ایک قسم کا تھیلی دار دودھ پلانے والا جانور جو پانی میں یا درختوں پر رہتا تھا اور ایک مہیب رینگنے والا پیدا ہوئے۔

گیارہ سے بارہ تک تیسرا جُگ (زمین کی ساخت کا زمانہ ہے۔ جس کے آخر میں ہم رہتے ہیں۔ اس زمانے میں دودھ پلانے والے جانور بڑھ گئے اور مہیب رینگنے والے ناپید ہوگئے۔ اس زمانے کے شروع میں ایک عظیم الجثہ سونڈ دار چوپایہ چار لمبے نوکیلے دانتوں والا (MUSTDON) اور چھ سینگوں والا (TINOCERAS) ایسے شیر سے لڑا جس کے دانت خم دار ہوتے تھے۔ شاید ساڑھے گیارہ کے لگ بھگ مڈغاسکر کے بندر کی قسم کا ایک دودھ پلانے والا شب رو جانور کی طرح جان دار بندر دل میں تبدیل ہوگیا۔ اور بعد میں یہی بوزنہ بن گیا پھر شاید گھنٹے کے آخری حصے کے چوتھائی کے آدھے میں انسان وجود میں آیا۔

وہ زمانہ کروڑہا سال پہلے کا ہوگا۔ ہم نہیں جانتے۔ انسان کی لکھی ہوئی تاریخ.......

پتھروں اور چٹانوں پر یا پھر پیپرس (نرسل) کے بنے ہوئے ورق جن پر قدیم مصری لکھا کرتے تھے۔ دس ہزار (۱۰۰۰۰) برس پرانے ہیں

(تلخیص)

سب ہیں سے کام کو کہتے ہیں

سید سبط نبی صاحب نقوی - ایم ایس سی (علیگ)

پیاری بہن آج تیسرے پہر کی گاڑی سے میرے پاس آئی ہیں۔ شام کو ہم سب بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ میں نے پچھلے سال جو تصویریں کھینچی تھیں ان کے البم کا ذکر کیا۔ انھوں نے بڑے شوق سے کہا " دکھاؤ" کتابوں کی الماری پاس ہی رکھی تھی۔ میں اس الماری میں سے البم نکال لایا اور ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ پیاری بہن میرے پاس بیٹھ گئیں، اور ان کے بچوں نے مجھے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ ہم سب اس البم کی تصویروں کے دیکھنے ہی اس قدر محو ہوئے کہ دنیا وما فیہا کی خبر نہ رہی۔ آخر ہم ایک بہت ہی دلچسپ تصویر پر پہنچے۔ اس کو دیکھتے ہی پرانے واقعات میری آنکھوں کے سامنے پھر گئے، اور پیاری بہن کو اس تصویر کے کھینچنے کے حالات سنانے لگا۔

میں نے کہا کہ گذشتہ مئی میں جب میں کراچی سے کلکتے کو ہوائی جہاز سے جا رہا تھا تو گیا کے قریب پہنچ کر یہ تصویر کھینچی تھی۔ جب ہم الہ آباد پہنچے تو معلوم ہوا کہ کلکتے سے جو بات (آب ہوا) کے محکمے نے الہ آباد اور کلکتے کے ہوائی راستے کے متعلق جو نیوز میٹ (NEWSMET) (موسمی حالت کی وہ پیش بینی جو آب و ہوا کے محکمے کی طرف سے ہر روز صبح و شام کی جاتی ہے) براڈ کاسٹ کیا ہے۔ اس میں بتایا ہے کہ "کہیں کہیں پر بجلی کے طوفان پیدا ہونے کا امکان ہے بعض جگہ آندھی کی وجہ سے حد نظر (VISIBILITY) بہت کم ہو جائے گی اور درمیانی علاقے پر بالائی ہوائیں پر زور ہوں گی"

ہم امپیریل ایرویز کے ایک بڑے ہوائی جہاز میں سفر کر رہے تھے اس لئے معمولی طوفان کے امکان سے ڈرنے کی کوئی وجہ نہ تھی اور حد نظر کے بہت کم ہو جانے پر مشاق ہوا بازوں کے لئے تھوڑی دیر تک اڑتے رہنا کچھ مشکل نہیں۔ اس لئے ہمارے جہاز کے اڑان کے اوقات وہی رہے۔ مجھے بجلی کے طوفان کے اندر گھس کر اس کی اندرونی حالت معلوم کرنے کا مدتوں سے شوق تھا اور موقع ملنے پر میں تڑپتی اور چمکتی ہوئی بجلیوں اور بخارات کے ان اٹھتے بڑھتے

اور پھیلتے ہوئے پہاڑوں کی تصویر بھی کھینچنا چاہتا تھا
جن کے گہرے غاروں میں سبک رو بجلیوں کی آہٹ بھی
دل ہلا دینے والی گرج میں تبدیل ہو جاتی ہے پیوزمیٹ
دیکھنے کے بعد مجھے اپنی اس دیرینہ آرزو کے پورا
ہونے کی امید سی پیدا ہو گئی

ابھی الہ آباد چھوڑے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں
ہوا تھا کہ وائرلیس آپریٹر نے ایک چھوٹا سا پیغام ہوائی جہاز
چلانے والے ہوا باز کو دیا۔ اس کے پاتے ہی ہوا باز
ہوش باختہ سا ہو گیا اور آگ کی طرح اس کی خبر ہم تک بھی
پہنچ گئی۔ میرے تمام ہم سفر گھبرا گئے لیکن میں نے اپنے
حواس قائم رکھنے کی کوشش کی اور فوراً ہوا باز سے
دریافت کیا۔ آخر ایسی وحشتناک خبر کیا موصول ہوئی
ہے اور کہاں سے۔ اس نے مجھے ایک چھوٹا سا پرچہ
دیا اس پر دو انگریزی لفظ ڈینمیٹ (DANMET)
اور گیا (GAYA) اور تین پانچ پانچ اعداد کے
مجموعے لکھے تھے۔ یہ پیغام آندھی سے خطرے کا تھا
اور گیا کی موسمی مشاہدہ گاہ سے آیا تھا۔ اس پیغام کو
وصول ہوئے دس منٹ ہوئے ہوں گے کہ ایک ویسا
ہی دوسرا پیغام وصول ہوا جس میں گیا کے قریب بجلی
کے طوفان سے خطرے کا اور اضافہ کیا گیا تھا اس
خبر کو سن کر مجھے بھی سب کے ساتھ گھبراہٹ تو ضرور
ہوئی لیکن اپنی چھپی ہوئی آرزو کے پورا ہونے کی خوشی
بھی پیدا ہو گئی۔ اور میں کھڑکی کے قریب اپنا کیمرہ لے کر
تیار ہو بیٹھا کہ جوں ہی موقع ملے بجلی کے طوفان کی
بالکل قریب سے تصویر لے لوں

ہم تھوڑی ہی دور اور اُڑے ہوں گے کہ ہوا
کی رفتار میں تیزی شروع ہو گئی۔ اس کے جھکڑوں
کا اندازہ ہمیں جہاز کے ہچکولوں سے ہو رہا تھا۔ ہوا
خاک سے اَٹی ہوئی تھی۔ ابھی تک ہم ایک ایسی دنیا پر
اُڑتے ہوئے آئے تھے۔ جس میں شہر، قصبے، گاؤں
باغ، کھیت، دریا، پہاڑیاں اور جنگل اپنی گوناگوں
رنگینیوں کے ساتھ ہمارے نیچے نکلتے چلے جا رہے تھے
اور اوپر نیلا آسمان تھا۔ کبھی ہم بادلوں کی دنیا میں
پہنچ جاتے تھے اور اُن کی بناوٹ کی نیرنگیاں ہمیں
محوِ حیرت بنا دیتی تھیں۔ ان کی بھی کئی تصویریں آپ
اس البم میں دیکھیں گے لیکن اب ہم ایک ایسی خاک
آلود ہوا کی دنیا میں پہنچ گئے تھے جہاں چاروں طرف
زردی مائل مٹیلے رنگ کے سوا کچھ اور نظر ہی نہ
آتا تھا۔ اس فضا سے طبیعت اُکتانا شروع ہوئی تھی
کہ ایک ساتھ ایسا معلوم ہوا کہ ہمارا سبک رو ہوائی جہاز
ہوا سے اُتر کر کسی بڑی سخت خراب سڑک پر پہنچ گیا
ہے کہیں پر ہوا کی اوپر کو اُٹھتی ہوئی رو ہوائی جہاز
کو اپنے ساتھ اوپر اٹھا کر لے جاتی تھی اور دو ہی قدم
پر نیچے آنے والی رو ایک سخت جھٹکے کے ساتھ لے

نیچے دھکیل دیتی تھی۔ غرض ہم سب جامنوں کی طرح ہوائی جہاز کے اندر اچھل رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہم ایک کوہستان میں پہنچ گئے ہیں جہاں چاروں طرف سربفلک پہاڑ ہیں گھیرے ہوئے ہیں اور جہاں کی ہیبت ناک فضا سے ڈر کر سورج نے بھی اپنا منہ چھپا لیا ہے۔ ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ اور اب ہم بجلی کے طوفان میں پہنچ گئے تھے۔

وائرلیس آپریٹر نے ایریل کا تار جو جہاز سے باہر لٹک رہا تھا فوراً اندر گھسیٹ لیا کیونکہ اس کے باہر رہنے سے یہ اندیشہ تھا کہ بادلوں کی بجلی سے جہاز میں آگ نہ لگ جائے۔ ہواباز نے پہلے یہ کوشش کی کہ وہ ادھر ادھر کو راستہ کتراکر طوفان سے باہر نکل جائے۔ میں نے بھی اس دوران میں تین چار تصویریں کھینچیں۔ لیکن یہ تصویر تھوڑی دیر بعد کی ہے۔ ہر طرف راستہ بند معلوم ہوتا تھا۔ ہم بادلوں کی بھول بھلیوں میں پھنس گئے تھے کسی طرف بھی اُن کا سلسلہ ختم ہوتا ہوا دکھائی نہ دیتا تھا۔ مجبور ہوکر ہواباز نے چاہا کہ اونچا اُڑکر ان بادلوں کے اوپر پہنچ جائے اس کے کمرے میں ایک گھڑی سی لگی ہوئی تھی جس سے یہ معلوم ہوجاتا تھا کہ ہوائی جہاز کس اونچائی پر اُڑ رہا ہے۔ اس کو بلندی پیما "(ALTIMETER)" کہتے ہیں۔ اس آلے کے ذریعے ہمیں معلوم ہوا کہ سطح سمندر سے بارہ ہزار فٹ اونچے پہنچ جانے کے باوجود ہم اس طوفان کے اوپر نہ پہنچ سکے۔ اب سوائے اس کے چارہ کار ہی نہ تھا کہ طوفان کے بیچ میں سے سیدھا اُڑکر باہر نکلنے کی کوشش کی جائے۔ ہواباز اس تگ و دو میں لگے ہوئے تھے اور میں اس طوفان کے مشاہدے میں۔

وہ ہوا جس کو ہم اپنی مٹھی میں بند کرلیتے ہیں جس کو ہم سر وقت اس طرح چیرتے پھاڑتے پھرتے ہیں کہ جیسے کچھ ہے ہی نہیں، جو گرمی کی سہانی صبح کو اپنی سبک خرامی سے تھپکیاں دیتی ہوئی معلوم ہوتی ہے، اس وقت اپنے جھکڑوں کے ذریعے سے یہ کہتی ہوئی معلوم ہورہی تھی کہ اے کمزور اور حقیر انسان! تو چاہتا ہے کہ ان دھات کی بنی ہوئی بے جان کلوں سے حرکت کرنے والی چیزوں کے بل پر مجھ پر حکومت کرے۔ آ، آج میرے ہی سبک ساخت آبی بنے ہوئے قلعوں کے اندر مجھ سے مقابلہ کر۔ گھاس کے وہ چھوٹے چھوٹے تنکے جن کو ہم اپنی انگلیوں سے مل ڈالتے ہیں اس وقت اس تیزی سے حرکت کر رہے تھے کہ جب ہمارے جہاز کے قریب سے گذرتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ رام چندر جی کی دھنش سے پھینکا ہوا تیر جا رہا ہے۔ اور جب وہ جہاز کے نازک حصوں سے ٹکراتے تھے تو ان میں چھد جاتے تھے۔ آپنے گرمی کے دنوں میں کاغذ کے پرزوں اور گھاس کے تنکوں کو

ہوا میں اڑتے دیکھا ہوگا۔ اسوقت ہوا کے جھکڑوں میں ہمارا ہوائی جہاز' ان کاغذ کے پرزوں اور گھاس کے تنکوں سے زیادہ حیثیت نہ رکھتا تھا وہ ہوا باز کے قابو سے باہر تھا اور بس خدا کے رحم پر گرم و سرد ہواؤں اور پانی کے بخارات کے پیدا کئے ہوئے طوفان میں ہچکولے کھا رہا تھا۔ ہم اس وقت ویدکے زمانے کے والیو اور اندر دیوتاؤں کی لڑائی کے ڈراؤنے منظر کو بہت قریب سے دیکھ رہے تھے۔

بجلیاں جو دور سے صرف بے قراری کے پیکر معلوم ہوتی ہیں' اس وقت ہمارے چاروں طرف اس طرح تڑپ رہی تھیں، جیسے اندھیری رات میں کوئی سانپوں سے بھرے ہوئے کھیت میں پہنچ گیا ہو اور وہ سانپ اس کو چاروں طرف سے لپٹ گئے ہوں۔

وہ بادل جو دور سے صرف ہیبت ناک دیو اونچے پہاڑوں کی طرح معلوم ہوتے ہیں اس وقت ہمارے سامنے بڑے بڑے ستونوں کی طرح ایسے اٹھ رہے تھے جیسے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر پھونس کے ڈھیر رکھے ہوں اور ان میں کسی نے آگ لگا دی ہو، اور ان میں سے دھوئیں کے ستون اٹھ رہے ہوں۔ اس میں جگہ جگہ پر بجلیاں ایسی روشنی کر دیتی تھیں جیسے دھوئیں کے ستونوں میں آگ کے شعلوں کی زبانیں اٹھ آتی ہوں۔ جب ہمارا جہاز اونچائی کا رخ کرکے طوفان سے باہر نکلنے کی کوشش کر رہا تھا تو ہم نے بادلوں کی ایسی منزلیں دیکھیں جنھیں ہم زمین پر کھڑے ہو کر کبھی نہیں دیکھ سکتے۔ سب سے پہلے بادل ایک بہت بڑے ستون کی طرح اٹھتا تھا، ذرا اوپر جا کر وہ چھتری کی طرح پھیل جاتا تھا اور ایک ایسے روئی کے پہاڑ کی طرح اونچا اٹھتا چلا جاتا تھا جو زور شور سے دھنکی جا رہی ہو اور جس کے ہر ہر حصے میں تلاطم مچا ہوا ہو۔ وہ تلاطم قدم قدم پر بے قرار بجلیوں کی صورت میں ظاہر ہو جاتا تھا بہت کافی اونچائی پر پہنچ کر یہ پہاڑ ختم ہو جاتا تھا لیکن اس کے اوپر کہیں سے ایک اور ستون اٹھتا معلوم ہوتا تھا اور وہ تمام ان مدارج سے گزرتا ہوا، جن سے کہ ان کے نیچے والا بادل گزرا تھا پھر ایک بے قراری کا پہاڑ بن کر ہمارے سامنے کھڑا ہو جاتا تھا۔ ان بادلوں کی منزلوں کے درمیان ہم نے چھوٹے اور بڑے قطرے کہیں پر گرتے اور کہیں پر اچھلتے ہوئے دیکھے۔ جب ہم بہت زیادہ اونچائی پر پہنچ گئے تو ہم نے اولوں کو بنتے اور گرتے ہوئے دیکھا۔ کہیں کہیں پر بادلوں کی علیحدہ منزلیں تمیز نہیں کی جا سکتی تھیں۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد وہ پھر نظر آنے لگتی تھیں۔ یہ تصویر میں نے ایسے ہی ایک موقع پر کھینچی تھی۔

ادھر میں یہ واقعات سنا رہا تھا ادھر اماں جان کھانا کھانے کے لئے آوازیں دے رہی تھیں لیکن محویت کے عالم میں ہم میں سے کسی نے ان کی آواز نہ سنی۔ آخر کار تنگ آ کر وہ مجھ پر خفا ہوتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئیں۔ ہم اماں جان کی آواز سے اچھل پڑے ایک لمحے کے لئے تو معلوم ہوا کہ ہمارا ہوائی جہاز ہوا میں غوطے مار رہا ہے اور بجلی کی کڑک ہمارے کانوں میں آ رہی ہے لیکن یہ حالت زیادہ دیر تک قائم نہیں رہی۔

پہلا سبق

از جناب صدیق احمد صاحب بی اے (علیگ)

اختر :- راضیہ۔ آج تمھارے ماسٹر صاحب نہیں آئے۔ کیا اتوار کو وہ بھی چھٹی دیتے ہیں؟

راضیہ :- ہاں آج ماسٹر صاحب نہیں آئیں گے۔ آج چھٹی ہے۔ تمھاری بھی تو چھٹی ہے؟

اختر :- ہاں ہماری بھی چھٹی ہے۔ چلو باغ میں چل کر کھیلیں۔

رضو :- ہاں چلو۔

دونوں بچے بھاگتے ہوئے باغ میں پہنچے۔ وہاں ایک کرسی پر بھائی جان بیٹھے ہوئے بلی کے بچے سے کھیل رہے تھے۔ اِن دونوں کو جو انھوں نے آتے دیکھا تو بولے " ارے اختر! آج تم اسکول نہیں گئے؟"

اختر :- بھائی جان۔ آج تو چھٹی ہے۔ اتوار کو ہمارا اسکول بند رہتا ہے۔

راضیہ :- اور ہمارے ماسٹر صاحب بھی اتوار کو نہیں آتے۔

بھائی جان :- واہ بھئی۔ تم لوگوں سے تو ہمارا بلی کا بچہ ہی اچھا۔ وہ نہ کبھی اتوار مناتا ہے نہ چھٹی لیتا ہے۔

اختر :- تو کیا بلی کا بچہ کوئی اسکول جاتا ہے؟ وہ تو دن بھر کھیلا کرتا ہے۔ ہماری طرح اُسے بھی روز کتابیں بغل میں دبا کر اسکول جانا پڑے تو معلوم ہو!

بھائی جان :- واہ جناب! آپ کو یہ بھی نہیں معلوم

بلی کا بچہ تو ہر وقت سبق یاد کیا کرتا ہے ۔ وہ اسکول نہیں جاتا تو کیا ہوا ؟ اس کی ماں تو اُسے ہر وقت پڑھایا کرتی ہے ۔

راضیہ :- اہا ہا ۔ بلی کا بچہ سبق پڑھتا ہے !

بھائی جان :- اور کیا ؟ اور بلی کا بچہ ہی نہیں بلکہ ہر جانور جب چھوٹا ہوتا ہے تو اُسے سبق پڑھنا

شریر تھا ۔ اس نے بطخ کے بچوں کو جو تیرتے ہوئے دیکھا تو ایک دن چپکے سے خود بھی پانی میں اُتر گیا ۔ مگر اُسے تیرنا تو آتا نہیں تھا بس لگا ڈبکیاں کھانے ۔ اب اسے یاد آیا کہ ماں نے پانی میں جانے سے منع کیا تھا ۔ لیکن اب کیا ہو سکتا تھا ۔ بچارا ڈوب گیا ۔

(چڑی کھلانے کا مدرسہ)

پڑتا ہے ۔ اس کے ماں باپ اُسے پڑھاتے ہیں ۔

اختر :- تو کیا انھیں بھی ہماری طرح مار کھانا پڑتی ہے ؟

بھائی جان :- ہاں انھیں بھی مار کھانا پڑتی ہے ۔ البتہ انھیں ماں باپ نہیں مارتے بلکہ جب وہ غلطی کرتے ہیں تو انھیں بڑی تکلیفیں ہوتی ہیں تم نے وہ کہانی نہیں پڑھی جس میں ایک مرغی نے اپنے بچے کو پانی میں جانے سے منع کیا ۔ لیکن مرغی کا بچہ بہت

راضیہ :- تو بھائی جان بلی کا بچہ کب سبق پڑھتا ہے ؟

بھائی جان :- دیکھو جب بلی کوئی چوہا پکڑتی ہے تو اس سے کھیلا کرتی ہے ۔

اختر :- ہاں ہاں ہم نے دیکھا ہے ۔ کبھی اسے چھوڑ دیتی ہے ، کبھی پکڑ لیتی ہے ، پھر چھوڑ دیتی ہے ، پھر دبوچ لیتی ہے ۔

بھائی جان :- ہاں یہی سبق تو وہ اپنے بچوں کو

بھی پڑھاتی ہے۔ شروع شروع میں تو اس کے بچے چوہا پکڑنے سے گھبراتے ہیں مگر جب اُن کی ماں چوہوں سے کھیلنا انھیں سکھا دیتی ہے تو پھر ان کا ڈر نکل جاتا ہے اور وہ بھی چھوٹے چھوٹے جانور پکڑنے لگتے ہیں۔

اختر :۔ تو یہ سبق پڑھانا ہوا ؟

بھائی جان :۔ ہاں یہ سبق ہی تو ہوا جیسے تم پڑھنے لکھتے ہو تاکہ بڑے ہوکر اپنی روزی کماؤ اور بھلے مانس کہلاؤ۔ ویسے ہی یہ جانور بھی اپنا اپنا کام سیکھتے ہیں تاکہ بڑے ہوکر اپنی روزی آپ پیدا کریں۔

راضیہ :۔ اچھا بھائی جان ! بندر بھی کیا اپنے بچوں کو پڑھاتا ہے ؟

بھائی جان :۔ ہاں بندر بھی پڑھاتا ہے۔ تم نے کل دیکھا نہیں کہ ایک بندریا اپنے بچے کو پیٹ سے چمٹائے کوٹھے کی دیواروں پر پھاندتی پھرتی تھی ؟

اختر :۔ ہاں ہاں میں نے دیکھا تھا۔ ایک بندریا اپنے بچے کو پیٹھ پر چڑھائے ہوئے تھی۔

بھائی جان :۔ بس وہ ایک طرح سے اپنے بچے کو سبق پڑھا رہی تھی۔ تم جانو بندر تو اچھل پھاند کا جانور ہی ہے۔ کبھی اس دیوار پر کبھی اس دیوار پر ا اور پھر اس کی چھلانگ بھی غضب کی ہوتی ہے ابھی اس درخت پر بیٹھا ہے۔ یہاں سے اچھلا تو دوسرے درخت پر پہنچ گیا۔ وہاں سے پھاندا تو تیسرے درخت پر جا پہنچا۔

(درخت پر چڑھنے کا پہلا سبق)

راضیہ :۔ تو اس میں سبق پڑھانا کیا ہوا۔

بھائی جان :۔ یہی اچھلنے کودنے کا سبق ہوا۔ بات یہ ہے۔ پہلے پہلے تو بندر کے بچے کو بھی کودتے ہوئے ڈر معلوم ہوتا ہے کہ کہیں گر نہ پڑے۔ مگر اس کی ماں جب اسے چمٹا کر خود کودتی پھاندتی ہے تو دس پانچ دفعہ میں اس کا ڈر نکل جاتا ہے اور پھر وہ بھی آسانی سے کودنے پھاندنے لگتا ہے۔ بعض بچے جو بہت ڈرپوک ہوتے ہیں اور ایک ٹہنی سے دوسری ٹہنی پر کودتے ہوئے گھبراتے ہیں ان کی ماں

انھیں مارتی بھی ہے اور زبردستی پھنداتی ہے

راضیہ :- اچھا اور کتّے کے بچے کیا کرتے ہیں؟

بھائی جان :- کتّے کے بچے تو سب سے زیادہ سبق پڑھتے ہیں اور ایسی ایسی مار کھاتے ہیں کہ آدمی کے بچے کیا کھائیں گے۔

اختر :- ہم نے تو نہیں دیکھا۔ ہمارا جیک تو خوب کھیلتا ہے۔ اسے نہ کوئی مارتا ہے نہ پیٹتا ہے۔

بھائی جان :- تمھیں کیا معلوم کہ جیک نے کیسی کیسی مار کھائی ہے۔ دیکھو جیک سے پہلے جو بچے ہوئے تھے وہ بچارے اسی تکلیف کے مارے مر گئے۔ جانوروں کی مار ایسی تھوڑا ہی ہوتی ہے جیسی تم لوگوں کی۔ ان کی مار تو یہ ہے کہ ماں نے منع کیا کہ بیٹا یہ چیز نہ کھانا شریر بچے نے ماں کا کہنا نہیں مانا اور وہ چیز کھائی تو بس سمجھ لو کہ موت کے منہ میں چلا گیا تو کیا یہ کوئی کم سزا ہے؟ اور پھر اگر حساب لگایا جائے تو ساری دنیا میں آدھے کے قریب کتّوں کے بچے اپنی اسی ضد اور شرارت کی وجہ سے جان دے بیٹھتے ہیں۔

اختر :- اچھا بھائی جان۔ اور کون کون سے جانور سبق پڑھتے ہیں؟

بھائی جان :- سب جانور سبق پڑھتے ہیں۔ دیکھو ہاتھی، کتنا بڑا جانور ہے! مگر وہ بھی پڑھتا ہے۔ اور بیس پچیس برس تک پڑھتا رہتا ہے۔

راضیہ :- وہ کیا پڑھتا ہے؟

بھائی جان :- وہ اپنی سونڈ سے پانی پینا سیکھتا ہے درخت گرانا سیکھتا ہے۔ دشمن سے بچنے کی ترکیب سیکھتا ہے اور وہ سب باتیں سیکھتا ہے جو تم اپنے ہاتھ سے کرتے ہو۔ ہاتھی جب بچہ ہوتا ہے تو بچارے کو اپنی سونڈ سے دودھ پینا بھی نہیں آتا۔ لیکن اس کی ماں اسے سکھاتی ہے۔ اور دو تین ہفتے کے بعد وہ خوب مزے سے دودھ بھی پیتا ہے اور سونڈ سے دوسرے کام بھی لینے لگتا ہے۔

راضیہ :- اور بھائی جان کبوتر؟

بھائی جان :- کبوتر بھی اپنے بچوں کو سبق پڑھاتے ہیں۔ یہ تو تم جانتی ہی ہو کہ ان بچاری چڑیوں کی زندگی اسی دانے دنکے پر بسر ہوتی ہے۔ جو اِدھر اُدھر پڑے رہتے ہیں۔ اسی وجہ سے یہ پھدک پھدک کر ایک جگہ سے دوسری جگہ اُڑتی پھرتی ہیں تاکہ جہاں کہیں کھانے کی کوئی چیز ملے فوراً چونچ میں دبا لائیں۔ ان کے بچے جب انڈوں میں سے نکلتے ہیں تو بالکل گوشت کے لوتھڑے معلوم ہوتے ہیں۔ نہ اُڑ سکتے ہیں نہ چل سکتے ہیں۔ ان بچاروں کو یہ بھی نہیں آتا کہ اپنی چونچ سے دانہ ہی اُٹھالیں۔ ایسی حالت میں ان کے ماں باپ

دانہ چن چن کر لاتے ہیں اور اپنے پوٹے میں رکھ کر انھیں خوب نرم کر لیتے ہیں۔ جب وہ ہضم ہونے کے قابل ہو جاتا ہے تو بچوں کے منہ میں اپنی چونچ ڈال کر وہ دانہ اُن کے پیٹ میں پہنچا دیتے ہیں اس طرح وہ انھیں دانہ کھانا سکھاتے ہیں۔ کبوتر اس معاملے میں بڑا ہوشیار ہوتا ہے وہ اپنے بچوں کا بڑا خیال رکھتا ہے اور ایسی ایسی دوائیں کھلاتا ہے کہ جن سے بچوں کا معدہ خوب صاف اور مضبوط ہو جائے۔

راضیہ :۔ تو کیا کبوتر حکیم ہوتا ہے جو اُسے دوائیں معلوم ہوتی ہیں؟

بھائی جان :۔ ہاں چھوٹا موٹا حکیم ہی سمجھو۔ جیسے ہماری امی جان کو بہت سی دوائیں معلوم ہیں، ویسے ہی کبوتروں کو بھی دو چار کام کی چیزیں معلوم ہوتی ہیں۔

اختر :۔ ہماری امی جان تو ہمیں منقے کھلاتی ہیں۔ کبوتروں کو منقے کہاں سے ملتے ہیں؟

راضیہ :۔ کلو پنساری کے ہاں سے لے آتا ہوگا۔ اسے کیا ہے؟ اپنے چھجے سے اُڑ گیا اور ایک منقہ چونچ میں دبا لایا۔

بھائی جان :۔ نہیں، نہیں! کبوتر منقے نہیں کھلاتا وہ دوسری دوا لاتا ہے۔ تم نے حمام میں دیکھا ہوگا کہ دیواروں پر کہیں کہیں لونی لگی ہوتی ہے۔

اختر :۔ ہاں ہاں ہم نے ایک دن چکھی تھا۔ نمکین نمکین ہوتی ہے۔

بھائی جان :۔ بس، بس وہی۔ اسی کو لونی کہتے ہیں۔ تو کبوتر یہ لونی لے جا کر اپنے بچوں کو کھلاتے ہیں۔ اس سے اُن کا معدہ خوب صاف اور قوی ہو جاتا ہے۔

راضیہ :۔ واہ بھئی۔ کبوتر بھی بڑا سیانا ہوتا ہے!

بھائی جان :۔ ہاں اور کیا۔ اللہ میاں نے کام چلانے بھر کی عقل سب ہی کو دی ہے۔ اب دیکھو پہاڑی بکرا ہے۔ یہ بھی اپنے بچوں کو سکھاتا پڑھاتا رہتا ہے۔ پہاڑ تو تم نے دیکھے ہی ہیں، کہیں اونچے کہیں نیچے۔ جو بکرے ان میں رہتے ہیں انھیں بھی ان ٹیلوں پر کودنا پھاندنا پڑتا ہے۔ پھر پہاڑ پر چڑھنا کوئی معمولی کام تو ہے نہیں۔ تم دس قدم چلو تو تھک جاؤ مگر یہ بچارے اگر چڑھیں اُتریں نہیں تو انھیں گھاس کھانے کو نہ ملے اور پھر شکاری جانور کھا جائیں وہ الگ!

اختر :۔ تو بھائی جان وہ اپنے بچوں کو کیسے سکھاتا ہے؟

بھائی جان :۔ بہت آسانی سے۔ مگر شروع شروع میں دقت ہوتی ہے۔ تم نے دیکھا ہے پہاڑی بکرے کے سینگ کتنے بڑے ہوتے ہیں؟

راضیہ:- ہاں، ہم نے عجائب خانے میں دیکھا ہے
بڑے بھاری سینگ ہوتے ہیں، جیسے درخت
کی شاخیں۔
بھائی جان:- ٹھیک! تم سمجھ گئیں۔ ہوتا یہ ہے کہ
بچوں کی ماں زمین پر بیٹھ جاتی ہے اور اس کے

(پہاڑ پر چڑھنے کا پہلا سبق)

بچے کبھی پیٹھ پر کبھی سینگوں پر چڑھ جاتے ہیں
پھر اُترتے ہیں پھر چڑھ جاتے ہیں۔ اس طرح
انھیں عادت ڈلوائی جاتی ہے کہ پہاڑ کی
چڑھائیوں پر بھی چڑھ اُتر سکیں۔
راضیہ:- تو کیا بھائی جان یہ سینگ اسی لئے ہوتے
ہیں؟-
بھائی جان:- نہیں! اس لئے تو نہیں ہوتے۔ سینگوں
سے تو بکرے اپنی حفاظت کرتے ہیں۔ اور جب
کوئی دشمن مقابلے پر آجاتا ہے تو اپنے سینگوں
سے اُسے خوب مارتے ہیں۔ اپنے بچوں کو بھی وہ
سینگوں سے مارنا سکھاتے ہیں۔
اختر:- اچھا تب ہی ہماری بکری اپنے بچوں کو کبھی کبھی
سینگوں سے مارا کرتی ہے۔ ہم نے ایک دفعہ
بچایا تو بکری ہمیں بھی مارنے دوڑی۔
بھائی جان:- ہاں وہ مار نہیں رہی تھی بلکہ اپنے

بچوں کو سینگوں سے لڑنے کا سبق پڑھا رہی تھی
تم نے بچوں کا ہرج کیا تو وہ تمہیں مارنے دوڑیں
اب نہ کرنا۔ نہیں تو وہ تمہیں ڈھکیل دے گی
راضیہ :۔ مگر بھائی جان بطخ کے بچے تو پیدا ہوتے
ہی تیرنے لگتے ہیں۔
بھائی جان :۔ واہ بھئی! یہ تم سے کس نے کہہ دیا؟
پہلے وہ بھی سیکھتے ہیں۔ اس روز تالاب میں تم
نے دیکھا نہیں کہ بڑی بطخ آگے آگے اور اس کے
بچے پیچھے پیچھے ایک قطار میں تیر رہے تھے؟
تو یہ اسی وجہ سے کہ ان کی ماں نے سکھا دیا ہے
کہ دیکھو آگے آگے ہم چلتے ہیں، پیچھے پیچھے تم آؤ
اور جیسے ہم تیرتے ہیں ایسے ہی تم بھی تیرو۔
اختر :۔ اور بھائی جان وہ کبھی کبھی پانی میں چونچ
ڈال کر مچھلی بھی تو پکڑتے تھے؟
بھائی جان :۔ ہاں! مگر مچھلی پکڑنے والی ایک اور
چڑیا ہوتی ہے جو پانی پر اڑتے اڑتے ہوا میں
ایک جگہ پر رک جاتی ہے اور جیسے ہی اسے
پانی میں کوئی مچھلی دکھائی دیتی ہے، وہ تیر کی طرح
غوطہ مار کر اسے پکڑ لاتی ہے۔
راضیہ :۔ اس کے بچے پانی میں غوطہ لگاتے ڈرتے
نہیں؟
بھائی جان :۔ ڈرتے کیوں نہیں۔ اس کے بچے
تو بہت ڈرتے ہیں مگر وہ چڑیا بھی تو بڑی ہوشیار

ہوتی ہے۔ جہاں اس نے دیکھا کہ اس کا بچہ
پانی میں غوطہ لگانے سے ڈر رہا ہے۔ بس وہ
جھپٹ کر اس کی گردن اپنی چونچ میں دبا لیتی
ہے اور اسے لے کر خود پانی میں غوطہ مارتی ہے
پہلے پہلے تو بچہ گھبراتا ہے۔ مگر پھر اس کا بھی

(تیرنے کا پہلا سبق)

ڈر نکل جاتا ہے اور وہ اپنے آپ مچھلی کا شکار
کرنے لگتا ہے۔
راضیہ :۔ اوئی اللہ۔ کیسی بے رحم ہوتی ہے۔ اگر
پانی میں اس کا بچہ چھوٹ جائے تو ڈوب ہی

جائے۔

بھائی جان :۔ ہاں اور کیا۔ لیکن اگر وہ یوں نہ سکھائے تو جیسے ہم لوگوں میں بہت سے بچے جاہل نکل جاتے ہیں ویسے ہی اس کے بچے بھی جاہل رہ جائیں۔

اختر :۔ بھائی جان ایک جانور بھی تو ہوتا ہے جو اپنے بچے کو پیٹ میں رکھ لیتا ہے۔ کل ماسٹر صاحب نے بتایا تھا کہ وہ آسٹریلیا میں ہوتا ہے۔

بھائی جان :۔ ہاں، اس کا نام کنگرو ہے۔ اس کی اگلی ٹانگیں بہت چھوٹی اور پچھلی بہت بڑی ہوتی ہیں۔ اس کی جان کے لاگو بہت سے جانور ہوتے ہیں لہذا یہ بھاگنے میں بہت تیز ہوتا ہے۔ مگر

یہ اس کے پیٹ میں لگی رہتی ہے، جہاں اس نے کسی دشمن کو دیکھا بس فوراً اپنے بچے کو اس میں بٹھا کر تیر کی طرح بھاگنے لگی۔

راضیہ :۔ اور بچہ ؟

بھائی جان :۔ بچہ اپنے مزے سے گردن نکال کر اِدھر اُدھر جھانکتا رہتا ہے۔

"اللہ ننھے کو ہمارے ساتھ کھیلنے دیجئے"

بچارے کے بچے تو جانور چھوٹے چھوٹے ہوتے ہی ہیں، وہ بھلا کیسے تیز بھاگ سکتے ہیں۔

راضیہ :۔ تو کیا وہ بھی اپنے بچے کو بندریا کی طرح اپنے پیٹ سے چمٹا لیتا ہے ؟

بھائی جان :۔ نہیں پیٹ میں چمٹتے تو نہیں۔ البتہ ان کی ماں کو اللہ میاں نے ایک تھیلی دی ہے

اختر :۔ تو بھائی جان پھر وہ اپنے بچے کو سکھاتی کیسے ہے ؟

بھائی جان :۔ یہی سکھاتی ہے کہ جب دشمن اس طرح دکھائی دے تو تم بھی بھاگ جایا کرو۔

راضیہ :۔ بچہ تو بڑے مزے میں رہتا ہے اپنے سیر سپاٹے بھی کرتا ہے اور مفت میں سبق بھی پڑھتا ہے !!

بھائی جان:۔ سب سے زیادہ مزے میں مگرمچھ رہتا ہے۔

اختر:۔ وہ کیسے؟

بھائی جان:۔ بھئی بات یہ ہے کہ دریائی گھوڑا تو جانو پانی کا جانور ٹھیرا۔ اس کے بچے ہزاروں آفتوں کا شکار بنے رہتے ہیں۔ کہیں مگرمچھ منہ پھیلائے بیٹھا ہے۔ کہیں سونس جبڑا کھولے تیرتا چلا آرہا نہیں ہوتے۔ وہاں تو بس پانی ہی پانی ہوتا ہے۔

راضیہ:۔ تو اُن کے بچے کیا کرتے ہیں؟ آپ تو کہتے ہیں وہ بڑے مزے میں رہتے ہیں۔

بھائی جان:۔ ہاں وہ ہمیشہ اپنی ماں کی پیٹھ پر سوار رہتے ہیں اور ان کی ماں انھیں لیے لیے گھوما کرتی ہے۔ انھیں سیر کرنے میں بڑا لطف

(ان کے ماں باپ نے انھیں یوں ہی چھوڑ رکھا ہے)

ہے، کہیں بڑی بڑی مچھلیاں اس کے پیچھے لگی ہوئی ہیں۔ بس ایک مصیبت میں جان رہتی ہے تو ایسے موقع پر اگر اس کے بچے اکیلے رہ جائیں تو کوئی نہ کوئی جانور انھیں کھا جائے۔

اختر:۔ تو کیا ان کا کوئی گھر نہیں ہوتا؟

بھائی جان:۔ ہوتا کیوں نہیں وہ سمندر ہی میں کوئی جگہ ایسی تلاش کر لیتے ہیں جہاں دوسرے جانور کم ہوں۔ البتہ گھرے ہوئے مکانات آتا ہے۔ کبھی تہہ میں چلے گئے، کبھی کنارے آگئے کبھی سطح پر تیر رہے ہیں، اور پھر مزا یہ کہ مچھلیاں پکڑنے انھیں کہیں جانا نہیں پڑتا۔ اُن کی ماں انھیں اپنی پیٹھ پر سوار کرا کے اس طرف تیرتی ہوئی جاتی ہے، جہاں بہت سی چھوٹی چھوٹی مچھلیاں ہوں۔ بس یہ اپنا جبڑا کھول دیتا ہے اور پانی کے ساتھ سینکڑوں مچھلیاں اس کے منہ میں سما جاتی ہیں۔ جب منہ بند کرتا ہے تو پانی تو

نکل جاتا ہے اور مچھلیاں پیٹ کے اندر چلی جاتی ہیں۔

راضیہ :۔ واہ بھئی خوب۔ اللہ میاں ہم بھی مگرمچھ ہوتے تو بڑا مزا آتا۔ اپنی امّی جان کی پیٹھ پر سوار ہو کر خوب گھومتے اور مچھلیاں پکڑتے۔

اختر :۔ بس تم سب کچھ ہوئیں۔ بڑی بچاری مگرمچھ بنیں گی۔ گدھی نہ ہوئیں؟

راضیہ :۔ تو ہم کوئی تم سے بول رہے ہیں؟ ہم تو ایک بات کہہ رہے ہیں۔ تم کیوں بُرا مانتے ہو؟

بھائی جان :۔ ارے پھر تم لوگوں نے لڑنا شروع کیا! ابھی چپ چاپ بیٹھے کام کی باتیں سُن رہے تھے۔ اب لڑنے لگے؟ جاؤ اب نہیں سنائیں گے۔

اختر :۔ اچھا بھائی جان اب نہیں لڑیں گے۔ اور سنائیے؟

بھائی جان :۔ اب آج نہیں۔ کل آنا تو اور باتیں بتائیں گے۔

دونوں بچے جاتے ہیں لیکن افسوس ضرور ہے کہ ہم نے کیوں لڑ کر ایسی اچھی باتیں ختم کر دیں۔

چینی

محترمہ ہاجرہ بیگم

"کچھ سلک چاہئے میم صاحب"۔

حمیدہ دوڑی دوڑی امی پاس آئی "امی "چائنا مین" ہے، کچھ چاہئے؟"

"دیکھوں"! امی بولیں اور چق میں سے جھانکنے لگیں۔ "لے ہے ان سب کی شکلیں ایک سی ہوتی ہیں کل آیا تھا وہ بھی اسی قطع کا تھا اور دیکھو تو کیسا بڑا سا گٹھر سائیکل پر لئے گھوم رہا ہے اور زبان تو ایک کی بھی سمجھ میں نہیں آتی۔ ہاں کام بہت عمدہ کرکے لاتے ہیں"۔ حمیدہ کا چھوٹا بھائی اسکول سے لوٹ رہا تھا بیچنے والے کو دیکھ کر کودنے لگا اور بستہ اچھال اچھال کر لگا گانے۔ "چائنا مین، چائنا مین چوں، چوں، چوں۔ کہو چون کیا لایا ہے"۔

اتنے میں بھائی جان آپہنچے۔ انھوں نے بری طرح سعید کو گھورا اور اشارے سے اندر بلایا سعید چپکا پاس آکر کھڑا ہوگیا۔ بھائی جان بولے "سعید اگر تم کو کوئی کہے" کالا کلوٹا۔ کالا کلوٹا تم کو کیسا لگے گا؟"

سعید کھسیا سا گیا اور بولا "کوئی کہے ہی کیوں"۔

"کیوں نہیں جب میں ولایت میں تھا تو لندن کے بچے اکثر میرے پیچھے دوڑتے تھے اور کہتے تھے "کالا آدمی، کالا آدمی"۔

سعید کا منہ لال ہوگیا۔ دانت بھینچ کر بولا۔

"بڑے بدتمیز ہوتے ہیں۔ ہم کالے ہیں تو وہ لال منہ کے بندر ہوں گے"۔

"بس تو" بھائی جان نے کہا "جیسے تمھارا دل ویسے ہی دوسروں کا دل سمجھو۔ یہ بے چارے اپنے ملک سے تمھارے یہاں کاروبار کرنے آتے ہیں ہمارے تمھارے جیسے انسان ہیں۔ اگر شکل میں فرق ہے تو کیا ضروری ہے کہ ہم بدتمیز بن کر ان کو چائنا مین کہیں اور چڑھائیں؟"

"تو پھر کیا کہیں" سعید نے حیرت سے پوچھا "چائنا مین تو ہیں ہی"۔

"چائنا مین کوئی لفظ نہیں۔ یہ تو انگریزوں نے ان کی ہتک کرنے کو لفظ بنا لیا ہے۔ جیسے ہندستانیوں

کو مینو کہا کرتے تھے۔ یہ لوگ قوم کے چینی ہیں اُن کو چینی مرد کہنا چاہیئے ؟"

سعید اب بھی اپنی ضد پر قائم رہا۔ بولا "واہ چینی کیا! چینی تو مرغی ہوتی ہے یا چینی برتن ہوتے ہیں"

"ہاں کیوں نہیں:" بھائی جان بولے "ہوتے ہیں۔ اور شروع شروع میں یہ سب چیزیں جن کو ہم چینی کہتے ہیں صرف چین ہی میں بنتی تھیں اور وہاں سے ہم تک پہنچتی تھیں۔ اگر تمھیں چینیوں کی ہوشیاری اور کاری گری کا حال معلوم ہو تو بجائے اُن پر ہنسنے کے تم شرم سے سر جھکالو"

اب تو سعید، حمید اور امّی سب کی سب بھائی جان کی باتوں میں لگ گئیں۔ حمیدہ بولی "بھائی جان کیا چینی بہت مال دار ہوتے ہیں؟"

"نہیں یہ تو میں نہیں کہتا۔ لیکن چینی قوم بہت ہنر مند ہے، اور آج سے نہیں سینکڑوں برس سے چینی اتنی خوب صورت اور نایاب چیزیں بناتے آئے ہیں کہ دنیا بھر میں اُن کے مال کی مانگ تھی۔ ریشم کا کام ہی دیکھو جس زمانے میں انگریز موٹا جھوٹا پہنتے تھے یا کھالیں لپیٹ کر گھومتے تھے۔ چینی نہایت عمدہ ریشم بناتے تھے، ہیرے، جواہرات، ہاتھی دانت کا کام، خوب صورت پھول پتے، لکڑی اور کاغذ پر بنانا، غرضکہ ہر طرح کی دستکاری میں ماہر تھے۔ اور تو اور چینی اس وقت لکھنا پڑھنا جانتے تھے اور کتب خانے، یونیورسٹیاں اُن کے یہاں تھیں جبکہ یورپ کے لوگ ان باتوں سے ناواقف تھے۔ تم نے سنا ہی ہوگا کہ ہمارے رسولؐ نے فرمایا کہ "علم حاصل کرو چاہے اس کے لئے تمھیں چین ہی جانا پڑے؟"

"ہاں، ہاں" سعید بات کاٹ کر بولا" ہماری اردو کی کتاب میں لکھا ہے "نگارخانہ چین"۔

امّی بہت دیر سے چپ تھیں بولیں۔ "بیٹے جب ان کے ملک میں اللہ کا دیا سب کچھ ہے تو نگوڑے کیوں دیس بدیس در در کی ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں۔ رہیں نہ اپنے ہی شہر میں۔ آخر ہم تو انجان ہیں ہمارے یہاں آئیں گے تو ہم اُن کا دل دکھائیں گے"۔

بھائی جان نے کہا "امّی اللہ کا دیا سب کچھ تو تھا ہی لیکن یہ میں نے کب کہا کہ اب بھی ہے۔ آخر یوں تو ہندوستان میں لوگ کہتے ہیں کہ دودھ دہی کی نہریں بہتی تھیں۔ اب کیوں نہیں بہتیں؟"۔

حمیدہ بھائی جان کی پرانی شاگرد تھیں جھٹ چٹک کر بولیں "انگریز سب لوٹ کھسوٹ کرلے گئے"۔

بھائی جان نے کہا "بس تو یوں ہی سمجھو۔ چین جیسا خزانہ دوسرے لوگ کیسے چھوڑ دیتے۔ سب سے پہلے تو جاپان ہی چین پر دانت لگائے بیٹھا تھا۔ ۱۴ سال سے جاپان حملے پر حملہ کر رہا تھا لیکن پورے ملک پر قبضہ نہ کر سکا۔ پھر آئے انگریز، انھوں نے اپنی پرانی چال چلی۔ تجارت کی غرض سے گئے لیکن چینیوں

نے یوں تو اپنے ملک پر قبضہ نہ ہونے دیا البتہ روپیے کے معاملے میں پھنس گئے۔ انگریزوں میں جرمن، فرانسیسی، امریکن اور برٹش سب نے چین کے تاجروں کو روپیہ دیا اور اس کے بدلے بڑے بڑے شہروں پر قبضہ کرلیا۔ اور کل کاروبار کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ بس اس طرح چین چاروں طرف سے لٹتا گیا۔ اور چینی روز بروز تباہ ہوتے گئے؟"

"اور چپکے بیٹھے پٹتے رہے؟" امی نے پوچھا۔

"ارے بھئی ہندوستانی کیسے پٹتے گئے؟ اتنا بڑا ملک کیسے مٹھی بھر لوگوں کے قبضے میں آگیا؟ وہاں اپنی ہی خانہ جنگی سے فرصت نہ تھی۔ پہلے چینیوں کا شاہنشاہ تھا وہ لڑائی ہی کرتا رہتا تھا۔ لوگوں نے اس کو مار بھگایا۔ انقلاب کیا۔ پھر اس پر لڑائی ہوئی کہ اب کیسی حکومت ہو، تو ایک حصّہ تو جمہوریت بن گیا ایک قومی حکومت قائم کرنے کے پیچھے پڑا رہا۔ انگریز اور جاپان دونوں فریقوں کو رشوت دینے کے پیچھے پڑے رہے، ادھر ملک تباہ ہوتا رہا۔ نہ وہ دولت رہی نہ علم نہ ہنر۔ آج ایک فوج آکر دھاوا مار گئی کل دوسری آن کر بم برسا گئی؟"

"ہے ہے" امی بولیں "جب ہی یہ نگوڑے چینا گھبرا کر نکل بھاگے" بھائی جان ہنسنے لگے۔

"نہیں امی یہ لوگ جنھیں آپ دیکھتے ہیں یہ تو تجارت کی غرض سے آئے ہوئے ہیں، لڑنے والے تو چین ہی میں رہتے ہیں۔ بھاگتے تھوڑا ہی ہیں۔"

"بھائی جان کیا چین ختم ہو جائے گا؟"

"اب یہ کون کہہ سکتا ہے" بھائی جان نے جواب دیا" البتہ ختم ہونا نہ چاہیئے۔ پچھلے دنوں جب جاپان نے زوروں میں چین پر چڑھائی کی تو چینیوں کو عقل آئی اور آپس کے جھگڑے قصے چھوڑ کر اتفاق کرلیا اور اس بات کا عہد کرلیا کہ مرتے مرجائیں گے لیکن جاپان کے غلام بن کر نہ رہیں گے اور حمیدہ میں نے ابھی اخبار میں دیکھا تھا کہ چینی یونیورسٹیوں سے جتنے لڑکے لڑکیاں پڑھ کر نکلے ہیں۔ انھوں نے مل کر چینی حکومت کو عرضی دی ہے کہ ہم نوکری کرنا چاہتے ہیں نہ کاروبار، بلکہ اپنی جانیں قوم کی خدمت کے لئے آپ کے سپرد کر دیتے ہیں۔ آپ جس طرح کا کام چاہیں ہم سے ملک کے بچانے کے لئے لیں۔"

"جناب" سعید اکڑ کر بولا۔ "چینی بچوں کے بارے میں ہم نے اسکول میں پڑھا ہے۔ لمبے لمبے لبادے پہنتے ہیں۔ لڑکوں کے سر پر چوٹیاں ہوتی ہیں اور لڑکیوں کے پاؤں باندھ دیئے جاتے ہیں۔"

بھائی جان کھل کھلا کر ہنس پڑے" ارے میاں کس زمانے کی باتیں کر رہے ہو؟ تم سمجھتے ہو کہ یونیورسٹی کے لڑکے چوٹیاں رکھتے ہوں گے اور لڑکیاں پاؤں باندھ کر بیٹھی ہوں گی؟ یہ تو ایسا ہی ہے کہ کوئی کہے ہندوستانی بچے کان میں بندہ

کومیٹو کہا کرتے تھے۔ یہ لوگ قوم کے چینی ہیں اُن کو چینی مرد کہنا چاہیئے۔"

سعید اب بھی اپنی ضد پر قائم رہا۔ بولا "واہ چینی کیا؟ چینی تو مرغی ہوتی ہے یا چینی برتن ہوتے ہیں"

"ہاں کیوں نہیں" بھائی جان بولے "ہوتے ہیں۔ اور شروع شروع میں یہ سب چیزیں جن کو ہم چینی کہتے ہیں صرف چین ہی میں بنتی تھیں اور وہاں سے ہم تک پہنچتی تھیں۔ اگر تمھیں چینیوں کی ہوشیاری اور کاریگری کا حال معلوم ہو تو بجائے اُن پر ہنسنے کے تم شرم سے سر جھکالو۔"

اب تو سعید، حمید اور اَمّی سب کی سب بھائی جان کی باتوں میں لگ گئیں۔ حمیدہ بولی "بھائی جان کیا چینی بہت مال دار ہوتے ہیں؟"

"نہیں یہ تو میں نہیں کہتا۔ لیکن چینی قوم بہت ہنر مند ہے، اور آج سے نہیں سینکڑوں برس سے چینی اتنی خوب صورت اور نایاب چیزیں بناتے آئے ہیں کہ دنیا بھر میں اُن کے مال کی مانگ تھی۔ ریشم کا کام ہی دیکھو جس زمانے میں انگریز موٹا جھوٹا پہنتے تھے یا کھالیں لپیٹ کر گھومتے تھے۔ چینی نہایت عمدہ ریشم بناتے تھے، ہیرے، جواہرات، ہاتھی دانت کا کام، خوب صورت پھول پتے، لکڑی اور کاغذ پر بنانا، غرضکہ ہر طرح کی دستکاری میں ماہر تھے۔ اور تو اور چینی اس وقت لکھنا پڑھنا جانتے تھے اور کتب خانے، یونیورسٹیاں اُن کے یہاں تھیں جبکہ یورپ کے لوگ ان باتوں سے ناواقف تھے۔ تم نے سنا ہی ہوگا کہ ہمارے رسولؐ نے فرمایا کہ "علم حاصل کرو چاہے اس کے لئے تمھیں چین ہی جانا پڑے؟"

"ہاں، ہاں" سعید بات کاٹ کر بولا "ہماری اردو کی کتاب میں لکھا ہے "نگارخانہ چین"۔"

اُمّی بہت دیر سے چپ تھیں، بولیں۔ "بیٹے جب ان کے ملک میں اللہ کا دیا سب کچھ ہے تو نگوڑے کیوں دیس بدیس در در کی ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں۔ رہیں نہ اپنے ہی شہر میں۔ آخر ہم تو انجان ہیں ہمارے یہاں آئیں گے تو ہم اُن کا دل دکھائیں گے۔"

بھائی جان نے کہا۔ "اَمّی اللہ کا دیا سب یہ کچھ تو تھا ہی لیکن یہ میں نے کب کہا کہ اب بھی ہے۔ آخر یوں تو ہندوستان میں لوگ کہتے ہیں کہ دودھ دہی کی نہریں بہتی تھیں۔ اب کیوں نہیں بہتیں؟"

حمیدہ بھائی جان کی پرانی شاگرد تھیں جھٹ چٹک کر بولیں "انگریز سب لوٹ کھسوٹ کرلے گئے۔"

بھائی جان نے کہا "بس تو یوں ہی سمجھو۔ چین جیسا خزانہ دوسرے لوگ کیسے چھوڑ دیتے۔ سب سے پہلے تو جاپان ہی چین پر دانت لگائے بیٹھا تھا۔ ۱۲۰ سال سے جاپان حملے پر حملہ کر رہا تھا لیکن پورے ملک پر قبضہ نہ کرسکا۔ پھر آئے انگریز، انھوں نے اپنی پرانی چال چلی۔ تجارت کی غرض سے گئے لیکن چینیوں

نے یوں تو اپنے ملک پر قبضہ نہ ہونے دیا البتہ روپے کے معاملے میں پھنس گئے۔ انگریزوں میں جرمن، فرانسیسی، امریکن اور برٹش سب نے چین کے تاجروں کو روپیہ دیا اور اس کے بدلے بڑے بڑے شہروں پر قبضہ کر لیا۔ اور کل کاروبار کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ بس اس طرح چین چاروں طرف سے لٹتا گیا۔ اور چینی روز بروز تباہ ہوتے گئے؟"

"اور چپکے بیٹھے پٹتے رہے؟" امی نے پوچھا۔

"ارے بھئی ہندوستانی کیسے پٹتے گئے، اتنا بڑا ملک کیسے مٹھی بھر لوگوں کے قبضے میں آگیا؟ وہاں اپنی ہی خانہ جنگی سے فرصت نہ تھی۔ پہلے چینیوں کا شاہنشاہ تھا وہ لوٹا ہی کرتا رہتا تھا۔ لوگوں نے اس کو مار بھگایا۔ انقلاب کیا۔ پھر اس پر لڑائی ہوئی کہ اب کیسی حکومت ہو، تو ایک حصہ تو جمہوریت بن گیا ایک قومی حکومت قائم کرنے کے پیچھے پڑا رہا۔ انگریز اور جاپان دونوں فریقوں کو رشوت دینے کے پیچھے جٹے رہے، ادھر ملک تباہ ہوتا رہا۔ نہ وہ دولت رہی نہ علم رہا۔ آج ایک فوج آکر دھاوا مار گئی کل دوسری آن کر بم برسا گئی۔"

"ارے ہٹ" امی بولیں "جب ہی یہ نگوڑے پینا گھبرا کر نکل بھاگے۔" بھائی جان ہنسنے لگے۔

"نہیں امی یہ لوگ جنھیں آپ دیکھتے ہیں یہ تو تجارت کی غرض سے آئے ہوئے ہیں، لڑنے والے تو چین ہی میں رہتے ہیں۔ بھاگتے تھوڑا ہی ہیں۔"

"بھائی جان کیا چین ختم ہو جائے گا؟"

"اب یہ کون کہہ سکتا ہے" بھائی جان نے جواب دیا "البتہ ختم ہونا نہ چاہیئے۔ پچھلے دنوں جب جاپان نے زوروں میں چین پر چڑھائی کی تو چینیوں کو عقل آئی اور آپس کے جھگڑے قصے چھوڑ کر اتفاق کر لیا اور اس بات کا عہد کر لیا کہ مر تے مر جائیں گے لیکن جاپان کے غلام بن کر نہ رہیں گے اور حمیدہ میں نے ابھی اخبار میں دیکھا تھا کہ چینی یونیورسٹیوں سے جتنے لڑکے لڑکیاں پڑھ کر نکلے ہیں۔ انھوں نے مل کر چینی حکومت کو عرضی دی ہے کہ ہم نوکری کرنا چاہتے ہیں نہ کاروبار، بلکہ اپنی جانیں قوم کی خدمت کے لئے آپ کے سپرد کر دیتے ہیں۔ آپ جس طرح کا کام چاہیں ہم سے ملک کے بچانے کے لئے لیں۔"

"جناب" سعید اکڑ کر بولا "چینی بچوں کے بارے میں ہم نے اسکول میں پڑھا ہے۔ لمبے لمبے لبادے پہنتے ہیں۔ لڑکوں کے سر پر چوٹیاں ہوتی ہیں اور لڑکیوں کے پاؤں باندھ دئے جاتے ہیں۔"

بھائی جان کھل کھلا کر ہنس پڑے "ارے میاں کس زمانے کی باتیں کر رہے ہو؟ تم سمجھتے ہو کہ یونیورسٹی کے لڑکے چوٹیاں رکھتے ہوں گے اور لڑکیاں پاؤں باندھ کر بیٹھتی ہوں گی؟ یہ تو ایسا ہی ہے کہ کوئی کہے ہندوستانی بچے کان میں بندہ

اور ہاتھ میں کڑا پہنتے ہیں اور لڑکیاں لہنگا پہنتی ہیں۔ یہ تو پرانے وقتوں کی باتیں ہیں بے شک چین کے دیہاتوں میں اب بھی بچے لبادے اور پاجامے پہنتے ہیں۔ لیکن تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ انھوں نے اپنی پرانی رسمیں بھی چھوڑ دی ہیں نہ لڑکیوں کے پاؤں بندھتے ہیں نہ لڑکوں کی چوٹیاں ہوتی ہیں۔ کپڑے بھی ہماری تمھاری طرح ضرورت کے لحاظ سے پہنتے ہیں۔ فوجی افسر وردی پہنتے ہیں۔ باقی لوگ کوٹ، پتلون یا پاجامے پہنتے ہیں پیسے والے بوٹ بھی پہنتے ہیں۔ اور غریب ننگے پاؤں بھی پھرتے ہیں۔"

سعید میاں ذرا کھسیانے ہو گئے تھے شرمندگی مٹانے کو بولے "خیر آپ نے لکچر تو پلا دیا لیکن وہ چینیا مین نہیں معاف کیجیے، چینی سوداگر صاحب ابھی تک دھوپ میں کھڑے ہیں۔ اُن کی تو سُن لیجیے۔"

"سچ تو ہے" امی بولیں "نہیں خریدنا درید نا تو ہے نہیں اور وہ غریب دھوپ میں تپ رہا ہے"

بی حمیدہ کا ہمدردی کا پارہ تو جلد چڑھتا تھا۔ کہنے لگیں "بے چارہ! پیاس بھی تو لگ رہی ہوگی اکبو بھائی جان۔ اگر ہم اس کو کچھ کھانے کو دیں تو کھالے گا کوئی فقیر تھوڑا ہی ہے" بھائی جان نے کہا "شاید بُرا مان جائے۔ ہاں اگر تم کہو تو تمھاری طرف سے چائے پینے کے لئے پوچھ لوں"

بھائی جان نے انگریزی میں چینی سے پوچھا تو اس نے مسکرا کر چائے سے تو انکار کر دیا لیکن پانی کا ایک گلاس مانگا جو حمیدہ تمیز سے تشتری میں رکھ کر لائیں اور جس کو شکرے کے ساتھ چینی نے پیا اور اپنی سائیکل پکڑ، چلتا ہوا ۔

آکٹوپس کا شکار

حامد حسین صدیقی
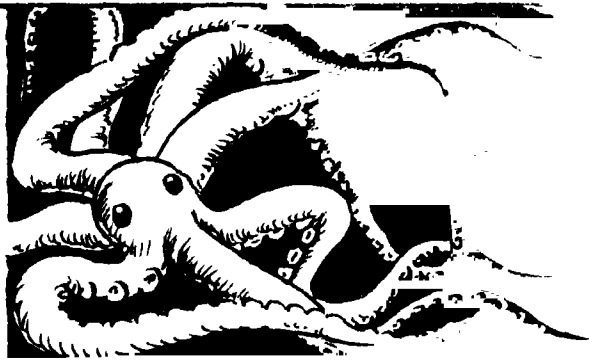
اکٹوپس (سیپ کی قسم کا ایک بڑا جانور جس کے آٹھ سونڈیں سی ہوتی ہیں) ساحلوں کے کنارے پایا جاتا ہے۔ اندھیری راتوں میں دیہاتی آگ، بھالے اور جال کی ٹوکریاں لئے ہوئے اُن کو پکڑتے ہیں۔ لیکن ان دقیانوسی ترکیبوں سے زیادہ اکٹوپس ہاتھ نہیں آتے۔ زیادہ تعداد میں پکڑنے ہوں تو شکاری سمندر میں دور تک جاتے ہیں۔ ایک دفعہ شام کو ہم بھی ان کے ساتھ خلیج پار گئے۔ مگر سورج غروب ہوگیا اور

رات وہیں پہاڑی پر بسر کرنا پڑی۔

جب سورج کی پہلی کرن نظر آئی تو ہم نے ایک ڈورسے جس میں بہت سے بنسے لگے ہوئے تھے مچھلی کا شکار شروع کیا۔ کشتی میں ڈالتے ہی یہ پکڑی ہوئی مچھلیاں اچھلیں اور گول اور چمکتی ہوئی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھتیں رات ہوئی تو پیٹرول سے جلنے والا بڑا لیمپ روشن کیا گیا جس طرح لو کے آس پاس پروانے چکر کاٹتے ہیں، بس بالکل اسی طرح لیمپ کی شعاعوں کے آس پاس چھوٹی چھوٹی مچھلیاں تیر رہی تھیں۔

ان مچھلیوں کو کھانے کے لئے ایک بڑی مچھلی آئی۔ شکاری اُسے دیکھ کر کھڑا ہوگیا اور دس نوکوں والا بھالا اٹھاکر اس کے بھونک دیا پانی سے جب بھالا اوپر اُٹھایا تو اس میں اکٹوپس تھا جس کے بدن سے کالا پانی نکل رہا تھا۔ تنہا تیرنے والوں کو یہ خطرے میں ڈال دیتا ہے اس لئے کہ چار یا پانچ پونڈ وزنی اکٹوپس آدمی کو بہ آسانی ڈبو سکتا ہے۔

اس کے آٹھ ہاتھوں یا سونڈوں میں بہت سے منہ سے ہوتے ہیں۔ اُن کے ذریعے یہ جانور پتھر وغیرہ سے چمٹ جاتا ہے۔ انھی سے وہ مچھلی تو مچھلی آدمی کو بھی پکڑ لیتا ہے۔ اپنی نوک دار سونڈ سے یہ پتھروں کے نیچے سے مچھلیاں نکال لاتا ہے۔

دشمن سے حفاظت کے لئے خدا نے اسے عجیب چیز دی ہے۔ جب کوئی جانور اس کا پیچھا کرتا ہے تو یہ اپنے جسم سے کالا کالا رنگ نکالتا ہے جس سے سارا پانی سیاہ ہو جاتا ہے اور یہ چپکے سے اپنا راستہ لیتا ہے

صبح ہوتے ہی ہم نے واپسی کے لئے لنگر اٹھایا۔ کنارے پر پہنچے تو عورتیں ہماری طرف اس خیال سے دوڑیں کہ جو کچھ ہم نے رات بھر پکڑا تھا وہ خرید لیں۔ اکٹوپس سے عورتیں سیپیا رنگ نمکین چاولوں کا خاص قسم کا کھانا اور مکرونی بناتی ہیں۔ دوسرے ملکوں کے لوگ اس کو مزے لے لے کر کھاتے ہیں مگر اُن کو یہ نہیں معلوم کہ اس زردی مائل جھینگے جیسی مزے دار گول گول چیز کی حقیقت کیا ہے ۞

غروب آفتاب (مرسلہ خلیق الزماں اندور)

طلوع آفتاب (مرسلہ ارتضاء الرحمان دہلی)

نئی دہلی (مرسلہ صلاح الدین جامعہ)

محمد معصوم انصاری (علیگڑھ)

محمد فاروق رضا (آرہ)

محمد انور رضا (دہلی)

پیام برادری آگرہ

وحید الدین (صدر)

ام شریف

محمد عثمان خان

محمد یحییٰ پٹنہ

مبارک الدین
سکرٹری

ام ریاض احمد

احسن کا مچھلی گھر

برکت علی صاحب فراق (جامعی)

ایک دن کا ذکر ہے، احسن میاں کے والد انھیں چڑیا گھر دکھانے لے گئے۔ اس روز احسن میاں کی خوشی دیکھنے کے قابل تھی۔

چڑیا گھر پہنچے تو اتنا مزہ آیا کہ اپنے ابا کا ساتھ چھوڑ کر چار قدم آگے ہی آگے رہتے۔ طرح طرح کے جانور تھے ایسے کہ انھوں نے دیکھے بھی نہ تھے کہیں لمبی لمبی گردن والا، بدن پر بیل بوٹے بنے ہوئے، زراف گردن اوپر اٹھائے درخت کی پتیاں کھا رہا ہے تو کہیں شتر مرغ اِدھر سے اُدھر ٹہل رہا ہے، کہیں شیر گرج رہا ہے، تھوڑی دیر میں احسن میاں اس جگہ پہنچے جہاں مچھلیاں پلی ہوئی تھیں، نیلی، پیلی، لال، سبز، ہر رنگ کی مچھلیاں دیکھیں سامنے ایک چھوٹا سا شیشے کا برتن نظر آیا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ اس کے اندر طرح طرح کے پانی کے کیڑے اور مچھلیاں تیر رہی ہیں۔ احسن میاں اس برتن کو دیکھ کر ایسے کھوئے کہ کسی بات کی سدھ ہی نہ رہی۔ اُن کے والد اپنے چھوٹے بچے محسن کی انگلی پکڑے دوسری طرف چلے گئے پر احسن وہیں جمے رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد ابا کو احسن میاں کا خیال آیا، اِدھر دیکھا اُدھر دیکھا، احسن کہیں ہوں تو ملیں! آخر مچھلی گھر کی طرف آئے، دیکھتے کیا ہیں کہ احسن میاں وہیں کھڑے مچھلیوں کا تماشا دیکھ رہے ہیں۔ محسن نے دوڑ کر پیچھے سے اُن کی آنکھیں موندلیں، تب کہیں جا کر اُن کو ہوش آیا۔
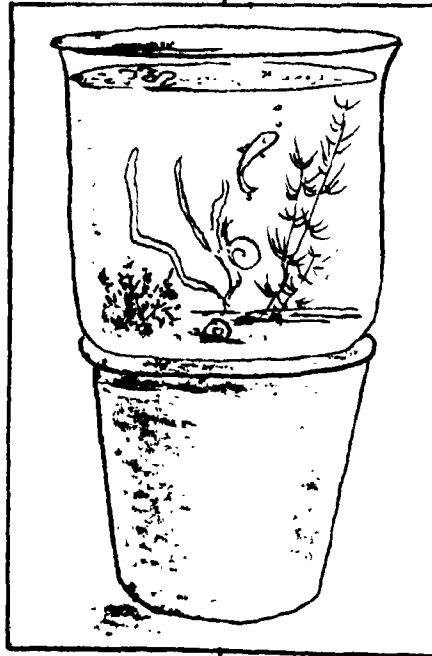
گھر پہنچ کر خیال ہوا کہ ہم بھی ایسا ہی مچھلی گھر

بنائیں اور مچھلیاں پالیں، مگر اُن کا گھر کیسے بنے؟ بڑا ٹیڑھا سوال تھا۔ ماسٹر صاحب کے آنے کے بعد ہر وقت اسی فکر میں لگے رہتے۔ ایک روز گھر والوں کی نظر بچا کر شیشے کا جگ اُٹھا لائے اور چھپا کر رکھ دیا۔ مچھلیوں کی فکر ہوئی۔ برسات کا مہینہ تھا ہی، ماموں جان کو ساتھ لے کر ایک نالے پر چلے گئے اور بڑی مشکل سے دو تین ننھی ننھی مچھلیاں پکڑ لائے اور جگ میں لا کر چھوڑ دیں۔ مچھلیاں پانی سے باہر ہونے کی وجہ سے بے جان ہو رہی تھیں۔ پانی پا کر ان میں کچھ جان آگئی اور لگیں
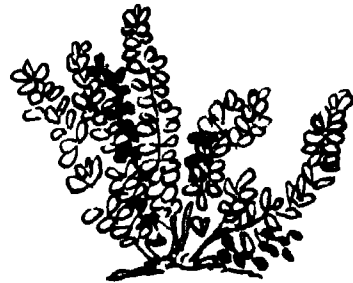
اِدھر اُدھر تیرنے۔ احسن میاں بہت خوش ہوئے تھوڑی دیر تک تو یہ تماشا رہا لیکن مچھلیاں کچھ تو بے جان ہو گئی تھیں اور کچھ احسن میاں کے چھیڑنے سے ڈر گئی تھیں، گھنٹے دو گھنٹے میں مر گئیں۔ احسن کو بہت افسوس ہوا اور رونے لگے۔

ایک ماسٹر صاحب احسن کو گھر پر پڑھانے آتے تھے۔ آج جو شام کو وہ آئے تو احسن کو بہت غمگین پایا۔ وجہ پوچھی تو رو کر کہنے لگے "ماسٹر صاحب میری مچھلیاں مر گئیں۔" ماسٹر صاحب کی سمجھ میں اُن کی بات نہ آئی، کہنے لگے۔ "آخر کیا ہوا۔ مچھلی تو پانی سے باہر آتے ہی مر جاتی ہے۔" احسن میاں نے روتے ہوئے کہا "ماسٹر صاحب، پانی میں تو تھیں" ماسٹر صاحب اب سمجھے کہ انھوں نے مچھلی گھر بنایا ہوگا کہنے لگے، "چلو دیکھیں تو سہی۔"

ماسٹر صاحب نے مچھلی گھر دیکھ کر کہا اچھا روؤ نہیں، ہم تمھارے لئے اچھا سا مچھلی گھر بنا دیں گے، جس میں مچھلیاں ہفتوں اور مہینوں زندہ رہیں گی اچھا آج تمھیں مچھلی گھر بنانے کی ترکیب بتائیں۔" اب کون پڑھتا ہے! اب تو مچھلی گھر کی دھن تھی۔

ماسٹر صاحب نے کہا "اچھا چلو، مالی سے ایک بڑا گملہ مانگ لاؤ۔"

احسن، ماسٹر صاحب گملے کا کیا ہوگا۔ چڑیا گھر کا مچھلی گھر تو شیشے کے برتن میں تھا۔

ماسٹر صاحب: تم نے یہ نہیں دیکھا کہ وہ شیشے کا برتن کسی چیز پر رکھا ہوا تھا۔ مچھلی گھر اسی گملے پر رکھا جائے گا۔ جاؤ۔

احسن میاں بھاگے بھاگے مالی کے پاس گئے اور ایک خوب صورت سا نیا گملا اُٹھا لائے۔

"اب کیا لاؤں ماسٹر صاحب؟"

"کچھ نہیں، اب اِسے مٹی سے بھر دو"

احسن میاں دوڑے دوڑے گئے اور گملے کو مٹی سے بھر لائے۔

"بھر دیا ماسٹر صاحب، لیجئے یہ رہا"۔ ماسٹر صاحب نے کہا "تم تو ہو بے وقوف۔ کوڑا کرکٹ سے بھر لائے جاؤ اُسے خالی کرو، اور اچھی صاف ستھری مٹی بھر لاؤ"

احسن میاں نے کچھ منہ بنایا مگر کام تو کرنا ہی تھا اب کے نہایت صاف ستھری مٹی سے گملا بھر لائے۔

ماسٹر صاحب نے کہا "شاباش! اب تم نے اچھا کام کیا ہے اب تمہارا مچھلی گھر ضرور بن جائے گا لیکن شیشے کا یہ برتن تو کام نہیں دے گا۔ اس کے لئے بڑا سا مرتبان یا ہانڈی چاہیے۔ کل مرتبان لاؤ تو کام چلے"

احسن نے ضد کرکے اپنی ماں سے دام لئے اور شام ہی کو شہر سے ایک بڑا سا نیا مرتبان منگوا لیا۔

دوسرے دن ماسٹر صاحب کو ساری داستان کہہ سنائی، ماسٹر صاحب بہت خوش ہوئے۔ اور کہنے لگے "اب تمہارا مچھلی گھر تیار ہو جائے گا، اچھا لاؤ، وہ گملا"

گملا آگیا تو ماسٹر صاحب نے کہا "اب مرتبان کو گملے پر رکھ کر اُسے خوب کس کر گھماؤ، تاکہ مرتبان مٹی پر خوب جم کر بیٹھ جائے"،

احسن:- "یہ دیکھئے ماسٹر صاحب، خوب جم گیا اب اس میں پانی ڈالیں؟"

ماسٹر صاحب:- "دیکھو، پھر تم نے جلدی کی۔ جلدی کروگے تو تمہارا مچھلی گھر خراب ہو جائے گا۔ اچھا چلو اب دریا پر چلیں"

"مچھلیاں پکڑنے ماسٹر صاحب!"

"نہیں جی، وہاں سے ریت لائیں گے۔ اُسے خوب خوب پانی سے دھو دھو کر صاف کیا جائے گا اور پھر اُسے مرتبان میں ڈال دیں گے اور ہاں! تھوڑی سی پانی کی گھاس بھی تو آئے گی؟ وہی جو پانی کے نیچے کیچڑ میں اُگتی ہے اور پانی کی سطح تک
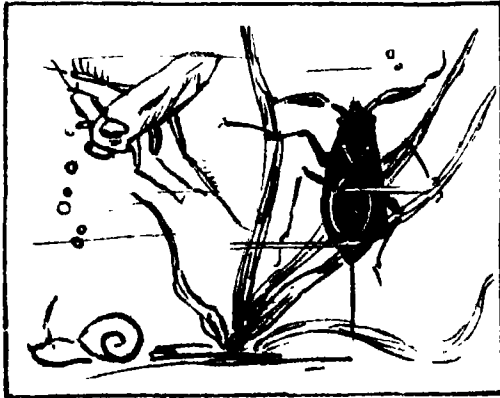
کھڑی رہتی ہے"

ماسٹر صاحب یہ گھاس اور ریت کس لئے آئے گی؟ مچھلی گھر میں تو مچھلیاں رہیں گی"

"مچھلی کے لئے گھر تو ہو گیا، پانی، مگر پانی تو اُن کے سیر کرنے کی جگہ ہے، اُن کے رہنے کی جگہ تو یہی گھاس ہے۔ پانی میں گھاس بھی آ جاتی ہے تو مچھلی

مچھلی گھر میں اگر ذرا پانی ہی پانی رہے گا تو مچھلیاں سمجھیں گی کہ یہ ہمارا اصلی گھر نہیں ہے اور تب گھبرا گھبرا کر جلد ہی مر جائیں گی۔ یہ گھاس رہے گی تو وہ تمھارے مچھلی گھر کو اپنا اصلی گھر سمجھیں گی اور پھر بہت خوشی سے رہیں گی اور یہ جو ریت پانی میں ڈالی جائے گی، وہ گھاس کو زندہ رکھنے کے لئے ہوگی۔ گھاس بھی تو ہماری تمھاری طرح ایک جان دار چیز ہے اور اس کے لئے بھی کوئی خوراک ہونی چاہیے۔ اُسے یہ خوراک اسی ریت سے ملے گی اور وہ تمھاری مچھلیوں کے لئے گھاس کو ہرا رکھے گی۔"

احسن میاں اب سمجھے کہ یہ سب چیزیں تو میں چڑیا گھر والے مچھلی گھر میں بھی دیکھ کر آیا تھا۔ خیر اب تو دونوں دریا کے کنارے گئے۔ تھوڑی سی نہایت صاف ستھری اور چمک دار ریت لی اور تھوڑی سی گھاس ایک جگہ سے اکھیڑ لی۔"

یہ سب سامان لے کر دونوں استاد اور شاگرد گھر آئے۔ ماسٹر صاحب نے کہا "تم ریت کو ایک شیشے کے برتن میں رکھ کر اس میں پانی ڈال دو اور ایک لوہے کی تیلی سے خوب چلاؤ اور پانی گرا دو۔ دیکھو ریت نہ گرنے پائے۔ احسن نے بڑی پھرتی سے یہ کام کر ڈالا اور ماسٹر صاحب کے پاس لائے۔ ماسٹر صاحب نے کہا اسی طرح پانچ مرتبہ اور دھوؤ تاکہ ریت میں مٹی کا ایک ذرہ بھی نہ رہنے پائے، ورنہ تمھارے مچھلی گھر کا پانی گدلا رہے گا۔"

ادھر احسن میاں ریت کو دھونے گئے، ادھر ماسٹر صاحب نے گھاس کا جڑ سمیت ایک گچھا بنایا اور اُسے پانی سے خوب صاف کر کے رکھ لیا۔

احسن میاں ریت لے کر آئے اور گھاس دیکھ کر کہنے لگے۔" ارے ماسٹر صاحب، یہ تو ہری ہری ہوگئی، ہم جب توڑ کر لائے تھے تو میلی میلی تھی، جیسے پیلے رنگ کی۔"

ماسٹر صاحب نے کہا " اچھا اب مرتبان لاؤ۔ اور مالی سے کہو، برتن خوب صاف کر کے کنویں سے تازہ تازہ پانی لائے، اور ہاں ایک چھوٹا سا پتھر تو اُٹھا لاؤ۔ اس گچھے میں باندھ دیں تاکہ پانی میں ڈوب جائے اور ریت سے اپنی خوراک لے لے، ورنہ اوپر ہی اوپر تیرتی رہے گی اور بھوک کے مارے مر جائے گی۔"

اتنے میں مالی بہت صاف پانی لایا۔ ماسٹر صاحب نے یہ پانی مرتبان میں بھر دیا، اور اس میں پہلے ریت ڈال دی۔ جب ریت پانی کے نیچے بیٹھ گئی تو گھاس بھی مرتبان میں ڈال دی۔ مچھلی گھر بالکل تیار ہوگیا۔ ہری ہری گھاس ایسی معلوم ہوتی تھی جیسے صاف ستھرے تالاب میں سچ مچ کی اُگ آئی ہو۔"

ماسٹر صاحب نے کہا " لو بھئی تمھارا مچھلی گھر

تو تیار ہوگیا، صرف مچھلیوں کی کمی ہے۔ اسے نہایت احتیاط سے اپنے باغ میں کسی محفوظ جگہ پر رکھ آؤ کل اس میں مچھلیوں کو لاکر بسائیں گے۔"

ماسٹر صاحب چلے گئے تو احسن میاں مچھلی گھر کو لے کر چلے۔ اس قدر خوش تھے جیسے عید کے دن بچے نئے نئے کپڑے پہن کر اور عیدی پاکر خوش ہوتے ہیں۔ دونوں ہاتھوں سے مچھلی گھر اُٹھائے باغ میں جارہے تھے مگر یہ پانی کی وجہ سے بے حد وزنی ہوگیا تھا۔ وہ تو کہئے اُن کے ماموں جان مل گئے نہیں تو باغ تک جاتے جاتے سارا بنا بنایا کھیل بگڑ جاتا اُن کے ماموں جان نے لپک کر مچھلی گھر اُن کے ہاتھ سے لے لیا اور باغ میں ایک نہایت محفوظ جگہ پر رکھ دیا۔

دوسرے دن چھٹی تھی، پر آج وہ اور بھی تڑکے سے اُٹھے اور سیدھے باغ میں پہنچے۔ تھوڑی دیر میں ماسٹر صاحب بھی آگئے۔ احسن کو معلوم ہوا تو دوڑے دوڑے آئے اور ماسٹر صاحب کو باغ میں لے گئے۔ ماسٹر صاحب وہاں مچھلی گھر دیکھ کر خوش ہوئے اور کہنے لگے "اچھا ہمیں اب مچھلیوں کا انتظام کرنا ہے۔ آج اس گھر میں مچھلیوں کو لاکر بسا دینا ہے۔"

"تو ماسٹر صاحب دریا کی طرف چلئے۔ ماموں کو بھی ساتھ لے لیں گے۔ وہ بہت جلد مچھلیاں پکڑ دیں گے۔"

"ہاں ماموں کو بھی لے لو۔ لیکن مچھلی گھر کے لئے مچھلیوں کو بڑی احتیاط سے پکڑا جاتا ہے تاکہ اُن کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ مچھلیاں تمہارے مچھلی گھر کی مہمان ہوں گی۔ مہمان کی خاطر کرنی چاہیئے۔ اچھا اپنے ماموں سے کہو کہ وہ اپنے چارے کا برتن لے لیں اسی میں مچھلیاں پکڑ کر لائیں گے، اور ہاں تم نے تتلیاں پکڑنے کے لئے جو جال خریدا تھا اُسے لے لو۔ پہلے جو خریدا تھا، وہ نہیں، وہ کمزور ہوگیا ہے مچھلیوں کے لئے ذرا مضبوط ڈورے کا جال چاہیئے۔ تمہارا نیا جال ٹھیک رہے گا۔"

یہ سب چیزیں لے کر ماسٹر صاحب، احسن اور اُن کے ماموں دریا کی طرف چلے۔ تھوڑی دیر میں دریا کے پاس ایک نالا ملا اس میں پانی پر تیرنے والی گھاس بہت اُگی ہوئی تھی۔ ماسٹر صاحب نے کہا "دریا پر کہاں جاؤ گے، یہیں بہت سے مہمان (مچھلیاں) مل جائیں گے۔" ماسٹر صاحب احسن سے جال لے کر ایک جگہ بیٹھ گئے جہاں پانی گھاس سے بالکل ڈھکا ہوا تھا۔ انھوں نے جال کو زور سے دبایا اور وہ گھاس کے اندر تک چلا گیا۔ تھوڑی دیر تک جال کو اسی طرح پانی میں رکھا، اور پھر نکال لیا جال میں گھاس ہی گھاس بھری ہوئی تھی۔ احسن میاں بہت مایوس ہوئے۔ "ماسٹر صاحب یہاں مچھلیاں نہیں ملیں گی۔ دریا پر چلئے۔" ماسٹر صاحب نے کہا

تم بڑے جلد باز ہو۔ دیکھو، ابھی اسی گھاس میں سے کتنی مچھلیاں نکلتی ہیں۔ اچھا آنکھیں بند کرو۔ جب میں کہوں تب کھولنا۔ دیکھو تم جھانک رہے ہو۔ بند کرو اچھا اب کھول دو۔" احسن میاں نے آنکھیں کھولیں تو کیا دیکھتے ہیں کہ چار پانچ خوب صورت مچھلیاں جال میں پڑی ہوئی ہیں۔ ان کے ماموں نے چائے کے برتن میں تھوڑا سا پانی بھرا اور مچھلیوں کو اس میں انڈیل دیا۔ ماسٹر صاحب نے ایک دوسری جگہ پھر جال پھینکا۔ اب کی مرتبہ چار پانچ چھوٹے چھوٹے گھونگھے اور آٹھ دس دوسرے پانی کے کیڑے چلے آئے اس کے بعد انھوں نے پانی پر تیرنے والی گھاس کا گچھا
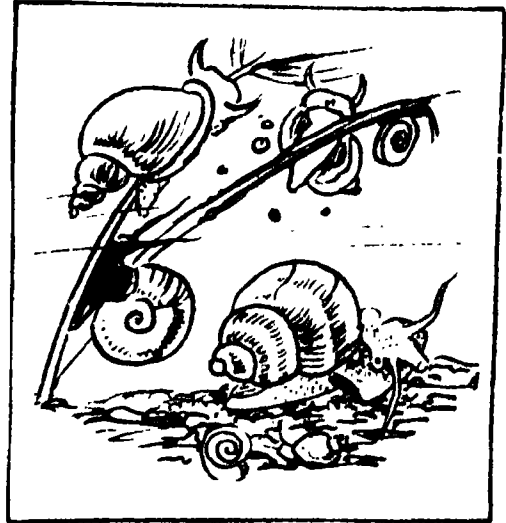
اکھیڑ لیا اور اس کو بھی جال میں رکھ لیا۔ احسن میاں نے پوچھا "ماسٹر صاحب یہ سب کیا ہوگا۔" ماسٹر صاحب نے کہا "اب چپکے سے گھر چل دو، وہیں بتائیں گے۔"

تینوں شکاری گھر آئے۔ منہ ہاتھ دھویا اور کھانا کھایا۔ کھانا کھانے کے بعد ماسٹر صاحب اور

احسن باغ میں گئے۔ یہاں ماسٹر صاحب نے پہلے گھاس کو خوب صاف کیا اور اس کے بعد مچھلی گھر میں ڈال دیا۔ گھاس کی پتلی پتلی جڑیں پانی کے نیچے لٹک گئیں اور اس کے چھلکے چھلکے پتے پانی پر تیرنے لگے اور پانی کی سطح اس طرح ڈھک گئی جیسے تسلے کے اوپر کسی نے گھاس کے پتے جڑ دئے ہوں۔ پھر مچھلیوں اور گھونگھوں کو پہلے تازے پانی میں صاف کیا اور پھر گھاس پر چھوڑ دیا۔ مچھلیاں بڑے مزے میں گھاس کو چیر کر اندر چلی گئیں اور لگیں ادھر اُدھر تیرنے۔ گھونگھے چپ چاپ پانی کی تہ میں جاکر بیٹھ گئے۔

اب تو احسن تھے اور مچھلی گھر۔ اتنے خوش تھے اتنے خوش تھے کہ کچھ نہ پوچھو۔ پہلے تو نیچے سے دیکھ رہے

تھے۔ یک بیک خیال آیا کہ دیکھیں اوپر سے کیسی لگتی
ہیں۔ اوپر گھاس ہی گھاس، کچھ نظر ہی نہ آیا۔ ماسٹر
صاحب سے کہنے لگے۔ "ماسٹر صاحب اوپر سے تو ہم
دیکھ ہی نہیں سکتے۔ یہ گھاس آپ نے کس لئے ڈال
دی ہے؟ اسے پھینک دیجئے۔" ماسٹر صاحب نے
کہا "پھینک دو، لیکن مچھلیاں ڈر ڈر کر مر جائیں
گی۔ یہی گھاس تو اُن کے اس گھر کے لئے چھت ہے
تمھارے گھر میں چھت نہ ہو تو رہ سکو گے؟ مچھلی
کی عادت ہوتی ہے کہ اگر اس کو پانی کے اوپر کسی کا
سایہ نظر آئے تو وہ اپنے کو خطرے میں سمجھنے لگتی ہے
وہ یا تو بھاگنے کی کوشش کرتی ہے یا گھبرا کر مر جاتی
ہے۔ مچھلی کے لئے اس گھاس کا ہونا بہت ضروری
ہے ورنہ مچھلیاں اس میں نہیں رہ سکیں گی۔"
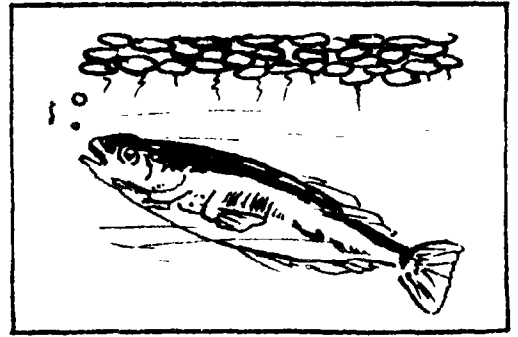
"اور ماسٹر صاحب، آپ نے وہ گھونگھا کس
لئے ڈالا ہے؟"

"گھونگھے پانی سے جو کائی جم جاتی ہے اسی کو
کھا کر زندہ رہتے ہیں۔ برتن میں پانی جب زیادہ
دن تک رہتا ہے تو اس میں کائی جم جاتی ہے، تمھارے
مچھلی گھر کے کناروں پر جب کائی جم جائے گی تو بُرا
معلوم ہوگا نا! یہ گھونگھے وہ سب کائی چاٹ جائیں
گے اور مچھلی گھر صاف ستھرا رہے گا۔"

"اچھا بھائی! انھیں کھانے کو کیا دو گے؟ انھیں
بڑھیا اور لذیذ کھانا دینا چاہیئے۔ بے چاری اپنا
پیارا گھر تالاب چھوڑ کر آئی ہیں، تمھارے یہاں اچھا
کھانا نہیں ملے گا تو اُن کا دل دکھے گا۔"

"ماسٹر صاحب ہم انھیں گوشت کاٹ کاٹ
کر کھلائیں گے۔ جیسے اپنی مرغی کے بچوں کو کھلاتے
ہیں۔ دیکھئے وہ گوشت کھا کھا کر کتنے موٹے ہو گئے
ہیں۔ مچھلیاں بھی موٹی ہو جائیں گی۔ جی ماسٹر صاحب؟"

"لیکن بھئی ہر ایک کے لئے کھانے کی چیزیں
الگ الگ ہوتی ہیں۔ ہم روٹی، سالن، دال کھاتے
ہیں۔ تمھارے مرغی کے بچے گوشت کے ٹکڑے
دانے دُنکے، ننھے ننھے کیڑے کھاتے ہیں۔ ان مچھلیوں
کا کھانا ہم سب سے الگ ہے۔ یہ صرف ننھے ننھے
کیڑے ہی کھاتی ہیں۔ ان کو یہی خوراک دیا کرنا۔ یہ کھانا
مچھلیاں بڑے شوق سے کھاتی ہیں۔" "جی اچھا ماسٹر
صاحب۔ ڈھیر سے کیڑے لاؤں گا۔ خوب کھلاؤں گا۔"

"ایک بات اور۔ یہ گھونگھے پوری کائی نہیں چاٹ
سکیں گے اس لئے ہر پندرھویں روز مچھلی گھر کی صفائی
بھی کرنی ہوگی۔ اس کے علاوہ مچھلی گھر میں اِدھر اُدھر

کی چیزیں بھی پڑ جاتی ہیں ، اُن کو نکالتے رہنا چاہیے
ابھی تو تم اس کو باغ میں لے جا کر رکھ آؤ ۔ اور روزانہ
ان مچھلیوں کو کھانے کے لئے ننھے ننھے کیڑے دیا
کرو ۔ ابھی یہ تیرنے والی گھاس ذرا پھیلی نہیں ہے ۔ اس
پر جب بارش کی دو چار بوندیں پڑ جائیں گی تو یہ پوری
طرح سے کھل جائے گی ۔"

"ماسٹر صاحب وہ آپ نے جال میں دوسرے
کیڑے جو پکڑے تھے ، اُن کا کیا ہوگا ؟ وہ بھی مچھلی گھر
میں رہیں گے ؟

"ہاں رہیں گے تو وہ بھی اسی مچھلی گھر میں ۔ لیکن
ابھی ایک مہینے تک مچھلیوں کو ہی رہنے دو ۔ اگلے
مہینے میں ہم تم کو مچھلی گھر صاف کرنے کے طریقے اور
ان کیڑوں کے متعلق باتیں بتائیں گے ۔ اب تمھارا
مچھلی گھر تیار ہو گیا ہے ۔ دیکھو اس کی حفاظت کرتے
رہنا اس کو اوپر سے ایک شیشے کی پلیٹ سے ڈھک
دینا نہیں تو چڑیاں آکر مچھلیوں کو تنگ کریں گی ۔ اب
جاؤ ۔ اپنے دوستوں اور ابا کو بلاؤ ۔ وہ سب لوگ
دیکھ کر خوش ہوں گے اور تمھیں انعام دیں گے ۔"

تھوڑی دیر میں احسن کے ابا ، محسن ، صفیہ ، مونا
سعیدہ ، راجو سب آگئے ۔ احسن کہنے لگے "اہا میرا
مچھلی گھر دیکھو ۔ کیسی اچھی اچھی مچھلیاں تیر رہی ہیں ۔
جیسے سچ مچ کا تالاب ہو ۔"

احسن کے ابا اور سب حیرت سے مچھلیوں کو دیکھ رہے
تھے ۔ صفیہ نے کہا "ایک مچھلی پکڑوں ؟" احسن نے کہا
خبردار جو میری مچھلی کو ذرا بھی چھیڑا ۔ بڑی آئیں وہاں سے
مچھلی پکڑنے والی ۔" صفیہ بے چاری کھسیانی سی ہو کر رہ گئی

شاخ پیام برادری دہلی

(دائیں سے بائیں کرسیوں پر آگے) عمر کامل (صدر)- آپا جان- حسن احمد قنوجی (سکرٹری) (بیچ میں) عروج الحسن صاحب (مربی)- رشید نعمانی صاحب (مربی)-
حکیم محمد کامل صاحب (مربی)- قاسم حسن صاحب (مربی)-
(کھڑے ہوئے) محمد یوسف صدیقی (نائب صدر)- محمد علی بھٹکلی (رکن)- سلیم اختر (خزانچی)- سید صلاح الدین (نائب ناظم)-

تالکٹ کیمپ کا ایک منظر

ٹالکٹ کیمپ

جناب سعید انصاری صاحب پرنسپل استادوں کا مدرسہ جامعہ

اکثر بچے یہ سرخی دیکھ کر منہ بنائیں گے بعض اس کا عجیب نام ہی پڑھ کر دیکھنا چاہیں گے کہ اس میں لکھا کیا ہے؟ اصل میں یہ بچوں کے ایک کیمپ کا حال ہے جو "ٹالکٹ" نامی امریکہ کے ایک چھوٹے سے مقام پر قائم کیا گیا تھا۔ یہ جگہ نیویارک شہر سے کچھ دور ایک نہایت خوش نما پہاڑی پر واقع ہے۔ یہاں کبھی پرانے زمانے میں سرخ ہندیوں کی بستی تھی اور یہ نام غالباً انھی کے وقت سے چلا آتا ہے ٹالکٹ عام سطح زمین سے کچھ بلندی پر واقع ہے، اور اس کا راستہ پیچ در پیچ ہو کر اس بلندی تک پہنچتا ہے پہاڑی کی چوٹی پر پہنچ کر دوسری جانب دیکھئے تو ایک نہایت خوش نما صاف شفاف پانی کی جھیل ہے جس کے ایک طرف ہرے بھرے درختوں کا ایک جنگل ہے۔ یہ کیمپ اس جھیل کے چاروں طرف واقع ہے۔

ٹالکٹ کیمپ اصل میں ابتدائی مدرسے کے بچوں کا کیمپ ہے۔ اور اس کیمپ میں کوئی ، سال کی عمر سے لے کر ۱۴ سال کی عمر تک کے بچے آتے ہیں، اور کل تعداد کوئی ۲۰۰ کے قریب ہوجاتی ہے۔ یہ کیمپ لکڑی کے چھوٹے چھوٹے کیبنوں میں لگتا ہے جن پر نہایت اونچے اونچے درخت سایہ کئے ہوتے ہیں۔ ہر کیمپ میں ۲ بچے اور ایک اُن کا نگراں ہوتا ہے۔ اُن کے سونے کے لئے اوپر تلے دو دو زین کے بستر ے ہوتے ہیں اس قسم کے جیسی سفری چارپائیاں ہوتی ہیں اور یہ انھی پر اپنے توشک یا کمبل بچھاکر سوتے ہیں۔

اس کیمپ کے یا اس قسم کے دوسرے بہت سے کیمپوں کے وجود میں آنے کی وجہ اصل میں یہ ہے کہ بچے سال بھر تک شہر کی شور بھری زندگی اور گھٹی ہوئی آب و ہوا سے تنگ آجاتے ہیں اور وہ کوئی کھلی جگہ یا صاف فضا چاہتے ہیں، جہاں وہ آزادی سے چل پھر سکیں اور سانس لے سکیں اس کے علاوہ اسکول اور مدرسے کے معمولی کاموں سے وہ اتنا گھبرا اُٹھتے ہیں کہ وہ کوئی ایسے کام کے

خواہش مند ہوتے ہیں۔ جو وہ اپنی خوشی اور طبیعت سے کر سکیں اور انھیں ہر وقت کوئی روک ٹوک کرنے والا۔ اُن کے سر پر بھوت کی طرح سوار نہ ہو۔ پھر گرمی کا زمانہ خواہ گرم ملک کا ہو یا ٹھنڈے ملک کا، ایسا ہوتا ہے کہ انسان ٹھنڈک، پانی کا قرب اور اردگرد سبزا اور ہریالی چاہتا ہے۔ ان وجوہ کی بنا پر ایسے کیمپوں کی تحریک شروع ہوئی۔

ٹالکٹ کیمپ جس کا ذکر تم اس مضمون میں پڑھوگے نہ صرف اپنے موقع اور جگہ کے لحاظ سے بہترین کیمپ ہے بلکہ اس کا روزمرہ کا پروگرام نہایت بہترین تعلیمی اصولوں اور بچوں کی صحیح دلچسپی اور شوق کے کاموں پر مبنی ہوتا ہے، اس کے نگراں اور کام کرنے والے مختلف کھیل کود اور دلچسپی کے کاموں کے ماہر ہوتے ہیں اور یہ بچوں کے نگراں اور دیکھ بھال کرنے والے اصول تعلیم اور بچوں کی نفسیات کے بڑے واقف کار اور تجربہ رکھنے والے ہوتے ہیں۔ اس کیمپ کا صحیح اندازہ ان کے روزمرہ کے پروگرام پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے زیادہ بہتر ہو سکتا ہے جو ان چیزوں پر مبنی ہیں۔

ورزشی کھیل

یوں بے ضابطہ کھیل کود کے لئے تو انھیں پوری آزادی ہوتی ہے لیکن بہت سے بچے چاہتے ہیں کہ باقاعدہ کھیلوں میں سے بھی چند ایک منتظم طور پر ہوا کریں۔ چنانچہ ہر روز صبح کو فٹ بال، باسکٹ بال وغیرہ ہوا کرتا ہے۔ اور سہ پہر کے وقت آپس میں کوئی میچ بھی ہو جاتا ہے۔ جس سے اُن کی دلچسپی اور بڑھ جاتی ہے

حرفے اور دستکاریاں

ورزشی کھیلوں کے بعد دوسرے درجے پر جس میں بچوں کا سب سے زیادہ وقت صرف ہوتا ہے، وہ مختلف چھوٹے چھوٹے حرفے اور دستکاریاں ہیں۔ ان حرفوں میں سب سے زیادہ مقبول چمڑے کا کام، پیتل کا کام، بید کا کام، ابرک کا کام وغیرہ ہیں، جن میں بچے چمڑے کی بیلٹ یا پیٹی، کنجیاں رکھنے کا خانہ۔ بڑے چاقو رکھنے کے خانے۔ پیتل کی سگریٹ جھاڑنے کی چھوٹی چھوٹی طشتریاں اور ابرک کی انگوٹھیاں اور پھل رکھنے کی ٹوکریاں بناتے ہیں۔ یہ حرفے اور دستکاریاں بچوں کے لئے ایک بالکل نیا شغل ہوتا ہے، اُن کی معمولی پڑھائی اس قدر کتابی ہوتی ہے کہ وہ ہاتھ کے کام کے لئے ترسے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور انھیں یہ موقع بہت غنیمت معلوم ہوتا ہے

لیکن یہ حرفے اور دستکاریاں کچھ انھی چیزوں پر مبنی نہیں ہوتی ہیں بلکہ اپنے ماحول کے

لحاظ سے کچھ قدرتی سامان اور مقامی اشیاء سے بھی وابستہ ہوتی ہیں، مثلاً بعض درختوں کی چھالوں سے مختلف چیزیں بنائی جاتی ہیں، یا بعضوں کے ڈونڈے اور پتوں سے بہت سی چیزیں بن سکتی ہیں۔ ان میں بچوں کی جدّت طبع اور قوت اختراع کے کام میں لانے کا زیادہ موقع ملتا ہے، اس لئے ان کا بہت سا وقت اس کام میں صرف ہوتا ہے۔

ہائی کنگ اور ڈیرے ڈالنا

ہائک یہاں کی عام اصطلاح میں سیر و تفریح کی غرض سے پیدل چلنے کو کہتے ہیں۔ اس مقصد کے لئے ایک خاص لباس ہوتا ہے، اور ساتھ لے جانے کے لئے مخصوص سامان، اس لئے کہ اکثر رات میں ڈیرے ڈال کر رہنے اور کھانے پینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ بیشتر خود ہی کھانا پکانا بھی ہوتا ہے، اور اکثر بچے زندگی کے اس نئے تجربے کے لئے بے چین رہتے ہیں، اور اگرچہ وہ اس میں اپنی کم عمری اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے کچھ بہت کامیاب نہیں ہوتے لیکن اس تجربے سے گذرنے کے لئے وہ بے قرار ضرور ہوتے ہیں۔ ہائیکنگ اور کیمپنگ دونوں کی کامیابی بہت حد تک نگران پر موقوف ہوتی ہے جو بچوں کو اپنے ساتھ لے جاتا ہے اسے خود بھی اس کا پورا تجربہ اور اس سے شوق ہونا چاہئے اور وہی بچوں کو بھی اس تجربے سے پورا پورا لطف اور فائدہ اُٹھانے کا موقع بہم پہنچا سکتا ہے۔

ہائیکنگ اور کیمپنگ کا یہ تجربہ واقعی بچوں کے لئے بہت نفع بخش اور پر از لطف ہوتا ہے۔ اس بڑے سفر پر روانہ ہونے سے پہلے سامانِ سفر کی تیاری راستے میں موٹر اور لاریوں سے بچاؤ کی تدبیریں راستے اور موڑ کا پتہ رکھنا اور پھر منزل مقصود پر پہنچ کر ڈیرے کے لئے مناسب جگہ کا تلاش کرنا دھوپ اور بارش سے حفاظت۔ یہ سب ایسے مواقع ہیں جن میں بچے بہت سی ایسی باتیں سیکھ سکتے ہیں جو وہ اپنی تمام زندگی میں شاید کبھی بھی نہ جان سکتے

مطالعۂ فطرت

ایک بڑا پسندیدہ شغل بچوں کا کیمپ کے زمانے میں ایسی چیزوں کی تلاش سے تعلق رکھتا ہے جسے مطالعۂ فطرت کہتے ہیں حقیقت میں اس کا اشتہار چنداں فطرت کا کوئی باقاعدہ مطالعہ نہیں ہوتا بلکہ اس عمر میں اپنی تلاش اور تجسس کی عادت کو تشفی دینا ہوتا ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں وہ مختلف قسم کی پھول، پتیاں، پانی پر جمی ہوئی کائی، کیڑے مکوڑے، مینڈک اور مچھلیاں، چڑیوں کے خالی گھونسلے اور بہت سی اس قسم کی چیزیں جمع کر لاتے ہیں۔ جن سے یقیناً انھیں بہت کچھ کائنات فطرت سے متعلق معلومات بھی حاصل ہوتی ہوں گی کیمپ

کے سلسلے میں لٹھوں اور بلیوں کا ایک بھونڈا سا عجائب خانہ
بھی ہوتا ہے۔ جہاں یہ سب چیزیں اکٹھا ہوتی ہیں
لیکن بعض بچے اس پر اکتفا نہیں کرتے اور اپنے
کیبنوں کو بھی چھوٹا چھوٹا میوزیم بنا رکھتے ہیں۔ اس
سلسلے میں نہ صرف بچوں کی تلاش کرنے کے سلسلے میں
محنت اور مشقت قابل ستائش ہے بلکہ وہ جس طرح
ان چیزوں کی حفاظت کرتے ہیں اور اُن کی دیکھ بھال
سکتے ہیں، وہ اس سے زیادہ قابل داد ہے، اس
لئے کہ وہ کسی عارضی جذبے کا نتیجہ نہیں، بلکہ اُن کے
مسلسل شوق اور لگاتار دلچسپی کا نتیجہ ہوتی ہے۔

کہانیاں اور ڈرامے

یوں تو اکثر کام اس کیمپ کے زمانے میں
ایسے ہوتے ہیں جن میں چلنے پھرنے اور دوڑ دھوپ
کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن کچھ ایسے بھی ہیں جن
میں ایک جگہ بیٹھے رہنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور
یہ خصوصاً یا تو رات کے وقت ہوتا ہے یا جب بارش
ہوتی ہے۔ ایسے موقعوں پر بچے نہایت شوق
سے کوئی جوش دلانے والی کہانی یا خیالی قصے سننا
پسند کرتے ہیں۔ کبھی کبھی یہ کہانیاں ایسی بھی ہوتی
ہیں جن سے ان کی مذہبی اور اخلاقی زندگی پر اثر
پڑتا ہے۔ اور بہت سی صورتوں میں تو وہ
صرف ان کی کرید اور جستجو کی پیاس کو بجھاتی
ہیں۔

کہانیاں سننے کے ساتھ ساتھ وہ کہانیوں
کے ڈرامے کرنے کے بھی ویسے ہی شائق ہوتے
ہیں۔ اس کیمپ میں سب سے مشہور ڈرامہ جو
بچوں نے کیا تھا وہ 'رابن ہوڈ' کا تھا۔ اکثر وہی
ڈرامے کامیاب ہوتے ہیں جن کے قصے اُن کو
بہت پسند آتے ہیں۔ حقیقت میں کسی کہانی کا
شوق کے ساتھ سننا اور اس کا کامیابی کے ساتھ
ڈرامہ کرنا دونوں کا اصل راز یہ ہے کہ بچہ اپنے
کو اسی حالت میں تصور کرنا چاہتا ہے۔

کبھی کبھی اُن کی کامیاب نقلیں بعض کھیلوں
کے سلسلے میں بھی ہو جاتی ہیں۔ مثلاً ڈاکو اور سپاہی
کا کھیل یا آگ بجھانے کا کھیل، چھوٹے بچے اچھا
کھیلتے ہیں اور اس سلسلے میں اُن کے جسم کی حالت
اُن کا بھاگنا دوڑنا اور اُن کی دوسری حرکتیں
کسی طرح ایک مشاق ایکٹر سے کم نہیں ہوتیں۔

ان باقاعدہ مشاغل کے علاوہ بہت سی
ایسی بے ضابطہ باتیں ہوتی ہیں جن میں بچے بہت
کچھ سیکھ سکتے ہیں مثلاً بعض وقت جھیل کے کنارے
ریت میں کچھ بچے جمع ہو گئے اور پرانے زمانے
کا محل بنانا شروع کر دیا۔ یہ بادشاہ کے سونے
کا کمرہ ہے، یہاں بادشاہ کی فوجیں رہا کرتی تھیں
اس جگہ بادشاہ کے گھوڑے بندھتے تھے وغیرہ
وغیرہ۔ اس طرح بلیوں اور لٹھوں سے پرانے

زمانے کے باشندے یعنی سب سے پہلے بسنے والوں کے مکانات بنانا شروع کئے اور اُن کی زندگی کا پورا نقشہ کھینچ دیا۔ یا کہیں کسی طرف جنگل میں نکل گئے اور کچھ درخت ادھر اُدھر کاٹ کر آرام گاہ بنا لی۔

اس طرح باضابطہ اور بے ضابطہ کاموں کا ایک ایسا سلسلہ ہوتا ہے کہ بچے دو ڈھائی مہینے کے اس عرصے میں سال بھر کی ساری کلفتیں بھول جاتے ہیں یا پھر اگلی سال اس مدت کا ایک ایک دن یاد کرتے رہتے ہیں۔ کیا ہم بھی کوئی اس قسم کی چیز اپنے ہاں شروع کر سکتے ہیں۔ ضرورت تو بہت ہے، لیکن شروع کرنے والا کون ہو؟

برما میں یہ پگوڈا ایک پتھر پر بنا ہے اس کے ایک طرف گہرا غار ہے۔ ہوا چلتی ہے تو یہ ہلنے لگتا ہے کہتے ہیں کہ بدھ کے ایک بال کی برکت سے اس کا وزن سنبھلا ہوا ہے اور یہ گرنے نہیں پاتا

پرندوں کی عدالت

پھل چسپی کو کس نے مارا
میں نے میں نے میں نے
بولی اک چھوٹی گوریا
تیروں سے ہاں مارا میں نے

کس نے اس کا کفن سیا تھا
میں نے میں نے میں نے
بول اٹھا اک بیا پرانا
سی ہے اس کی کفنی میں نے

کس نے اس کی قبر ہے کھودی
میں نے میں نے میں نے
بول اٹھا پھر ہدہد بھی
اس کی قبر ہے کھودی میں نے

کس نے لحد میں لاش اتاری
میں نے میں نے۔ میں نے

بول اٹھی اک بطخ پرانی
قبر میں لاش اتاری میں نے

ماتم اس کا کس نے کیا تھا
میں نے میں نے میں نے
بول اٹھی اک پیاری شاما
ماتم اس کا کیا تھا میں نے

کس نے سب سے پہلے خبر دی
میں نے میں نے میں نے
بولی ابابیل ایک پرانی
پہلے خبر دی سب سے میں نے

دے چکیں جب سب چڑیاں گواہی
رونے لگیں تب چڑیاں ساری
کہنے لگیں تقدیر ہماری
پھل جیسی بے چاری سدھاری

دوسرے دن اک لگ گیا نوٹس
ہووے گی اک قانونی مجلس
بحثیں گے وکیل اور بیرسٹر
گوریا کو پھانسی ہوگی مقرر[1]

---

[1] یعنی ضرور
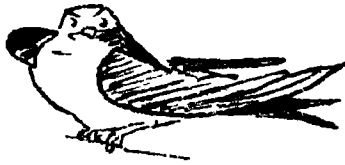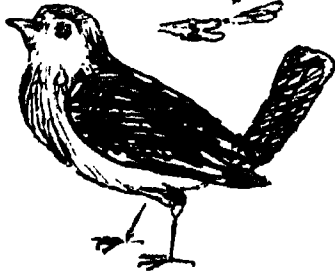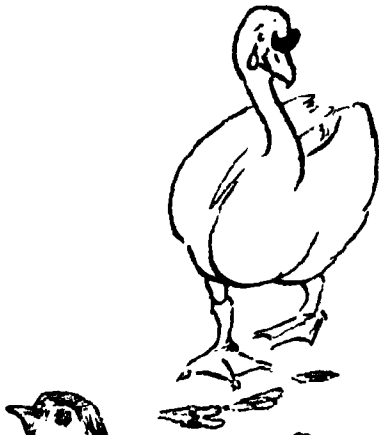
معلومات

۱۷۱۹ء میں انگلینڈ میں سیلبسری کے قریب ایک انسان کا ۹ فٹ ۴ انچ لمبا ڈھانچا ملا تھا۔

چینی اپنے شہروں کی گلیاں سیدھی نہیں بناتے۔ اُن کا عقیدہ ہے کہ سیدھی گلیوں پر بھوتوں کے جلوس گذرتے ہیں اور اُن پر قبضہ کر لیتے ہیں۔

لنکا شائر میں سوتی کپڑا اب اس قدر زیادہ بنایا جاتا ہے کہ اگر اس کو پھیلایا جائے تو سورج اور چاند کے درمیان کے فاصلے سے آٹھ گنا زیادہ ہوتا ہے۔ ۱۹۲۷ء میں ۳۳۷۶۱۷۵۰۰ گز لمبا کپڑا بیچا گیا اور ۰۰۰،۳۰۰۹۵ پونڈ کا کچا مال اس کی تیاری کے لئے خریدا گیا۔

دنیا میں سب سے گرم مقام پنجاب میں جیکب آباد ہے اور سرد مقام سائبریا میں ورکو یانسک ہے۔

کیا آپ کو معلوم ہے کہ سب سے بڑا دن ۲۱ جون اور سب سے چھوٹا دن ۲۲ دسمبر ہے۔

فارن ہیٹ تھرما میٹر ۱۷۱۴ء میں اسحٰق نیوٹن نے ایجاد کیا تھا۔ اس کا نقطۂ جوش ۲۱۲ درجے اور نقطۂ انجماد ۳۲ درجے تک ہوتا ہے۔

کیا تمھیں اپنی آنکھوں پر اعتبار ہے؟

محمد حسن صاحب لکھنؤ

آپ ہر وقت اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہتے ہیں کبھی آپ نے یہ بھی سوچا کہ جو چیز آپ دیکھتے ہیں وہ ہمیشہ صحیح بھی ہوتی ہے یا کبھی آپ کو دھوکا بھی ہو جاتا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ آپ سوچتے ہیں کہ آپ ایک چیز دیکھ رہے ہیں۔ مگر ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا کہ جو چیز آپ نے دیکھی ہے وہ وہی ہو جس کے بارے میں آپ نے سوچا ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں جس میں کہ کچھ کسر یا کوئی عیب نہ ہو۔ آنکھ بھی آدمی کے بدن کا ایک حصہ ہے۔ پھر ہم یہ کیسے مان لیں کہ اس میں کوئی عیب نہیں ہوگا۔ یہی آنکھ جس پر ہم کو اتنا بھروسا ہے کبھی کبھی بہت چھوٹی چھوٹی چیزوں میں دھوکا دے جاتی ہے۔

اچھا اب مثالیں بھی سن لیجئے۔ آپ کو خود سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔ مثال نمبر ۱ کو دیکھئے۔ اس میں ایک موٹی سی پڑی لکیر ہے اور اس کے بیچوں بیچ ایک سیدھی پتلی سی لکیر کھڑی ہے۔ آپ بتائیے کون سی لکیر بڑی ہے؟ یا بڑی معلوم ہوتی ہے؟ یقیناً کھڑی لکیر بڑی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہے، دونوں لکیریں برابر کی لمبی ہیں۔

شکل نمبر ۱

اچھا اب دوسری مثال کو لیجئے (شکل نمبر ۲)
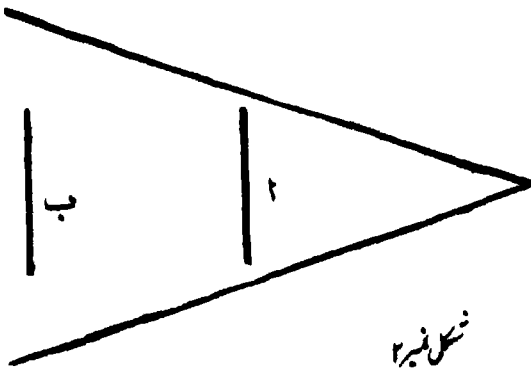
شکل نمبر ۲

اس میں ایک زاویہ ہے اور اس کے بیچ میں دو لکیریں کھینچی ہوئی ہیں۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ کون سی لکیر چھوٹی

ہے۔ بے شک، وہ لکیر جو زاویے کے زیادہ اندر ہے (لکیر الف) لمبی معلوم ہوتی ہے اور (لکیر ب) چھوٹی۔ اچھا اب آپ انھیں ایک پٹری سے ناپیے۔ آپ کو فوراً معلوم ہو جائے گا کہ دونوں لکیریں برابر ہیں!

اگر میں آپ سے پوچھوں کہ کیا آپ صحیح صحیح دو چیزوں کے بیچ کے فاصلے کا اندازہ کر سکتے ہیں تو آپ جھٹ بول اٹھیں گے کہ ارے یہ کیا مشکل ہے۔ مگر نہیں دو چیزوں کے بیچ میں فاصلے کا اندازہ لگانا کافی مشکل ہوتا ہے۔ اچھا تو اگر آپ بہت کہتے ہیں تو بتائیے تو ذرا کہ کون سا فاصلہ زیادہ ہے۔ الف سے ب تک یا ب سے ج تک تصویر نمبر ۳

ا　ب　ج

شکل نمبر ۳

آپ فوراً ہی کہہ دیں گے کہ ب سے ج تک فاصلہ زیادہ ہے، آپ غلط کہہ رہے ہیں کیونکہ دونوں فاصلے برابر کے ہیں۔

ایک نقص آپ کی آنکھ میں اور ہے۔ وہ یہ کہ اگر آپ کو دو برابر کی چیزیں، ایک کالی اور دوسری سفید، زمین پر دکھائی جائیں تو آپ کو وہ چیز جو کالی زمین پر ہے بڑی معلوم ہوگی۔ یہ دھوکا آپ کو روشنی کی چمک سے ہوتا ہے۔ مثلاً شکل نمبر ۴ کو لیجیے۔ اس میں دو دائرے ہیں ایک سفید اور دوسرا کالا۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ سفید دائرہ (جو کالے دائرے سے گھرا ہوا ہے) بڑا ہے یا کالا دائرہ؟ لگتا تو واقعی سفید ہی بڑا ہے۔ مگر اصل میں وہ کچھ چھوٹا ہے۔

اچھا اب بارہ مربعوں کی ترتیب کو دیکھیے اور ذرا اپنی آنکھوں کے قریب لاکر اپنی نگاہ کو اس پر جما دیجیے۔ کچھ لمحوں کے بعد آپ کو کالے مربعوں کے بیچ میں سفید لکیروں پر کالے دھبے دکھائی دینے لگیں گے۔ (شکل نمبر ۵) دیکھیے آپ کی آنکھیں

شکل نمبر ۴

پھر آپ کو دھوکا دے رہی ہیں۔ وہاں کوئی دھبے دیتے نہیں ہیں، اور بالکل صاف لکیریں ہیں۔
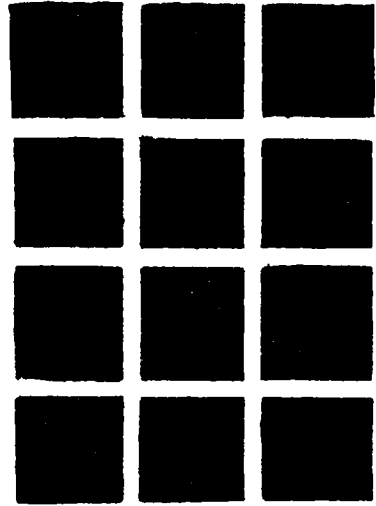
شکل نمبر۵

اس کے بعد آپ بارہ سفید مربعوں کو دیکھئے (جن کے چاروں طرف کالے کنارے کھنچے ہوئے ہیں)
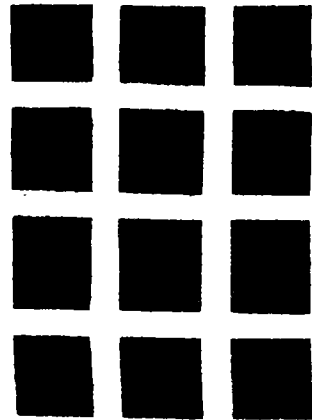
شکل نمبر۶

اس مرتبہ آپ کو مربعوں کے بیچ کی کالی جگہ پر سفید دھبے دکھائی دیں گے۔ (دیکھئے، شکل نمبر۶)

اچھا اب آپ کو ایک اور چیز بتائیں۔ مگر یہ بتا دیجئے گا کہ آپ کو ڈر تو نہیں لگتا ہے۔ ورنہ کہیں آپ ڈر جائیں تو اور آفت ہو۔ دیکھئے یہ ایک بھوت کی تصویر ہے اور وہ بھی کالے بھوت کی۔ (شکل نمبر۷)؛ آپ اسے لیجئے اور ایک سے لے کر بیس تک گنتی گنئے، اور اس بھوت پر اپنی نظر جمائے رکھئے۔ جب آپ گنتی گن چکیں تو ذرا اندھیری دیوار یا پردے کی طرف دیکھئے آپ کو ایک سفید بھوت کی تصویر چلتی نظر آئے گی۔

شکل نمبر۷

معلوم ہوتا ہے کہ ابھی آپ کو یقین نہیں آیا، تو لیجئے، وہ ایک تجربہ کر لیجئے۔ ایک ایسی کتاب یا کوئی اور چیز لیجئے جس کا اوپری حصہ کالا ہو۔ اس پر تین دیا سلائیوں سے (۷) کی شکل بنائیے۔ اچھا اب آپ اس کو ذرا غور سے تو دیکھئے، دیکھیں آپ کیا دیکھتے ہیں۔ ارے یہ ۷ کی بغل میں ۷ کا بھوت یا ہمزاد (پرچھائیں) کہاں سے آگیا؟ (شکل نمبر۸)

(یہ پرچھائیں یا Y کا بھوت آپ کو لکیر دار لائن پر ملے گا۔) دیکھئے آپ ایک مرتبہ پھر دھوکا کھا گئے۔ کیوں کہ وہاں سوائے تین دیا سلائیوں کے اور کچھ نہیں ہے
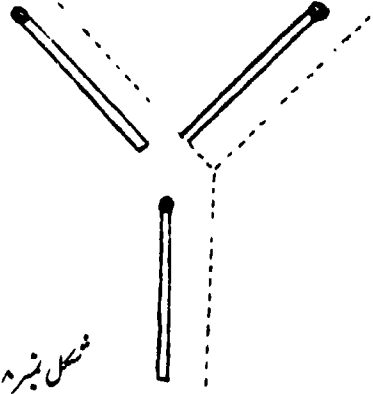
شکل نمبر ۸

اگلی دو مثالیں گو چھوٹی ہیں مگر بہت ہی عجیب پہلی میں (شکل نمبر ۹) آپ ایک چیز دیکھتے ہیں۔ یہ چار ٹانگ کی ایک میز معلوم ہوتی ہے۔ جب آپ اسے
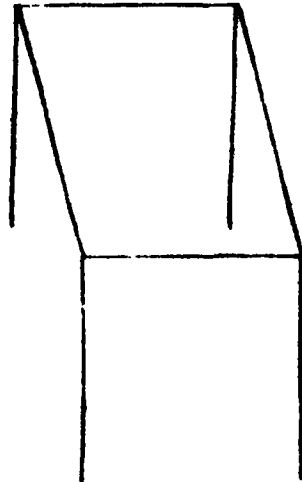
شکل نمبر ۹

پہلے پہل ایسے ہی دیکھئے گا تو معلوم ہوگا کہ آپ میز کا اوپری حصہ دیکھ رہے ہیں۔ اچھا اب آپ تھوڑی دیر اسے دیکھتے رہیے۔ ہائیں! یہ کیا ہوگیا۔ یہ میز تو ابھی سیدھی تھی الٹی کیسے ہوگئی۔ ابھی تو اوپری حصہ دکھائی دے رہا تھا اب یہ اندر کا حصہ دکھائی دے رہا ہے۔ ضرور کسی جن یا بھوت کا کام ہے۔ یا پھر آنکھیں خراب ہوگئی ہیں۔ معلوم نہیں کیا ہوگیا دیکھئے نہ تو آپ کی آنکھیں خراب ہوئی ہیں اور نہ یہ کسی جن بھوت کا کام ہے۔ بلکہ صرف آپ کی آنکھیں دھوکا دے رہی

شکل نمبر ۱۰

ہیں۔ اگر آپ اس کا ثبوت چاہتے ہیں تو آپ اپنی آنکھیں تھوڑی دیر کے لئے اس پر سے ہٹا لیجئے اور پھر دیکھئے، اب آپ کو کیا دکھائی دے رہا ہے؟ دیکھا آپ نے میز سیدھی ہوگئی۔ دیکھئے یہ سب آپ کی آنکھوں کا کرشمہ ہے ورنہ میز تو ویسی رہتی ہے۔ شکل نمبر (۱۰) میں کچھ چھلے دکھائے گئے ہیں جو ایک نلکی کی شکل میں ہیں۔ پہلے پہل تو شاید آپ

کو دکھائی دے گا کہ نلکی ٹیڑھی بینڈی رکھی ہوئی ہے دیکھیں تو آپ کی آنکھوں نے آپ کو کہاں تک صحیح بتایا کچھ دیر تصویر کو گھورئے۔ چند ہی سیکنڈ میں آپ چلا اٹھیں گے! "یہ نلکی تو سیدھی رکھی ہوئی ہے!" حالانکہ چھلّے ویسے ہی رکھے ہوئے ہیں۔

ابھی تو آپ ایسی چیزیں دیکھ رہے تھے جن کی صرف شکلیں بدل جاتی تھیں۔ اب آپ دیکھیں گے تو ٹھہری ہوئی چیزیں، مگر وہ آپ کو چلتی نظر آئیں گی۔

اچھا اب آپ شکل نمبر ۱۱ کو لیجئے اور اس کو دونوں آنکھوں کے بیچ میں ناک سے کوئی ایک انچ دور مشتاق
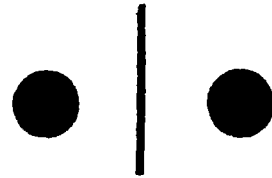
شکل نمبر ۱۱

نظروں سے دیکھئے آپ کو معلوم ہوگا کہ دونوں کالے دھبے اپنی جگہ سے ہٹ رہے ہیں اور ایک دوسرے کی طرف آتے معلوم ہو رہے ہیں۔ یہاں تک کہ معلوم ہونے لگے گا کہ دو کے بجائے ایک ہی رہ گیا۔ اس کے بعد دوسری شکل کو لیجئے۔ (شکل نمبر ۱۲) اور اس کے ساتھ بھی یہی عمل کیجئے۔ آپ کو معلوم ہوگا جیسے چھلّے میں کوئی مقناطیسی قوت ہے اور کالا دائرہ لوہے کا ایک گولا ہے جو چھلّے کی طرف کھنچا جا رہا ہے اور اس

کے اندر سے پار ہونا چاہتا ہے

شکل نمبر ۱۲

اس سے بھی عجیب شہد کی مکھی اور پھول کا قصہ ہے۔ اس شکل کو لیجئے اور سیدھی لکیر کو اپنی ناک کے

شکل نمبر ۱۳

پاس رکھئے اور پھر کچھ اپنی نگاہ پر زور دیجئے۔ آپ کو ایسا معلوم ہوگا کہ یا تو آپ پر کسی نے جادو کر دیا، یا پھر مکھی جادو کی بنی ہوئی ہے۔ اور اگر ان دونوں میں سے کوئی سی بات نہیں ہے تو پھول پر ضرور ہی جادو کا اثر ہے، کیوں کہ آپ دیکھیں گے کہ جس مکھی اور پھول کو آپ نے شکل میں الگ الگ دیکھا تھا اور

ان دونوں کے بیچ میں ایک لکیر بھی کھنچی ہوئی تھی، وہ دیکھی، اب لکیر کو پار کر کے پھول تک آنے کی کوشش کر رہی ہے، خدا معلوم کیا بات ہے؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پھول میں سے شہد کی مٹھاس کی خوشبو نکل رہی ہے۔ اور اس وجہ سے شہد کی مکھی دیوانہ وار اس کی طرف کھنچی چلی جا رہی ہے۔

آپ نے ایکس رے کا نام تو ضرور سنا ہوگا جس کے ذریعے ہڈیوں کا فوٹو لیا جاتا ہے اگر آپ چاہیں تو یہ نتیجہ ایک معمولی کھلونے سے حاصل کر سکتے ہیں۔ ایک پتلا سا دفتی یا کارڈ کا ٹکڑا لیجئے اور اس میں سے چھ انچ لمبی اور ایک انچ چوڑی پٹی کاٹ لیجئے اب اس پٹی کے دونوں سروں پر ایک چھید بنا دیجئے (جیسا شکل نمبر (۱۴) میں دکھایا گیا ہے) اس کے بعد

شکل نمبر ۱۴

کٹی ہوئی لکیر پر پٹی کو موڑ لیجئے، اور چھیدوں کے بیچ میں مرغی کا ایک سفید پر رکھ دیجئے۔ اب پٹی کے سروں کو گوند یا لیسی سے چپکا کر، پر کا باقی حصہ ایک قینچی سے کاٹ ڈالئے۔ بس اب خوش ہو جائیے آپ کا ا۔ ایکس رے (X, ۲۹۷) تیار ہو گیا۔ (دیکھئے شکل نمبر ۱۵) مگر ایک بات ابھی باقی ہے، اسے استعمال کیسے کیا جائے، اچھا آپ ایک کھڑکی کے سامنے کھڑے ہو جائیے! ایک ہاتھ میں آلہ لے لیجئے اور دوسرا ہاتھ اپنے سے کوئی پندرہ انچ دور کر لیجئے اور آلے کا سوراخ اپنی ناک کے قریب آنکھ کے سامنے کر لیجئے۔ اب آپ اپنا ہاتھ (جو پندرہ انچ کے فاصلے پر ہے) فوکس (FOCUS) کے لئے آگے یا پیچھے کیجئے، آپ کو ایک ایسی جگہ مل جائے گی جہاں سے

شکل نمبر ۱۵ (پر کاٹنے سے)۔

ہڈیوں کا عکس بہت آسانی سے دیکھا جا سکتا ہے۔
اب تو آپ ڈاکٹری بھی سیکھ گئے!

یہ لیجئے یہ ایک اور ترکیب، ترکیب کیا ہے بالکل شعبدہ بازی اور معما ہے۔ ایک دفتی لیجئے جو نہ بہت موٹی ہو نہ بہت پتلی، اس کی ۴½ انچ لمبی اور ۱⅜ انچ چوڑی پٹی کاٹ لیجئے۔ اچھا اب اس پٹی پر گیارہ دیاسلائیوں کی شکلیں برابر فاصلے پر بنا دیجئے (شکل نمبر ۱۶، الف) اس کے بعد پٹی کے ایک سرے

سے دوسرے سرے تک ایسی لکیر کھینچئے جو پہلی دیا سلائی
کے سر کو کاٹے اور آخری دیا سلائی کے نچلے حصے کو کاٹے

شکل نمبر ۱۶ (الف)
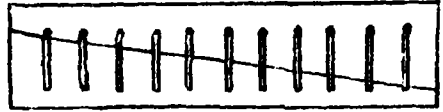
(شکل نمبر (۱۶) الف) اب آڑی لکیر سے پٹی کو کاٹ کر
اس کے دو حصے کر دیجئے۔ اب آپ ایک میز پر پہلے کی
طرح پٹی بنا کر رکھ دیجئے اور بہت اچھی طرح سے گن کر
اپنا اطمینان کر لیجئے کہ پوری گیارھوں دیا سلائیاں ہیں
یا نہیں۔ پھر اوپر کے حصے (۱) کو بائیں طرف ایک درجے
سرکا دیجئے، بس ویسے ہی جیسا کہ شکل نمبر (۱۶) ب میں
دکھایا گیا ہے۔ اچھا اب تو گنئے، اور بتائیے کہ اب
کتنی دیا سلائیاں ہیں۔ ہائیں! یہ کیا؟ ایک دیا سلائی
کہاں چلی گئی؟ یہ تو دس ہی رہ گئیں! ذرا پھر سے تو گنئے
شاید آپ نے گننے میں غلطی کی ہو (آپ حساب میں تو
کم زور نہیں ہیں؟) ارے! اب کی بھی دس!! یہ ہو کیا
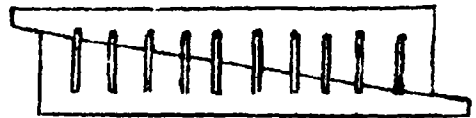
شکل نمبر ۱۶ (ب)

گیا؟ - اچھا اب زیادہ نہ گھبرائیے اور اوپری حصہ
(۱) کو پہلے کی طرح کر دیجئے۔ اب تو دیا سلائیوں کو
گنیے۔ ہائیں! آپ تعجب میں کیسے پڑ گئے۔ کیا دیا سلائیاں
پوری نکل آئیں؟ معلوم تو کچھ ایسا ہی ہوتا ہے۔ آپ
کے گننے میں کچھ غلطی نہیں تھی بلکہ اس میں کوئی ایسی
ترکیب تھی کہ جس کی وجہ سے آپ کی آنکھیں دھوکا کھا گئیں
بہت کم لوگ یہ بتا سکتے ہوں گے کہ گیارھویں
دیا سلائی کہاں چلی جاتی ہے۔ کیا آپ اس بات کو
بتا سکتے ہیں؟ اگر نہیں، تو سنئے۔

اس کی وجہ بہت آسان ہے۔ یہ سن کر آپ
کو بہت تعجب ہوگا کہ گیارھویں دیا سلائی ان ہی میں
رہتی ہے، مگر پوری طور پر نہیں۔ یہ ہی اصل وجہ فریب
کی ہے۔ جب آپ دفتی کو کاٹ کر بائیں طرف سرکا
دیتے ہیں تو اس سے ایک دیا سلائی دس برابر
حصوں میں بٹ جاتی ہے۔ دسوں دیا سلائیاں
آپ کو شکل (۱۶ ب) میں دکھائی دیتی ہیں۔ ان میں
سے ہر ایک دیا سلائی $\frac{1}{10}$ حصہ بڑھی ہوتی ہے، اور
چونکہ یہ فرق بہت معمولی ہوتا ہے اس وجہ سے آپ کو
سرسری طور پر دیکھنے سے پتہ نہیں چلتا ہے۔ اور آپ
کو دس دیا سلائیاں دکھائی دیتی ہیں۔

ہے نا آسان ترکیب! میں نے پہلے ہی آپ سے
کہہ دیا تھا۔ دیکھا آپ نے، اب، ہر چیز جو آپ دیکھیں
اس پر ہمیشہ یقین نہ کر لیا کیجئے۔

دھنک
(ننھے میاں اپنی ترنگ میں)
لڑکا جو دھنک تک دوڑ گیا سونے کا پیالا اس کو ملے
ایسے بھی ہیں جن کے پاس سدا سونے کا پیالا ساتھ رہے
لیکن وہ دھنک کو پائیں کہاں
معصوم چمک کو پائیں کہاں
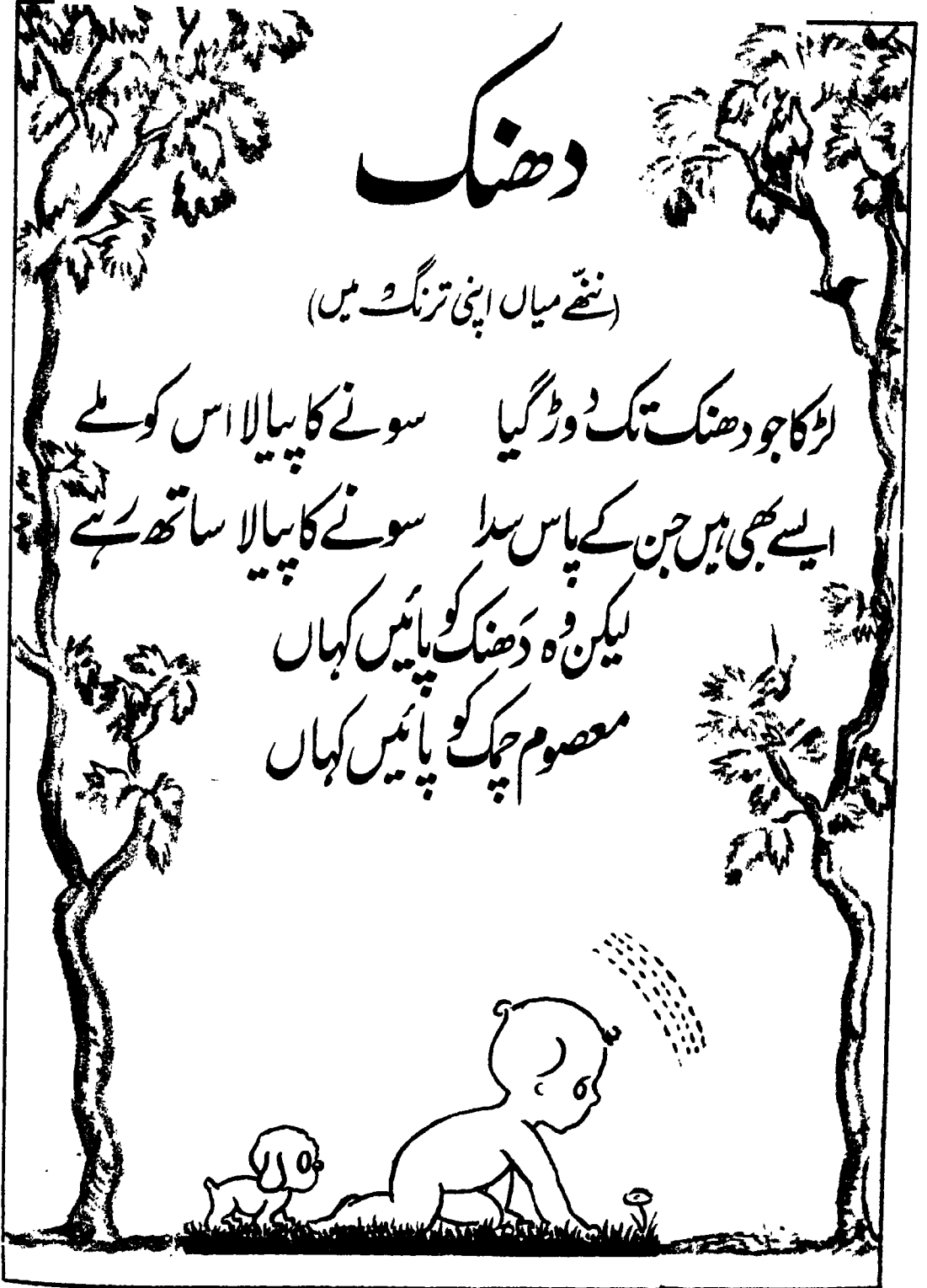
رضیہ کا گھر

محترمہ شمسی عبدالرحمٰن

رضیہ کے بیاہ کو تھوڑے ہی دن ہوئے تھے کہ میاں کے ساتھ پردیس جانا پڑا۔ میاں جمیل (رضیہ کے دولھا) فیروز پور میں ڈپٹی کلکٹر تھے۔ چھٹی لے کر شادی کے لئے وطن آئے تھے۔ شادی کی ہنسی خوشی میں وقت بڑی جلدی گذر گیا۔ چھٹی ختم ہونے کو آئی اور رضیہ کے جمیل کے ساتھ جانے کی تیاریاں ہونے لگیں۔

رضیہ کی ساس بڑی عقل مند اور نیک بی بی تھیں۔ وہ جانتی تھیں کہ میکے میں رضیہ کا سارا وقت لکھنے پڑھنے میں صرف ہوا ہے۔ گھر کا کام کاج کبھی کیا نہیں۔ فیروز پور میں اکیلی سارے گھر کا انتظام کیسے کر سکے گی۔ انھوں نے بہت چاہا، بہو کو ابھی نہ جانے دیں، کچھ روز اپنے پاس رکھ کر گھر کا انتظام اس کے ہاتھ میں دے دیں۔ بہو ہونہار ہے، تھوڑے دنوں میں سب کچھ سیکھ جائے گی اور گھر کا انتظام بڑی اچھی طرح کرنے لگے گی۔ مگر میاں جمیل کب ماننے والے تھے۔ انھوں نے یہ کہہ کر "ماشاء اللہ ہوشیار ہیں، پڑھی لکھی ہیں، سب کر لیں گی۔" ماں کی بات کو ٹال دیا۔ آخر وہ دن آ پہنچا کہ رضیہ جمیل کے ساتھ وطن اور عزیزوں سے رخصت ہو کر فیروز پور چلی گئی۔

فیروز پور میں رضیہ نے دیکھا۔ میاں بڑے ٹھاٹھ سے رہتے ہیں۔ بنگلہ ہے، موٹر ہے، نوکر چاکر ہیں۔ بہت سے دوست اور اُن کی بیویاں ملنے کو آتی ہیں ایسے گھر کا انتظام بھی کوئی معمولی بات نہیں۔ رضیہ کچھ گھبرائی مگر سمجھ دار اور بہادر لڑکی تھی۔ اُن لڑکیوں میں نہ تھی جو شادی کی خوشی میں یہ بات بھلا دیتی ہیں کہ بیاہ کے بعد اُن کے کیا فرائض ہوتے ہیں۔ اور ان پر کتنی ذمہ داریاں آجاتی ہیں۔ اُسے اپنے فرائض کا احساس اور اس بات کا خیال تھا کہ جمیل یا کسی اور کو اس پر اعتراض کرنے کا موقع نہ ملے۔ اس نے بڑی تندہی اور سلیقہ سے گھر کا انتظام کرنا شروع کیا۔ مگر ہر کام کے لئے تجربے کی ضرورت ہے اور تجربہ ہوتے ہی ہوتے ہوتا ہے۔

جمیل نے ایک روز اپنے دوستوں کو کھانے پر مدعو کیا۔ کھانا چھ آدمیوں کا پکنا تھا۔ مگر اتنا پک گیا کہ بارہ آدمی کھا لیں پھر بھی بچ رہے۔ ایک اور بدانتظامی

یہ ہوئی کہ کھانا وقت پر تیار نہ ہو سکا۔ مہمانوں کا بھوک کے مارے بُرا حال ہو گیا تب کہیں کھانا نصیب ہوا۔

اس روز بے چاری رضیہ کو بڑی ندامت ہوئی۔ وہ اس بات کی بہت کوشش کرتی کہ اس کا گھر چندن کی طرح صاف اور دلہن کی طرح سجا رہے۔ تاکہ جمیل دیکھ کر خوش ہو اور اس کی تعریف کرے لیکن جب غلطیاں ہوتیں، بہت سے کام بگڑ جاتے، چیزیں برباد ہوتیں تو رضیہ کو رنج ہوتا۔

ایک دن شام کو جمیل کلب گئے۔ رضیہ کا بیٹھے بیٹھے جی گھبرایا۔ اُٹھ کر بنگلہ کے سامنے ٹہلنے لگی۔ پڑوس میں ایک اور بنگلہ تھا۔ اس میں بڑا خوب صورت باغ تھا، خوش قطع روشوں کے دونوں طرف طرح طرح کے پھول کھلے تھے۔ بھینی بھینی خوشبو آ رہی تھی باغ کی خوب صورتی دیکھ کر رضیہ خوش ہوئی۔ دیوار کے قریب جا کر کھڑی ہو گئی، دیکھا، اس طرف بھی ایک خاتون ٹہل رہی ہیں۔ عمر میں رضیہ ہی کے برابر ہوں گی۔ ہاتھ میں سلائیاں اور اون لئے کچھ بُن رہی ہیں۔ انھوں نے جو رضیہ کو دیکھا، پاس آئیں باتیں کرنے لگیں۔ پھر اپنے ہاں لے گئیں۔ تھوڑی دیر کی ملاقات میں اتنا میل بڑھا کہ رضیہ اُنھیں زہرہ اور وہ اُسے رضیہ کہہ کر پکارنے لگیں۔ رضیہ، زہرہ کا باغ دیکھ کر تو خوش ہو ہی رہی تھی، دل ہی دل میں تعریف کر رہی تھی، گھر دیکھ کر اور بھی حیران رہ گئی۔ ایک ایک چیز سے سگھڑ پن ظاہر ہوتا، بات بات سے سلیقہ ٹپکتا تھا۔ ہر چیز میں سادگی اور سادگی میں دل کشی تھی۔ صفائی ایسی کہ گھر بھر میں کوڑا یا گرد کا نام نہیں۔ رضیہ سے نہ رہا گیا بولی "بہن زہرہ تمہارا گھر دیکھ کر میرا جی بڑا خوش ہوا۔ گھر کا انتظام ماشاءاللہ تمھیں خوب آتا ہے اور سجاوٹ میں تو کمال حاصل ہے" زہرہ نے کہا "بہن کیوں بنا رہی ہو؟ مجھے تو کچھ بھی نہیں آتا" رضیہ نے کہا "سچ کہتی ہوں میں نے آج تک کسی گھر میں اتنا اچھا انتظام نہیں دیکھا، نہ سجاوٹ میں ایسی خوب صورتی پائی۔ میں خود لاکھ کوشش کرتی ہوں مگر میرے ہاں یہ بات کہاں!" زہرہ بولی "اے ہے یہ بھی کوئی بڑا کام ہے، ذرا سا سمجھ کا پھیر ہے بس" رضیہ نے کہا "یہ سمجھ ہی کا پھیر تو ٹیڑھی کھیر ہے، ہر آدمی وہ سمجھ کہاں سے لائے جو تم میں ہے۔ میں تو آج سے تمھاری شاگرد ہو گئی گھر داری کی باتیں تم سے سیکھوں گی" زہرا ہنس پڑی کہنے لگی "تو آج ہی سے سیکھنا شروع کر دو تا ہو سب سے پہلے میں تمھیں گھر سجانے پر سبق دیتی ہوں۔ بہت بیبیاں خیال کرتی ہیں کہ بھڑک دار اور نمائشی چیزوں سے گھر سجتا ہے اور بہت سا روپیہ دکھاوے کا سامان خریدنے میں صرف کر دیتی ہیں ایسا سامان بڑی جلدی خراب ہو کر بدنما ہو جاتا ہے۔ مثلاً پردے، کچے رنگوں والے، چمکیلے کپڑے کے بنا دیئے۔ ایک ہی بار دُھلنے سے اُن کا رنگ خراب ہو گیا۔ اب یہ پردے کمرے

میں لٹکے ہوئے کیا اچھے معلوم ہوں گے۔ اتنی ہی قیمت پر ایک رنگ سادہ کپڑا پردوں کے لائق بہت اچھا مل جاتا ہے جو برسوں خراب نہیں ہوتا اور سادہ پردے زیادہ اچھے بھی معلوم ہوتے ہیں۔ اب میں تمھیں پھول سجانے کے متعلق کچھ باتیں بتاؤں گی۔ پھول سجانے کا ہنر بہت مشکل ہے۔ میں خود اس میں کچی ہوں۔ جی چاہتا ہے کاش جاپانی عورتوں کی طرح مجھے پھولوں کا سجانا آتا۔" رضیہ بولی "بس، بس رہنے دو، زیادہ باتیں نہ بناؤ (آتش دان کی طرف اشارہ کرکے) یہ پھول تم نے کچھ کم خوب صورتی سے سجائے ہیں! نازک گلدستہ بن گیا ہے!" زہرا نے کہا "یہ تو معمولی بات ہے۔ دیکھو، گلابی رنگ کا صراحی نما چھوٹا سا پھول دان ہے، اس میں صرف دو گلابی ہی رنگ کے لمبی ڈنڈیوں والے گلاب لگائے ہیں۔ اور بس دو ہی مور پنکھی کے پتے لگاکر پھولوں کو ایک طرف تھوڑا سا جھکا دیا اور پتوں کو پیچھے کی طرف ذرا پھیلا دیا ہے، بس خوب صورت معلوم ہونے لگا۔" رضیہ نے کہا "اسی کی تو میں تعریف کر رہی ہوں کہ دو پھول اور دو پتے آتش دان پر رکھے ہوئے کیا بہار دے رہے ہیں۔ میں تو رنگ رنگ کے بہت سے پھول، پھول دانوں میں لگاکر جگہ جگہ کمروں میں رکھتی ہوں، پھر بھی یہ خوب صورتی نہیں آتی۔" زہرہ نے کہا "بات یہ ہے، سجانے کے لئے بہت سے پھولوں

کی ضرورت نہیں، دو پھول ہوں مگر قاعدے سے پھول دان میں لگائے جائیں ان کی خوب صورتی کمرے کی سجاوٹ میں چار چاند لگا دے گی، اور اگر بہت سے خوب صورت پھول اس طرح سجائے جائیں کہ گلاب، گیندا، زینیا، گل داؤدی یہ سب چھوٹی چھوٹی ڈنڈیوں سے توڑ کر بے تکے پن سے ایک پھول دان میں ٹھونس دئے تو پھول کے پھول خراب ہوں گے اور ان کا بھدا پن کمرے کی سجاوٹ کو بھی شرما دے گا۔ اسی طرح بہت زیادہ تصویریں بھی کمرے میں لگی ہوئی اچھی نہیں معلوم ہوتیں۔ بہت سے گھروں میں دیکھا ہے، بیٹھک کے کمرے میں کیلنڈر بھی دیواروں پر لٹکائے جاتے ہیں۔ وہ کیلنڈر جو دکان دار اشتہار کے طور پر چھپوا کر تقسیم کراتے ہیں۔" یہ سن کر رضیہ نے جلدی سے کہا "یہ تو مجھے بھی پسند نہیں۔ ایسے کیلنڈر بیٹھک کے کمرے میں واقعی بہت بھدے معلوم ہوتے ہیں۔" زہرا بولی "بھدے معلوم ہوتے ہیں اور ایسی سجاوٹ سے گھر کی بیوی کا بھدا مذاق ظاہر ہوتا ہے۔ اچھے مذاق کے لوگ نشست گاہ میں کیلنڈر رکھتے ہی نہیں۔ ان کی جگہ مطالعے کے کمرے میں یا کھانے اور سونے کے کمروں میں ہوتی ہے۔" رضیہ نے کہا "اچھا، اور وہ تصویریں سجانے کی بات تو رہ ہی گئی (آتش دان کے اوپر دیوار پر اشارہ

کرتے ہوئے) وہ بڑی تصویر کسی باکمال مصور کی بنائی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ تم نے ایسے موقع سے لگائی ہے کہ پوری تصویر پر روشن دان سے چھن کر ہلکی ہلکی روشنی پڑ رہی ہے جس نے اس کی خوبی کو اور بھی بڑھا دیا۔ اتنی اونچی ہے اور کیسی صاف نظر آ رہی ہے۔" زہرہ نے کہا "بات یہ ہے، ہاتھ کی بنائی ہوئی بڑی تصویریں دور سے زیادہ اچھی معلوم ہوتی ہیں۔ اس لئے دیوار کے اونچے حصے پر جہاں روشنی پڑتی ہو ایسی تصویریں لگائی جاتی ہیں۔" رضیہ نے پوچھا "فوٹو سجانے کا اچھا طریقہ کیا ہے۔" زہرہ نے جواب دیا "اسکول یا کالج کے جلسوں یا کسی جماعت کے فوٹو بیٹھک کے کمرے میں نہیں سجائے جاتے۔ گھر والوں یا دوستوں کے اچھے اچھے فوٹو اگر بڑے ہوں تو چوکھٹوں میں لگا کر دیواروں پر لٹکائے اور چھوٹے ہوں تو چاندی یا نکل کے فریموں میں آتش دان یا میزوں پر قرینے سے رکھ دئے جاتے ہیں۔ خوش نما مناظر کے فوٹو نشست گاہ میں بہت خوب صورت معلوم ہوتے ہیں۔" رضیہ نے کہا "شاباش! تمھاری سمجھ بوجھ کی میں داد دیتی ہوں گھرداری کے متعلق اتنی باریکیاں سمجھنے اور سمجھانے میں تمھیں کمال حاصل ہے۔ اچھا ایک بات اور بتاؤ تمھارا گھر اتنا صاف ستھرا کیوں رہتا ہے میں تو بڑی کوشش کرتی ہوں پھر بھی میرے ہاں صفائی

نہیں رہتی۔" زہرہ نے جواب دیا "یہ ایک آدمی کے کرنے کا کام نہیں ہے۔ گھر کے سب لوگ صفائی کا خیال رکھیں تو صفائی رہ سکتی ہے۔ یہ نہیں کہ ایک آدمی تو صفائی کرتا پھرتا ہے دوسرے نے پھل چھیل کر چھلکے صحن میں پھینک دئے۔ تیسرے نے خط چاک کرکے پرزے فرش پر ڈال دئے، بچے ہیں کہ جگہ جگہ کوڑا کرتے پھرتے ہیں۔ نوکر چیزوں کو بے ٹھکانے کر دیتے ہیں لیکن گھر کی بیوی کا اتنا فرض ضرور ہے کہ وہ گھر والوں پر صفائی رکھنے کی تاکید کرے۔ بچوں کو ایسی تربیت دے کہ وہ اپنے کھلونے، کتابیں اور کپڑے وغیرہ جو جگہ ان کے لئے مقرر ہو وہیں سنبھال کر رکھا کریں۔ گھر کی چیزوں کو نہ بگاڑیں۔ نوکروں پر تاکید رہے، وہ جو چیز جس جگہ سے اٹھائیں پھر وہیں رکھیں کوڑا، کوڑے کے کنستر میں ڈالیں، ادھر ادھر نہ پھینک دیا کریں۔ ہفتے میں ایک دن، گھر بھر کی صفائی کے لئے مقرر کر دیا جائے۔ اس دن کمروں کے فرش، قالین کرسیوں کے گدوں، پردوں، بستر وغیرہ کو دھوپ میں ڈال کر جھاڑا جائے۔ مکڑیوں کے جالے لئے جائیں۔ کھڑکیوں اور دروازوں کے شیشے بھیگے کپڑے سے صاف کر دئے جائیں۔ سب کمروں میں جھاڑو دلوا کر جب گرد بیٹھ جائے تو جھاڑن سے کرسی، میز تصویروں اور سب چیزوں کی گرد صاف کر دی جائے۔ پھر ہفتے بھر تک روزانہ صبح کو کپڑے سے

ہلکی سی جھاڑ پونچھ کر دی جایا کرے۔ لو، ہر چیز صاف ستھری نظر آئے گی۔ وقت کا وقت بچے گا اور محنت کم ہوگی۔" رضیہ خوش ہو کر بولی" زہرہ بہن شکریہ! تم نے مجھے گھر داری کی بڑی اچھی اچھی باتیں بتائیں، ابھی میں تم سے اور بہت کچھ سیکھوں گی۔ وعدہ کرو کہ سکھاؤ گی۔" زہرہ نے کہا ضرور سکھاؤں گی جو کچھ مجھے آتا ہے میں بڑی خوشی سے تمھیں سکھاؤں گی۔" رضیہ نے گھڑی کی طرف دیکھ کر کہا" اے لو، باتوں باتوں میں آٹھ بج گئے۔ وہ کلب سے آگئے ہوں گے۔ اچھا بہن اب اجازت دو شب بخیر، کل پھر ملیں گے۔"
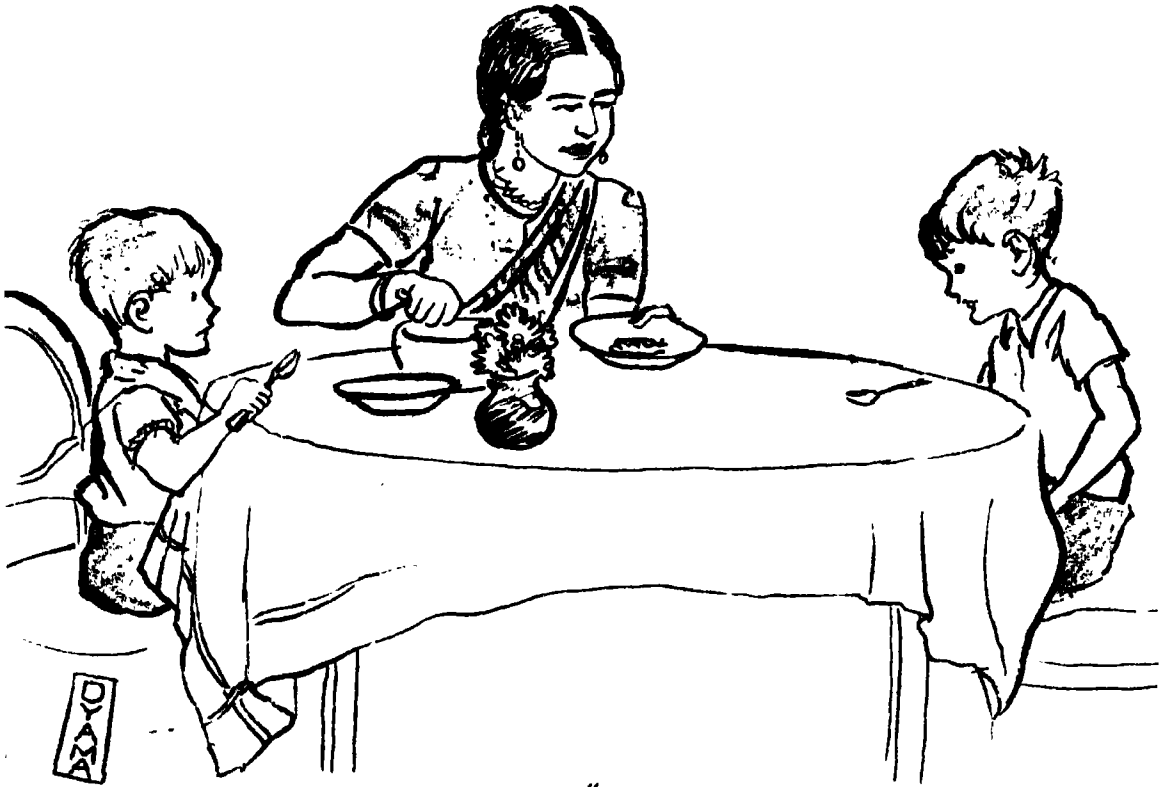
بڑا لڑکا :- اماں! کیا یہ سب، احمد کو دو گی؟"

اماں :- نہیں۔ یہ تمھارے لئے ہے۔"

بڑا لڑکا :- "ارے! اِتنا سا؟"

ایک دفعہ مجھے کسی کے ہاں مہمان جانے کا اتفاق ہوا ، رات کو وہیں سونا تھا۔ صاحبِ خانہ نے ہر طرح میرے آرام کا انتظام کیا۔ صاف بستر میرے لئے بچھوایا۔ اجلا تکیے کا غلاف ، صاف ستھری چادر پلنگ پر۔ مگر ایک ذراسی بات کی وجہ سے میری تمام رات بے آرامی سے گذری۔ تم خیال کروگی شاید پلنگ میں کھٹمل ہوں گے یا زیادہ کھنچا ہوا ہوگا ۔ یا بہت ڈھیلا ہوگا یا چوں چوں کرتا ہوگا ۔ ان میں سے ایک بات بھی نہ تھی۔ واقعہ یہ تھا کہ پلنگ پر جو چادر بچھی تھی، موٹے کپڑے کی تھی اور اس کے بیچ میں ایک نہایت ہی موٹی سیون تھی ، وہ سیون میرے چبھتی تھی۔ تم کہوگی بھلا اس سیون کا بھی کچھ علاج ہو سکتا تھا ؟ ہم تمھیں سیون جوڑنے کا ایک ایسا نیا طریقہ بتاتے ہیں جس سے اس میں موٹائی نہیں آتی۔ سلائی کے اس طریقے کو گون کرنا کہتے ہیں۔ اور یہ عام طور پر چادر ، دوتہی ، چاندنی اور دوسرے موٹے کپڑوں کی سیونیں جوڑنے کے لئے استعمال کی جاتی ہے۔ پہننے کے کپڑوں میں گون شاذ و نادر کی جاتی ہے۔ گون کرنے کی ترکیب یہ ہے کہ جو دو کپڑے جوڑنے ہوں ان کو برابر کر کے ایک سرے پر ٹانکا لگا دو۔ اور پھر ان کو کھول لو۔ خاکہ نمبر ۱

اس کے بعد ایک کپڑے میں نیچے سے سوئی داخل کر کے اس کے اوپر نکال لو اور دھاگا کھینچ لو۔ (خاکہ نمبر ۲)

اس کے بعد اسی طرح دوسرے
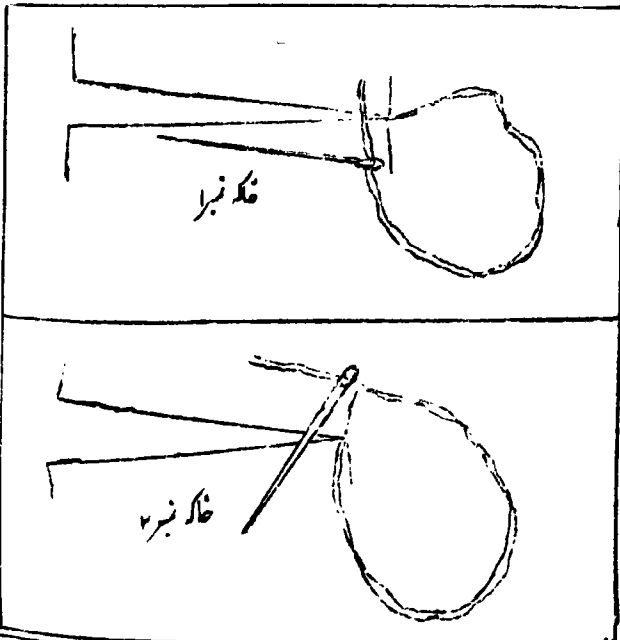
کپڑے میں نیچے کی جانب سے سوئی داخل کرکے اوپر کی طرف نکال لو اور دھاگا کھینچ لو۔ (خاکہ نمبر ۳)
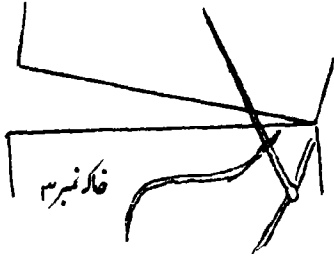
اسی طرح ایک مرتبہ ایک کپڑے میں سے اور دوسری دفعہ دوسرے میں سے ٹانکے لیتی رہو۔ ایک خوب صورت جالی سی بن کر دونوں کپڑے جڑ جائیں گے۔ (خاکہ نمبر ۴)

شکل نمبر ۴
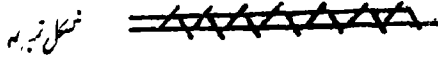
گون کرتے وقت ان باتوں کا خیال رکھو:۔

(۱) دھاگا اس قدر کھینچو کہ دونوں کپڑے مل جائیں۔ نہ تو ایسا ڈھیلا ہو کہ دونوں کپڑوں میں فاصلہ رہے۔ (خاکہ نمبر ۴ میں صرف سمجھانے کے لئے فاصلہ دکھایا ہے) اور نہ اس قدر تنگ کہ جھول آ جائے۔

(۲) ٹانکا کنارے کے قریب ہو۔

(۳) دونوں کپڑے برابر رکھو ورنہ جب ختم کرو گی تو دیکھو گی کہ ایک کپڑا دوسرے سے چھوٹا رہ گیا۔ اس کی سب سے اچھی ترکیب یہ ہے کہ گون کرنے سے پہلے دونوں کپڑوں کو ملا کر کوئی پاؤ پاؤ گز کے فاصلے پر ان میں ٹانکا لگا دو۔

تم گون کرنے کی مشق کرو اور جب سیکھ جاؤ تو ایک ایک انگل چوڑی دو پٹیاں لے کر ان پر ایک بالشت بھر گون کرکے ہمارے پاس بھیج دو۔ اگر تم نے اس کو اور بچیوں سے سب سے اچھا کیا تو تمھیں بہت عمدہ انعام ملے گا۔ دیکھنا ضرور بھیجنا اور رسالہ پہنچنے سے دس دن بعد روانہ کر دینا۔

پتہ:۔

درۃ البیضا بیگم

منیجر مسلم گرلس اسکول لطیف منزل - پانی پت

خوب صورت پھول

محترمہ درۃ البیضا بیگم پانی پت
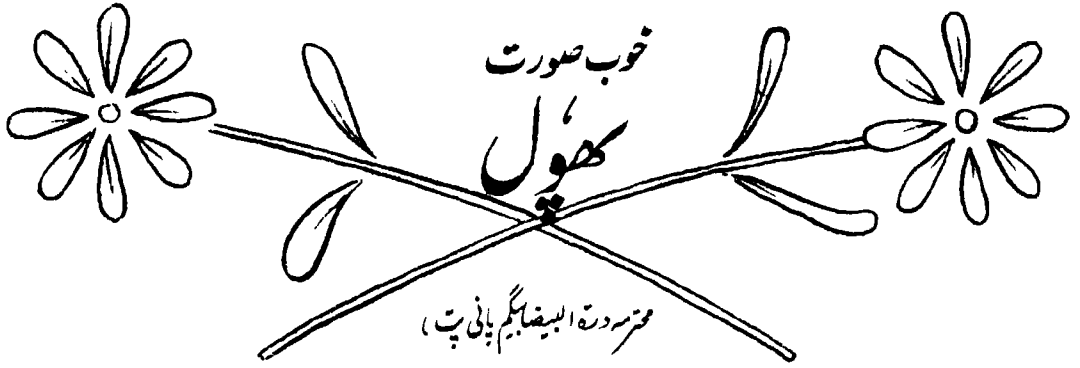
پیام بچو! دیکھنا یہ پھول کس قدر خوب صورت ہے۔ دیکھتے ہی تمھارا دل چاہے گا کہ تم اس کو کاڑھ لو جتنا یہ خوب صورت ہے اسی قدر آسان۔ ہم تمھیں اس کے بنانے کا طریقہ بتادیں گے۔ مگر جب تمھیں یہ آجائے تو ایک نمونے کا بناکر ہمارے پاس ضرور بھجوانا تاکہ ہمیں بھی معلوم ہو کہ تم نے سیکھ لیا ہے، اور اگر تمھارا پھول اور سب بچوں سے اچھا ہوا تو تمھیں ایک عمدہ سا انعام ملے گا۔ اس کے کاڑھنے کے لئے موٹا سا کپڑا استعمال کرنا۔ باریک کپڑا دھاگے کے ساتھ کھنچ جائے گا اور دھاگا بھی موٹا، اور پھولا ہوا ہو تو بہت اچھا۔ اون سے یہ پھول بہت خوش نما بنے گا۔

خاکہ نمبر ۱

بنانے کی ترکیب

کسی ایک پتی کی جڑمیں کپڑے کے نیچے سے اوپر کی طرف سوئی نکال لو۔ پھر دھاگا باہر انگوٹھے سے دباکر سوئی کو اسی سوراخ میں دوبارہ ڈال کر پتی کے سرے پر اس طرح نکالو کہ دھاگا جو تم نے دبایا ہے، وہ سوئی کے نیچے رہے اور اس طرح ایک پھندا سا بن جائے (خاکہ نمبر ۲) پھر سوئی کو اسی سوراخ میں ڈال کر دھاگا نیچے کھینچ لو، تاکہ پھندے کا سرا دب جائے۔ (خاکہ نمبر ۳) اسی طرح سب پتیاں بنالو۔ ڈنڈیاں ڈنڈی ٹانکے سے (جو ہم تمھیں پہلے سکھا چکے ہیں) بناؤ۔ دیکھا کس قدر آسانی اور جلدی سے بننے والا پھول ہے۔

خاکہ نمبر ۲

خاکہ نمبر ۳

از جمن لال صاحب جرنلسٹ

سیر و سیاحت بھی ایک طرح کا نشہ ہے۔ جس کے منہ کو لگ جائے اس کے پیر میں بس چکری رہتا ہے۔ میں ابھی دنیا کے گرد پانچواں چکر لگا کر لوٹا ہوں مگر روزانہ صبح اُٹھ کر اخبارات میں جہاز کی روانگی کے اشتہار دیکھ کر پھر دل بے قرار ہوجاتا ہے کہ ایک بار پھر اُن خوب صورت شہروں بڑے بڑے جہازوں برف سے لدے ہوئے پہاڑوں اور دنیا کے رنگ برنگے میلوں کو دیکھوں۔ سب سے زیادہ جس چیز کے لئے میرا جی بیتاب ہوتا ہے وہ ہے سمندر میں چاندنی رات کا نظارہ اور بحرالکاہل میں غروب آفتاب کا سُہانا منظر۔

شاید تم پوچھو کہ سیر و سیاحت کا یہ چسکا کب اور کیسے پیدا ہوا تو بھائی آج سے کوئی انیس برس پہلے کی بات ہے جب تم شاید پیدا بھی نہ ہوئے ہوگے کہ ہندوستان میں ترکِ موالات کے نام سے آزادی کی لڑائی چھڑی تھی۔ میں اُن دنوں پڑھتا تھا۔ مگر کچھ ایسا جوش آیا کہ میں کالج چھوڑ چھاڑ اس لڑائی میں شامل ہوگیا۔

مجھے کانگریس کے کام کے سلسلے میں دیہاتوں میں دورہ کرنا پڑتا تھا میں نے ایک ایک دن میں دس دس گاؤں کا چکر لگایا ہے اس چلنے پھرنے میں کچھ ایسا مزا آتا تھا کہ میں تمھیں بتا نہیں سکتا۔

تھوڑے دنوں بعد ۱۹۲۲ء میں جب یہ لڑائی بند کردی گئی تو میں اخبار بندے ماترم میں کام کرنے لگا۔ اسی زمانے میں راجہ مہندر پرتاب کابل میں تھے۔ ان کے خط اور سفر کے حالات بندے ماترم میں چھپنے کے لئے آتے تھے۔ میں نے راجہ صاحب کو اخبارات کے پیکٹوں میں رکھ کر چند خط بھیجے۔ ان خطوں میں میں نے لکھا تھا کہ آپ کے دلچسپ سفرنامول کو پڑھ کر میرے دل میں بھی دوسرے ملکوں کی سیر کا شوق پیدا ہو رہا ہے اور کوئی ایسی ترکیب پوچھی تھی کہ میں بغیر پاسپورٹ کے کابل پہنچ جاؤں (آزادی کی لڑائی میں شریک ہونے کی وجہ سے مجھے پاسپورٹ نہیں مل سکتا تھا) راجہ صاحب نے جواب میں ایک

لمبا سا خط لکھا کہ آنے والے کے لئے سب راستے کھلے ہوئے ہیں۔ جو مصمّم ارادہ کر لیتا ہے اُسے دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔

یہ خط ۱۹۲۳ء میں آیا تھا۔ اُس کے ٹھیک دس سال بعد یعنی ۱۹۳۳ء میں میں راجہ صاحب سے ٹوکیو میں ملا اور اس طرح اُن کا قول صحیح کر دکھایا۔ میں ابھی ابھی پانچویں دفعہ راجہ صاحب سے مل کر آ رہا ہوں۔

۱۹۲۴ء ہی میں مہاتما گاندھی سخت بیماری کی وجہ سے یرواده جیل سے رہا ہوئے اور انھوں نے ینگ انڈیا میں ایک مضمون لکھا جس کا عنوان تھا

سیر کر دنیا کی غافل زندگانی پھر کہاں
زندگانی گر رہی تو نوجوانی پھر کہاں

یہ مضمون پڑھ کر تو میرا دل اور بھی بے چین ہو گیا۔ اور میں نے بندے ماترم اخبار سے رخصت لے کر ہمالیہ کی راہ لی۔ پہلے میں نے دھرم سالا شوالک کی پہاڑیوں، کلو کی پر فضا وادیوں اور ہمالیہ کی برفانی چوٹیوں کی سیر کی۔ کوئی چھ ہفتے میں نے اس دشوار گذار اور دلچسپ سفر کا خوب لطف اُٹھایا۔ پہاڑی لوگوں کی مہمان نوازی کا مزا میں اب تک نہیں بھولا ہوں۔ میرا ارادہ تھا کہ جنوبی تبّت کے راستے سے سنٹرل ایشیا اور روس کی طرف نکل جاؤں لیکن اسی زمانے میں مجھے مسٹر پانیکر[۱] کا تار ملا کہ میں فوراً دہلی آ کر ہندوستان ٹائمس اخبار کے اسٹاف میں شریک ہو جاؤں۔ میں مجبوراً اس ارادے کو خیرباد کہہ کر دہلی پہنچا۔

اگرچہ اخبار کا کام بہت دلچسپ معلوم ہوتا تھا اور ایک نئے اخبار کی ترقی کے لئے کوشش کرنے میں خوشی محسوس ہوتی تھی۔ تاہم دنیا کی سیاحت کا خیال دل سے کبھی جدا نہیں ہوتا تھا۔

آخر میں اکتوبر ۱۹۲۶ء میں میں نے دنیا کے گرد پیدل چکر لگانے کا مصمّم ارادہ کر لیا اور پاسپورٹ کے لئے درخواست بھی دے دی۔

اخبارات میں یہ خبر شائع ہوتے ہی مجھے بہت سے نوجوانوں کے خط ملے۔ ان میں انھوں نے مجھ سے خواہش کی تھی کہ میں اُنھیں بھی ساتھ لے چلوں۔ خط لکھنے والوں میں گریجویٹ، وکیل، ڈاکٹر، کالج کے طالب علم وغیرہ تھے۔ ہاں پٹیالے سے ایک سکھ بہن نے بہت پُر زور خط لکھا تھا کہ میں اُنھیں بھی ساتھ لے چلوں۔ وہ میرے جواب کا انتظار کئے بغیر تلوار لگائے اور اپنا مختصر سا سامان پیٹھ پر اُٹھائے دہلی آ گئیں اور سیدھی ہندوستان ٹائمس کے دفتر میں پہنچیں۔ میں نے انھیں سمجھایا کہ ایک عورت کے لئے پیدل دنیا کا سفر بہت مشکل ہوگا مگر وہ کہنے لگیں آپ میرے ساتھ دوڑ لگا لیں۔ اُن کی یہ اولوالعزمی دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہوئی۔ اور

[۱] ہندوستان ٹائمس کی بنیاد مسٹر پانیکر ہی نے ڈالی تھی۔ یہ اب بیکانیر میں وزیر ہیں۔

میں نے وعدہ کر لیا کہ جب مجھے پاسپورٹ مل جائے گا تو انھیں اطلاع دوں گا۔

پاسپورٹ نامنظور

دسمبر کے مہینے میں میں گوہاٹی (صوبہ آسام) گیا ہوا تھا جہاں انڈین نیشنل کانگرس کا سالانہ اجلاس ہو رہا تھا۔ وہاں مجھے ڈپٹی کمشنر دہلی کی طرف سے ایک چٹھی ملی کہ چونکہ تمھاری پیدائش دہلی کی نہیں ہے اس لئے تمھیں پاسپورٹ نہیں مل سکتا۔ یہ جواب پڑھ کر میرے ارادوں کو بہت ٹھیس لگی۔ دوسرے ساتھی بھی بہت مایوس ہوئے۔ مگر میں نے سیاحت کا ارادہ نہیں چھوڑا اور تقریباً ہر سال پاسپورٹ کی درخواست دیتا رہا اور ہر سال ہی وہ نامنظور ہوتی رہی۔

تبت کے دو سفر

۱۹۲۷ء میں میں نے شملے سے روانہ ہو کر چھوٹا تبت، مغربی تبت، لداخ، کشمیر وغیرہ بارہ سو میل پیدل سفر کیا۔ میں اب کے بھی سنٹرل ایشیا جانا چاہتا تھا مگر برٹش ٹریڈ کمشنر اجازت دینے پر کسی طرح راضی نہ ہوا۔ میرا یہ سفر بہت ہی دلچسپ اور مشکلوں سے پُر تھا اس میں دو مرتبہ میں نے نئی زندگی پائی۔ تین ہفتے تک صرف جو کے ستو پر گذارا کیا۔ اس سفر کی کہانی پیام تعلیم میں پھر کبھی تفصیل سے پیش کروں گا۔

کیلاش پربت

۱۹۲۸ء میں میں نے ایک جرمن جرنلسٹ کے ساتھ کیلاش پربت (جو تبت کی بلند ترین پہاڑیوں پر واقع ہے اور ہندوؤں کا تیرتھ ہے) کی زیارت کی جب ہم تبت کی اندرونی سرحد پر پہنچ گئے تو ہمارے وارنٹ جاری کر دئے گئے اور ہمیں واپس لوٹنا پڑا یہ سفر بھی بہت ہی دلچسپ تھا۔ اس کی کہانی ایک علیحدہ سلسلۂ مضامین میں لکھی جائے گی۔

ایک دلچسپ لطیفہ

اس سلسلے میں ایک نہایت دلچسپ لطیفہ آج ہی تمھیں سناتا ہوں۔ میرے جرمن دوست جو یہودی تھے بہت ہوشیار نکلے۔ انھوں نے جرمنی و امریکہ کے اخباروں کو راستے ہی سے مضمون لکھ دئے کہ ہم کیلاش پربت پر پہنچ گئے ہیں اور مان سرور جھیل بہت ہی خوب صورت ہے اور وہاں بہت سے سادھو، مہاتما خدا کی عبادت کرتے ہیں۔ انھوں نے یہ مضامین مجھ سے بغیر مشورہ کئے بھیج دئے اور کیلاش کی کچھ تصویریں بھی جو ہم نے راستے میں بہت دور سے لی تھیں اخباروں کو بھیج دیں اور وہ شائع بھی ہو گئیں۔ لیکن جب ہم کو پولیس نے واپس لوٹا دیا اور ہم کئی دنوں کے بعد الموڑہ پہنچے تو میں نے اخبارات کو اور رائٹر نیوز ایجنسی کو ناکام واپس

لوٹنے کی کہانی بذریعہ تار بھی وہ تار جرمنی اور امریکہ
کے اخباروں میں بھی شائع ہوا۔ اس سے چند ہی
روز پہلے ہمارے جرمن دوست کے جھوٹے مضامین
شائع ہو چکے تھے۔ اخباروں والے بہت ناراض
ہوئے اور ہمیشہ کے لئے اُن سے مضامین لینا
بند کر دیا۔ اب وہ حضرت ڈاکٹری کا پیشہ کرتے ہیں
مجھے اس واقعے کا علم پانچ سال تک نہیں ہوا۔

۱۹۳۳ء میں میں پہلی مرتبہ یورپ گیا اور
ویانا میں مسٹر سبھاش چندر بوس کے پاس ہوٹل فرانس
میں ٹھہرا ہوا تھا۔ مسٹر بوس نے مجھ سے کہا کہ تمہارا ایک
یہودی دوست یہاں رہتا ہے اور تم کو بہت دُعا
دیتا ہے۔ میں اُن کا مطلب نہ سمجھ سکا۔ انھوں نے
اس کو ٹیلی فون کر کے ہوٹل میں بلوا لیا۔ وہ مجھ سے
بغل گیر ہو کر ملا مگر چھوٹتے ہی اس نے یہ کہا کہ تم
نے میری زندگی تباہ کر دی۔ میں اس کا منہ دیکھنے
لگا۔ مگر جب اس نے اپنی تمام حرکت بیان کی تو مجھے
اور بھی حیرانی ہوئی اور افسوس ہوا۔ وہ ایک
مشہور اخبار نویس تھا اور اب اعتبار اُٹھ جانے
کی وجہ سے کوئی اخبار اس کا مضمون شائع نہیں
کرتا۔

لامبر کی بیوی کی سفارش

۱۹۳۴ء میں میں نے لیڈی متر کے ذریعے
(جن کے خاوند سر بی، ایل، متر اس وقت گورنمنٹ
آف انڈیا کے ممبر قانون تھے) اس وقت کے اسسٹنٹ
ہوم ڈیپارٹمنٹ (جو ہندوستانی تھے) سے
سفارش کرائی اور پاسپورٹ ملنا تقریباً طے ہو گیا
میں نے یورپ کے سفر کی سب تیاری کر لی تھی مگر
وقت پر پھر پاسپورٹ نامنظور کر دیا گیا اور سبب
وہی یعنی آزادی کی تحریک میں شرکت

تمنا بر آئی

۱۹۳۵ء کے شروع میں ہندوستان ٹائمس
کے ایڈیٹر مسٹر پوتھن جوسف نے ڈائرکٹر جنرل سی
آئی، ڈی سے یہ دریافت کیا کہ جب مسٹر پٹیل اور
مسٹر سبھاش چندر بوس جیسے سرگرم لیڈروں کو پاسپورٹ
دے دیا گیا تو چمن لال جیسے سپاہی کو پاسپورٹ
دینے سے آپ کیوں گھبراتے ہیں۔ سی، آئی، ڈی
کے چیف جو دراصل وائسرائے کا دایاں ہاتھ تھے
اس کا کوئی معقول جواب نہ دے سکے۔ انھوں نے
مجھے ایک تحریر لکھ دی کہ جوں ہی سول نافرمانی کی
تحریک بند ہو جائے گی مجھے پاسپورٹ مل جائے گا
اگرچہ اُن کی یہ شرط بڑی مضحکہ خیز تھی مگر صبر کرنے
کے سوا کوئی چارہ نہ تھا چند مہینوں بعد جب
تحریک ختم کر دی گئی تو مجھے خدا خدا کر کے
سات سال کے بعد پاسپورٹ ملنے کا پکا وعدہ
ہو گیا۔

دہلی کی سی، آئی، ڈی نے میرے ارادے

کو ناکام بنانے کے لئے پھر طرح طرح کی ترکیبیں کیں مگر سخت ناکامی ہوئی اور مجھے حکومتِ برطانیہ و یورپ (بغیر روس) کا پروانہ راہ داری مل گیا میں نے مئی ۱۹۳۳ء میں اپنا پہلا سفرِ دنیا شروع کیا اور حال ہی میں پانچواں چکر ختم کرکے واپس آیا ہوں اب میرا پاسپورٹ لندن میں ضبط ہوچکا ہے اور یہ آخری سفر میں نے بلا پاسپورٹ کے ختم کیا اس آخری سفر میں مجھے فرانس، ہانگ کانگ سنگاپور ہندچینی، کولمبو پیننانگ وغیرہ میں اترنے نہیں دیا گیا۔ ہالی نوڈ میں انگریزی حکومت کی شہ پر گرفتار کرلیا گیا۔ جرمنی میں جیل جانے سے بمشکل بچا اور آئرلینڈ سے اپنی ضبط شدہ کتاب "برباد ہونے والی سلطنت" کو بطور پاسپورٹ استعمال کرکے جہاز پر سنٹرل امریکہ کو روانہ ہوا۔ گذشتہ چھ سال میں میں نے تقریباً دو لاکھ میل سفر کیا جس کے دوران میں ۷۰ جہازوں کی سیر کی۔ دنیا کے تمام بڑے بڑے ممالک کو دیکھا اور مہاتما گاندھی جی کے مضمون کے مطابق خوب ہی زندگانی کا لطف اٹھایا۔ اب ہر مہینے یہ دلچسپ سفرنامہ قسط وار تمھارے پیامِ تعلیم میں شائع ہوگا۔ اب تو اس شعر پر میں اپنا مضمون ختم کرتا ہوں۔

سیر کر دنیا کی غافل زندگانی پھر کہاں
زندگانی گر رہی تو نوجوانی پھر کہاں

تم گڑیاں تو ضرور کھیلتی ہوگی۔ گڑیاں بنانا بھی آتا ہوگا۔ اگر تم چاہو تو کپڑے سے گڑیوں کے علاوہ بھی دلچسپ دلچسپ چیزیں بنا سکتی ہو۔ آج میں تمھیں یہی بات بتاؤں گی۔ یہ چیزیں یا کھلونے تم اونی یا سوتی کپڑے سے بہت آسانی سے بنا سکتی ہو بس چند باتیں سمجھ لو۔

۱۔ جو نمونے میں تمھیں بتاؤں گی وہ پورے سائز یا ناپ کے ہوں گے۔ ہر نمونے کے حصوں کو معمولی کاغذ پر اتار لو پھر ان ہی حصوں کے ناپ کا کپڑا کاٹ لو۔ آسان صورت یہ ہوگی کہ ہر حصے پر حرف یا نمبر ڈال دو۔ پھر ان کو ملالو۔

۲۔ سینے کے لئے ہر نمونے میں ¼ انچ کنارہ چھوڑ دو۔ کاغذ کے ناپ کو ہمیشہ کپڑے کے الٹی طرف رکھو۔ چاروں طرف پنسل یا چاک سے لکیر کر دو یعنی سیدھا رخ اندر کی طرف ہو۔ اب دوہری سلائی سے سیو۔ تاگا کپڑے کے رنگ کا ہو۔ مشین سے بھی سی سکتی ہو۔

کھلونوں کو بھرنے کے لئے بہت سی چیزیں استعمال کی جاتی ہیں۔ روئی۔ لکڑی کا برادہ، اون پرانے کمبل یا کپڑے کے چیتھڑے۔ رزائی یا تکیے کی پرانی روئی، اون، کاغذ

کھلونے کے ناک، کان ٹانگیں اور ہاتھ پیر پہلے بھرو۔ جسم سب سے آخر میں بھر کر تیار کرنے سے پہلے کھلونے کی بناوٹ اور شکل کو اچھی طرح ٹھیک کر لو پھر سوئی سے ٹانک دو ایسا سیو کہ سوراخ باقی نہ رہے۔ تاگا خوب مضبوط ہو۔

کھلونے کی آنکھ، ناک، دم، چونچ وغیرہ بہت مضبوط تاگے سے سینا چاہیئے۔ سوئی بہت گہری نکالو آنکھیں رنگین یا سیاہ ریشم، جوتے کے بٹن یا تسبیح کے رنگین دانوں سے بنائی جاتی ہیں تک اور منہ سیاہ رنگین تاگے سے بناؤ۔

(۱) بطخ

سامان :۔ پاؤ (¼) گز سفید یا ہلکے زرد کپڑے میں سے دو ٹکڑے کاٹو۔ ایک پیٹ کے

لئے۔ دوسرا چاروں پیروں کے لئے۔ ۲۔ نارنجی کپڑے سے چار پیر اور دو چونچیں کاٹو۔ کٹی ہوئی بطخ کے حصوں یا ٹکڑوں پر بائیں طرف ہوشیاری سے نمبر یا حرف لکھ دو۔ پھر ٹکڑوں کو اس طرح جوڑو (۲) پیٹ کو ایک طرف کے نیچے کے حصے سے ٹانک دو الف کے مقام سے شروع کرو اور ب پر ختم کرو۔ پیٹ کو جسم کے دوسرے ٹکڑے سے کاٹو اس طرح کہ الف الف اور ب، ب پر لگ جائے۔ چاروں طرف سے سی لو صرف ص سے ص تک بھرنے کے لئے چھوڑ دو۔

۳۔ سب سی چکیں؟ اچھا اب اسے الٹ دو اور بھر دو۔ اب کی شکل ٹھیک کر لو۔ یہ بھی دیکھ لو کہ اس کا سر، دم اور پیٹھ سڈول ہیں یا نہیں، اب کھلے ہوئے حصے کو بھی لیس والی سوئی سے سی دو۔

۴۔ پیروں کے جوڑے کو سیتے وقت ص سے ص تک کھلا رکھو پھر انھیں بھی الٹ دو۔ پر زیادہ نہ بھرنا۔ بھرنے کے بعد اس کے کھلے حصے کو سی دو اور جسم پر اس طرح لگاؤ کہ د، د پر اور س س پر آجائے نارنجی چونچ کے دونوں حصوں کو سی کر الٹ دو اور روئی خوب کس کر بھر دو۔ پھر اسے جسم پر ص کے مقام پر لگا دو۔ جسم کا ص چونچ کے ص پر لگے۔

(۵) پیر بھی سینے کے بعد سیدھے کر لو اور بھرنے کے بعد ج پر لگا دو اس طرح کہ ج ج پر لگ جائے۔

(۶) گول آنکھیں موٹی سوئی سے، اون یا تاگے سے بنا دو۔

(۷) اگر بطخ اس نقشے سے چھوٹی یا بڑی بنانا چاہو تو اس کے حصوں کو اسی مناسبت سے چھوٹا یا بڑا کاٹ لو
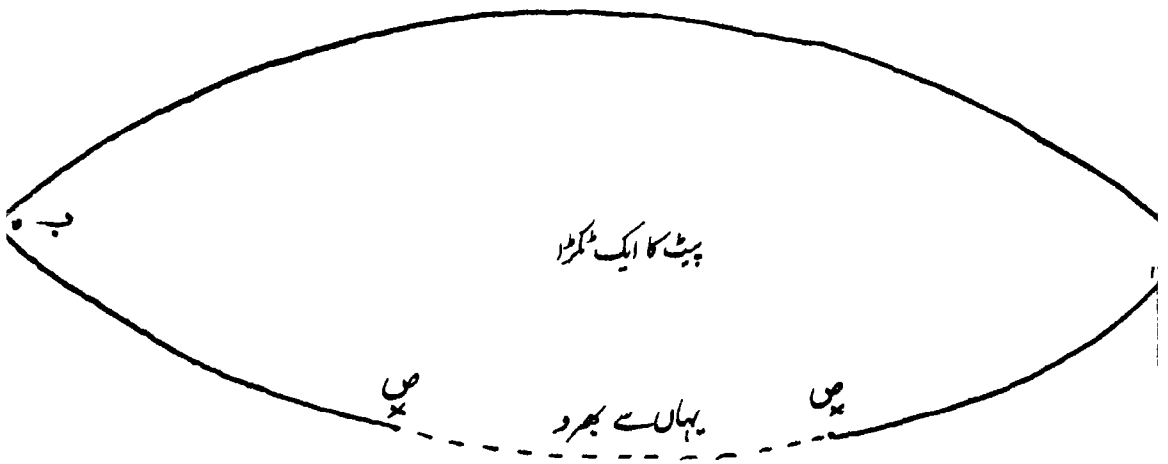
برسات کی آمد کی خوشی میں لڑکیاں ناچ رہی ہیں

کلا بھون کے لڑکے اپنے بورڈنگ میں ڈیسکو کررہے ہیں

کلا بھون کے لڑکوں کا کیا ہوا تیرا کوڑ

بدھ کا مٹی کا مجسمہ
(کلا بھون کے ایک طالب
علم کا بنایا ہوا)

سر رابندر ناتھ ٹیگور
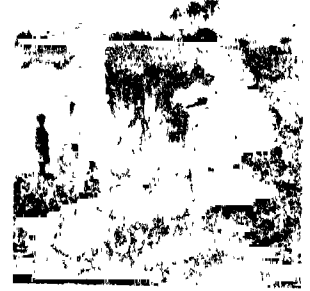
ششو وبھاگ کے دو بچے

چھوٹے بچوں کے کھیل

کلا بھون کی پکنک
(لڑکے اور لڑکیاں مل کر کھانے کا انتظام کر رہے ہیں)

اے بکلام طالب علم ۔ شانتی نکیتن

شانتی نکیتن صوبہ بنگال میں کلکتے سے ۹۹ میل دور ضلع بیربھوم میں واقع ہے ۔ کلکتے والی لائن پر بردوان اسٹیشن پر گاڑی بدلنا پڑتی ہے ۔ پھر لوپ لائن سے سوار ہوکر ۳۹ میل کے فاصلے پر ایک اسٹیشن آتا ہے بولپور ۔ بس یہیں سے شانتی نکیتن کو جاتے ہیں ۔ یہاں سے شانتی نکیتن کل ڈیڑھ میل ہے گاڑی سے اُترتے ہی موٹر تیار ملتی ہے ۔

یہ تو تمھیں معلوم ہوگا کہ یونیورسٹی کسے کہتے ہیں یعنی وہ جگہ جہاں سب علم سکھائے جاتے ہیں اور بڑی بڑی ڈگریاں دی جاتی ہیں اس اعتبار سے شانتی نکیتن بھی اچھی خاصی یونیورسٹی ہے ۔

یہ یونیورسٹی یا مدرسہ دیس کے مشہور شاعر رابندر ناتھ ٹیگور نے قائم کیا ہے ۔ تم نے اُن کا نام تو ضرور سُنا ہوگا ، حالات شاید نہ معلوم ہوں ۔ چلو ذرا مختصر سا حال بتاتے چلیں ۔

رابندر ناتھ ٹیگور ۷ مئی ۱۸۶۱ء میں پیدا ہوئے ۔ اُن کے باپ دیبندر ناتھ ٹیگور مہارشی کہلاتے تھے ۔ یہ گھرانا علم و شرافت میں ممتاز تھا ٹیگور کی تعلیم زیادہ تر گھر ہی پر ہوئی ۔ انھوں نے بچپن میں اپنے والد کے ساتھ ہندوستان کی سیر کی ہے ۔ شاعری کا بچپن سے شوق تھا ۔ پندرہ برس کی عمر میں بہت اچھے شعر کہنے لگے تھے ۔ سیر و سیاحت کا بھی بہت چسکا تھا ۔ یورپ کوئی چار بار گھوم آئے ہیں ۔ اس کے علاوہ امریکہ ، چین ، جاپان غرض تقریب قریب تمام دنیا کی سیر کی ہے ۔ ان کی سب سے مشہور کتاب گیتان جلی ہے ۔ اس میں اُن کی بہترین نظمیں ہیں ۔ یہ بنگالی زبان میں تھیں ۔ ٹیگور نے خود ان کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا ہے ۔ اسی کتاب پر انھیں نوبل پرائز ملا ہے اور انگریزی حکومت نے انھیں سر کا خطاب اور کلکتہ یونیورسٹی نے ڈاکٹری کی اعزازی ڈگری دی ہے ۔ ٹیگور بنگالی زبان کے بہت بڑے شاعر ، ناول نگار اور ادیب سمجھے جاتے ہیں ۔ انھوں نے اپنی کتابوں کا انگریزی میں خود ترجمہ کیا ہے اور انگریزی ادب میں انھیں بڑی حیثیت حاصل ہے ۔

ٹیگور کے والد کے زمانے میں شانتی نکیتن کی حیثیت ایک آشرم کی تھی۔ ٹیگور نے اُسے پہلے ۱۹۰۱ء باقاعدہ اسکول کی شکل میں تبدیل کیا اور پھر بڑھاتے بڑھاتے اُسے یونیورسٹی بنا دیا۔ اس یونیورسٹی کا نام وشوا بھارتی ہے یعنی عالم گیر برادری۔ وشوا بھارتی میں شروع سے لے کر آخر تک تعلیم کا انتظام ہے۔ بچوں کا مدرسہ ششو وہاگ کہلاتا ہے۔ اس میں چار سال تک کی عمر کے بچے بھرتی کئے جاتے ہیں۔ پھر پاٹھیا بھون میں میٹرک تک پڑھائی ہوتی ہے۔ اس کے بعد شکشا بھون ہے اس میں بی، اے تک تعلیم ہوتی ہے۔ آرٹ یعنی مصوری سکھانے کا انتظام علیحدہ ہے۔ اس مدرسے میں ہندوستانی مصوری، مٹی سے مورتیں بنانا، ربڑ اور لکڑی سے تصویروں کے بلاک بنانا (لینوکٹ اور وڈکٹ) دیوار پر تصویریں بنانا (فریسکو) دیوار پر مٹی سے شکلیں بنانا۔ (ٹیراکوٹا) سکھایا جاتا ہے

ایک علم موسیقی کا مدرسہ ہے یہاں گانا اور ناچنا سکھایا جاتا ہے۔ پکا گانا، ٹیگور کے بنگالی گانے ٹیگوری ناچ ان ہی چیزوں کی یہاں تعلیم دی جاتی ہے اس کے بعد ودیا بھون اور ہندی بھون بھی ہے یہاں لڑکے نئی نئی معلومات فراہم کرتے ہیں۔ ایک خاص چیز چینا بھون ہے۔ یہاں چینی زبان پڑھائی جاتی ہے چینی حکومت نے کوئی ایک لاکھ کتابیں شانتی نکیتن کو دی ہیں اور کتب خانے اور پڑھائی کے لئے ایک شان دار عمارت بنوا دی ہے۔ ایک چینی پروفیسر چینی پڑھاتے ہیں۔

شانتی نکیتن کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ شہری زندگی سے بالکل دور کھلی ہوا میں بسا ہوا ہے تعلیم کے لئے کوئی عمارت نہیں بنائی گئی ہے۔ طالب علم گرمیوں میں درختوں کے نیچے اور جاڑے کے موسم میں دھوپ میں بیٹھ کر پڑھتے ہیں۔ ہر طالب علم کے پاس بچھانے کو کوئی نہ کوئی چیز ہوتی ہے اس کو بچھا کر بیٹھ جاتا ہے۔ ہاں کلا بھون کے طالب علموں کے لئے الگ الگ کام کرنے کے لئے مکان بنے ہوئے ہیں جہاں تھوڑے تھوڑے طلبا مل کر کام کرتے ہیں۔ کلا بھون کے ساتھ ایک عجائب خانہ بھی ہے۔ اس میں ایرانیوں، مغلوں اور راجپوت مصوروں کی قلمی تصویریں ہیں۔ ان کے علاوہ بہترین چینی اور جاپانی تصویریں بھی ہیں۔

یہاں لڑکے اور لڑکیاں ساتھ ساتھ تعلیم پاتے ہیں اظہار خیال اور تعلیم کی جتنی آزادی لڑکوں کو ہے اتنی ہی لڑکیوں کو، سب بہن بھائی مل کر کام کرتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے سب کے سب ایک ہی خاندان کے لوگ ہیں۔

اُستادوں اور شاگردوں کا تعلق بھی بڑے اور چھوٹے بھائیوں جیسا ہے۔ ایک دوسرے سے بہت خلوص اور ہم دردی سے پیش آتے ہیں اور

ایک دوسرے کی امداد کے لئے آمادہ رہتے ہیں۔

یہاں تربیت بھی تعلیم ہی کا ایک جزو سمجھی جاتی ہے۔ چھوٹے بچے اور بچیاں اپنے جلسوں اور پکنک وغیرہ کا انتظام خود ہی کرتے ہیں۔ استاد صرف ضرورت کے وقت اُن کی مدد کرتے ہیں۔

شانتی نکیتن میں ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی ہر فرقے اور ہر ملک کے طالب علم موجود ہیں۔ کسی میں مذہبی تعصب قطعاً نہیں ہے۔ سب بھائی بھائی کی طرح رہتے ہیں۔ ہندو مسلمان وغیرہ کا سوال کبھی درمیان میں نہیں آتا۔ ہر مذہب کے طالب علموں کو مذہب کی پابندی کی پوری آزادی حاصل ہے سب مذہبوں کے خاص خاص تیوہار سب مل کر مناتے ہیں

ان سب ملکوں اور مذہبوں کے طالب علموں کے ایک جگہ جمع ہونے سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ ان کے تہذیب و تمدن سے واقفیت کا موقع ملتا ہے۔ مگر ان کی بھانت بھانت کی بولیاں سمجھنے میں کافی دقت ہوتی ہے۔

شانتی نکیتن میں مناظر قدرت سے لگاؤ پیدا کرنے کو بہت اہمیت دی جاتی ہے۔ جب موسم بہار کی آمد ہوتی ہے تو لوگ خوب کھیلتے کودتے ناچتے گاتے اور خوشیاں مناتے ہیں۔ یہی حال برسات کی آمد پر ہوتا ہے۔ بہار کے خیر مقدم کو بسنت اُتسو اور برسات کو برشا منگل کہتے ہیں۔

ہر شعبے کے لڑکوں کے لئے الگ الگ بورڈنگ بنے ہوئے ہیں۔ ان میں لڑکے ایک ساتھ رہتے ہیں۔ لڑکیوں کے لئے خواہ وہ کسی شعبے کی ہوں ایک ہی ہوسٹل ہے۔ سب طالب علموں کے لئے باورچی خانہ بھی ایک ہی ہے۔ گوشت کھانے اور گوشت سے پرہیز کرنے والوں کے لئے الگ الگ انتظام کر دیا گیا ہے۔

ہفتے میں ایک دن یعنی بدھ کو سب شعبے بند رہتے ہیں اور چھٹی منائی جاتی ہے۔ اس دن صبح کو سب لوگ مندر میں اکٹھا ہوتے ہیں۔ یہ مندر نام ہی کا مندر ہے۔ یہاں نہ تو کوئی مورتی ہے نہ کسی کی پوجا وغیرہ ہوتی ہے۔ سب مل کر خدا کی حمد و ثنا کے گیت گاتے ہیں اور بعد میں علم و عقل کی باتیں ہوتی ہیں۔ یہ جلسہ کوئی آدھ گھنٹے تک رہتا ہے۔

ویسے ہر صبح کو کام شروع کرنے سے پہلے سب ایک جگہ جمع ہو کر خدا کی حمد و ثنا کرتے ہیں اور گانا گاتے ہیں اور پھر اپنے اپنے کاموں میں لگ جاتے ہیں شام کو مختلف کھیل کھیلے جاتے ہیں۔ بچوں کے لئے کھیلنا لازمی ہے۔ باقی کالج اور دوسرے شعبوں کے لڑکوں کو اُن کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ کچھ لوگ کھیلتے ہیں اور کچھ سیر و تفریح کو چلے جاتے ہیں۔

لڑکیوں کے لئے کھیل کا الگ انتظام ہے۔

کھیل کے بعد اور کھانے سے پہلے اکثر مباحثے

کے جلسے اور ڈرامے وغیرہ کئے جاتے ہیں۔ ایسے موقعوں پر دوسرے شعبوں کے طالب علموں کو بھی بلایا جاتا ہے۔

شانتی نکیتن میں اس کا بھی انتظام کیا گیا ہے کہ لڑکے تیاری کرکے کلکتہ یونیورسٹی سے بی اے کا امتحان دے سکیں۔ شانتی نکیتن کا کسی یونیورسٹی سے تعلق نہیں ہے نہ حکومت نے اسے تسلیم کیا ہے پھر بھی یہاں کے پڑھے ہوئے لڑکوں کی ملک میں کافی مانگ ہے بخصوصاً کلا بھون کے طالب علم سرکاری عہدوں پر ممتاز ہیں۔

تمھیں یہ سن کر تعجب ہوگا کہ شانتی نکیتن کو ہندوستانیوں سے زیادہ باہر کے لوگ جانتے ہیں اور اس کی صحیح معنوں میں قدر کرتے ہیں۔ دوسرے ملکوں کے اکثر سیاح یہاں آتے رہتے ہیں۔ انھیں دیکھنے ان سے ملنے اور اُن کی باتیں سننے کا موقع ملتا ہے اور اس طرح ہمارے علم میں کافی اضافہ ہوتا ہے۔
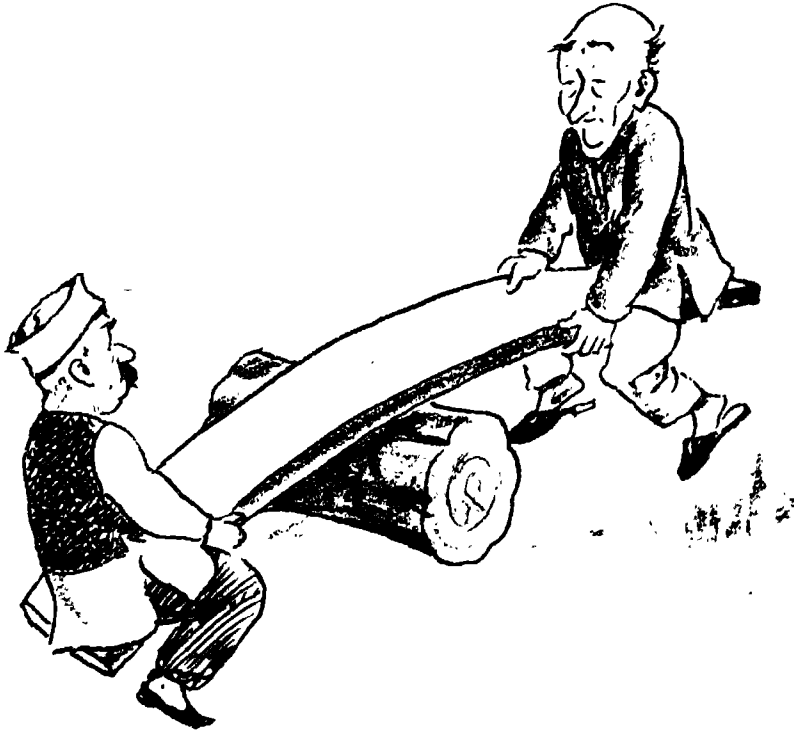
مزا آرہا ہے!
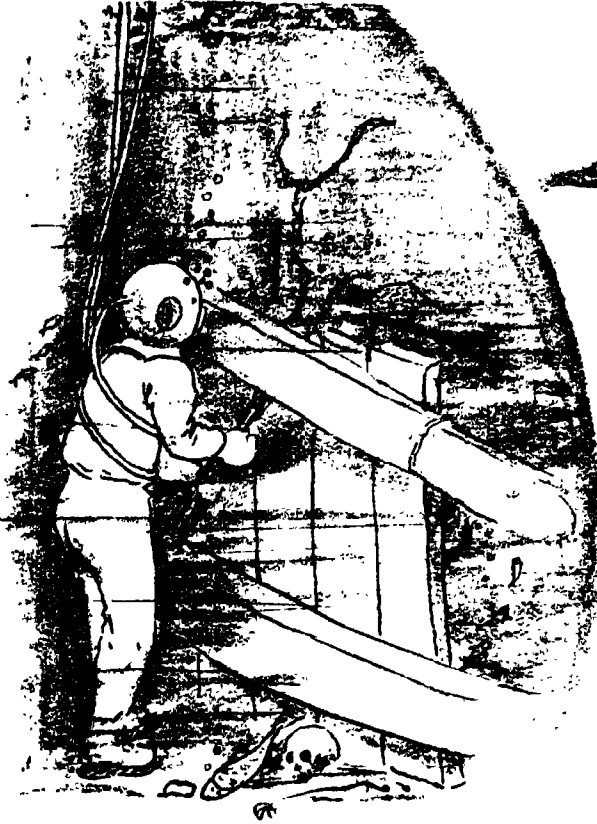
خطرے کی تلاش

حامد حسین صاحب متعلم جامعہ

اگر میں تم سے سوال کروں کہ کیا تم آتش فشاں پہاڑ کے اس سوراخ میں جانا پسند کروگے جس میں سے لاوا نکلتا ہے تو تم ضرور جواب دوگے کہ مجھے خودکشی کے اس سے زیادہ بہتر اور آسان طریقے معلوم ہیں لیکن میں تمھیں یقین دلاتا ہوں کہ اس قسم کے دلاوری کے کام ایک مرتبہ نہیں سینکڑوں بار معلومات کی خاطر انسانوں نے کئے۔

تین سال پہلے کی بات ہے، اٹلی کے تین طالب علم اٹنا کی رصدگاہوں کے ایک افسر کے ساتھ دس ہزار فیٹ بلندی پر چڑھے۔ وہاں انھوں نے خاص قسم کے آگ سے بچانے والے کپڑے پہنے۔ آنکھوں کی حفاظت کے لئے عینکیں اور گیس نقابیں چہروں پر لگائیں اور آتش فشاں پہاڑ کے آٹھ ہزار فیٹ گہرے دہانے میں رسّی ڈال کر نیچے اتر گئے۔

اٹنا ایک آتش فشاں پہاڑ ہے۔ اس کے دہانے سے گیس اور دھواں نکلتا رہتا ہے۔ جب یہ لوگ اندر گئے اس وقت یہ پہاڑ ساکن تھا۔ پھر بھی زہریلی اور گندھک ملی ہوئی ہوا اور دھواں شگافوں سے نکل رہا تھا۔

چاروں خیریت سے اندر پہنچ گئے۔ نیچے

گہرے غار اور درزیں تھیں۔ چاروں طرف گُڑی رنگ کا کاربونیٹ آف لائم کا تہہ نشین مادہ تھا جو عموماً قلموں کی صورت میں غار کی چھت وغیرہ سے لٹکتا رہتا ہے اور پانی کے رسنے سے بنتا ہے۔ پگھلا ہوا لاوا تہہ میں اُبل رہا تھا۔ انھوں نے گیس کے بہت سے نمونے بوتلوں میں بھر لئے اور کئی مشاہدے کئے۔ غار سے باہر آنا بڑا مشکل تھا۔ مگر وہ سب بخیر و خوبی نکل آئے۔

آج کل آتش فشاں پہاڑوں کا مطالعہ ایک مستقل علم ہے۔ اسی لئے اٹنا اور ویسوویس کی آتش فشانی کا وقت ہفتوں کیا بلکہ مہینوں پہلے معلوم کر لیا جاتا ہے۔

پروفیسر بروس وائٹ زہروں کے بڑے ماہر ہیں۔ ایک شخص کی موت پر انھیں پنیر میں زہر کا شبہ ہوا۔ لیکن جب بہت سے تجربوں کے بعد بھی کچھ پتہ نہ چلا تو انھوں نے خود پنیر کھایا اور زہر کو پہچانا۔ ایک دفعہ انھوں نے ایک زہر چکھا اور بہت سخت بیمار پڑ گئے اور اس طرح ثابت کیا کہ وہ زہر کتنا خطرناک تھا۔

نیویارک میں ستر طلبا ء کی جماعت ہے۔ جو بہ خوشی زہر کھاتے رہتے ہیں اور زہر کے بُرے اثرات کو اپنے ذاتی تجربوں سے ثابت کرتے ہیں تین آدمیوں نے ان زہر کھانے والوں سے

بھی زیادہ خطرہ جھیلا۔ انھوں نے سیٹ سی مکھی سے اپنے جسم پر کٹوایا اس مکھی کے کاٹنے سے انسان کو نیند کی بیماری ہو جاتی ہے ان تین آدمیوں میں ڈاکٹر اس کا نائب اور ایک افریقی تھا۔ اتفاق سے ایک سور اس مرض میں مبتلا تھا۔ ڈاکٹر نے اس کے جراثیم سے اپنے جسم میں ٹیکہ لگایا اور اس طرح ایک نئی دوا جو "جرسینین" کہلاتی ہے، دریافت کی۔ اس دوا نے ڈاکٹر کو اچھا کر دیا۔

اسی طرح دو امریکن سپاہیوں نے پیلے بخار کے مچھروں سے اپنے آپ کو کٹوا نے دیا۔ انھیں پیلا بخار چڑھا مگر اچھے ہو گئے۔ اس تجربے میں اُن کے ساتھ ایک نرس بھی شریک تھی مگر وہ جانبر نہ ہو سکی ان بہادر مردوں کی رہنمائی سے وسطی امریکہ کے مہذب حصوں میں اس پیلے بخار سے بالکل نجات مل گئی ہے۔

نقطۂ انجماد سے کم درجے میں زندگی :۔

تم نے اکثر سنا ہوگا کہ لوگ برف میں دب کر مر جاتے ہیں۔ سر جوسف یار کرافٹ ایک سائنس داں نے قطبین کی حالت معلوم کی ایک خاص سرد تجربہ گاہ میں وہ خود منجمد ہوئے۔ شروع میں تو انھیں بڑی تکلیف ہوئی۔ انھوں نے بیان دیا کہ "مجھ پر ایک وقت ایسا بھی گذرا کہ سردی کا احساس ختم ہو گیا اور ہلکی سی گرمی محسوس ہوئی

ہوا یہ کہ رگوں کے درمیانی نظام میں خون کا دوران بند ہوگیا اور خون کھال کی طرف بڑھنے لگا...... میرا درجہ حرارت بہت جلد گر گیا اور میں اس حالت کے بہت زیادہ قریب پہنچ گیا تھا جو سخت سردی میں ہمیشہ کے لئے سو جانے والے پر گذرتی ہے۔

اسی سائنس داں نے ایسی فضا میں جس میں نائٹروجن بہت زیادہ اور آکسیجن بہت کم تھی سائکل چلائی۔ اس نے ہاتھ میں ایک نلکی لی تاکہ جب آکسیجن کی ضرورت ہو اس کو کھول کر حاصل کر سکے۔ آپ یقین کریں یا نہ کریں بہرحال اس تجربے میں اس کے دماغ پر ایسا اثر پڑا کہ وہ گیس والی نلکی کو کھول بھی نہ سکا اور مرنے ہی والا تھا کہ ایک شخص نے جو یہ سب دیکھ رہا تھا نلکی کھول کر آکسیجن پہنچائی اور اسے موت سے بچایا۔ اسی طرح پہاڑ پر چڑھنے والے جب ۱۷۰۰۰ فیٹ سے زیادہ اوپر جاتے ہیں تو اُن کا دماغ بھی کام نہیں کرتا۔

سائنس کی خاطر پروفیسر بارکرافٹ نے کئی بار اپنی زندگی خطرے میں ڈالی۔ زہریلی ہواؤں مثلاً بورک ایسڈ اور فاسجین کے اثر کے تجربے کے سلسلے میں انھوں نے حصہ لیا اور معلوم کیا کہ بورک ایسڈ جھینگروں اور اسی قسم کے کیڑوں کے مارنے میں بڑی کامیاب ہے۔

کلکتے کی کال کوٹھری کے معمے کو اسی پروفیسر نے حل کیا ہے۔ اٹھارہ آدمیوں کو آٹھ گھنٹے تک ایک تہہ خانے میں جس میں باہر سے بالکل ہوا نہیں جا سکتی تھی، بند کیا گیا۔ ان میں کے تیرہ ٹائپ کر رہے تھے اور باقی لکھ رہے تھے، گرمیوں کے دن تھے پروفیسر بارکرافٹ بھی اُن کے ساتھ تھے اور ان کی حالت کا ریکارڈ رکھ رہے تھے

پہلی بار بجلی کے پنکھے برابر چلتے رہے اور سب اچھے رہے۔ دوسرے تجربے میں پنکھے ہٹا لئے گئے اور تہہ خانے میں تازہ ہوا بھر دی گئی۔ اس دفعہ ان لوگوں کی بہت بُری حالت ہوگئی۔ پروفیسر نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ بلیک ہول میں زیادہ تر لوگ گرمی کی شدت سے مرے۔ سخت حبس کی وجہ سے نہیں

غوطہ خور بھی بہت زیادہ تکلیف اُٹھاتے ہیں ان کو زیادہ گہرے پانی میں سے تیزی سے اوپر کھینچا جائے تو مر جاتے ہیں۔ اُن کے خون میں نائٹروجن کے بلبلے گھس جاتے ہیں۔ انسان کے جسم پر پانی کے دباؤ کے متعلق اور زیادہ معلومات حاصل کرنے کے لئے دو بہادر سائنس دانوں نے اپنے آپ کو ایک بڑے لوہے کے بائیلر (ابلنا) میں قربان کر دیا۔

ہوا کا معمولی دباؤ جسم کے ایک مربع انچ حصے پر پندرہ پونڈ ہے۔ یہ لوگ چت لیٹ گئے اور ہر ایک مربع انچ پر ۴۰، ۵۰، اور ۶۰ پونڈ کے حساب سے

دباؤ ڈالا گیا۔ ٹیلیفون سے انھوں نے اپنا حال کہا جس سے بعد میں بہت اچھے نتیجے اخذ کئے گئے۔ معلوم ہوا کہ دباؤ کی حالت میں چربی نائٹروجن کو پانچ گنا زیادہ جذب کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ موٹے آدمی غوطہ لگانے یا پانی میں بنیاد ڈالنے کے کام کے نہیں ہوتے۔ اِن تجربوں سے واقعتاً ہزاروں جانیں بچ گئیں۔

نمک اور غذا کے بغیر:-

کچھ لوگ نمک ناپسند کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہم نمک دانی کو ہاتھ نہیں لگاتے۔ مگر وہ نمک کھاتے ہیں۔ روٹی، پنیر، مکھن، گوشت اور تقریباً تمام دوسری غذاؤں میں نمک ہوتا ہے۔ نمک کے بغیر زندگی مشکل ہے۔ خون سمندر کے پانی کی طرح کھاری ہوتا ہے۔

ایک یا دو سال پہلے تین طبّی طالب علموں اور ایک ڈاکٹر نے نمک چھوڑنے کا تہیہ کیا۔ انھوں نے خاص روٹی، پھیکا مکھن، تین دفعہ اُبلی ہوئی ترکاریاں جام، پھل اور کافی پر گذر کرنا شروع کیا۔ وہ گرم بھاپ کا غسل کرتے تاکہ پسینہ جس میں نمک ہوتا ہے جہاں تک ہو سکے اُن کے جسم میں باقی نہ رہے۔

ایک ہفتہ بعد وہ پورے طور پر بلا نمک کی غذا کھانے لگے۔ آٹھویں یا نویں دن اُن کی بھوک مر گئی۔ مُنہ کا مزا جاتا رہا۔ بیمار معلوم ہونے لگے اور اتنے کمزور ہوگئے کہ ہلنا مشکل تھا۔ پٹھوں میں اینٹھن ہوگئی اور اس طرح نمک کی اہمیت ہمیشہ کے لئے ثابت ہوگئی۔

فوج کے لئے غذا کا سوال بڑا اہم رہا ہے۔ فوجیوں کو ایسی غذا دی جاتی ہے جو مقدار میں کم ہو مگر غذائیت میں زیادہ۔ چند سال ہوئے جرمن رجمنٹ میں سے کچھ آدمیوں کو مٹر کے آٹے کی غذا تجربتاً کھلائی گئی۔ تین دن تک یہ لوگ یہی کھا کر کام کرتے رہے لیکن چوتھے دن وہ گرنے لگے اور بیس میں سے صرف پانچ آدمی چھ دن تک اس غذا پر سنبھل سکے۔

ایسی ہی دوسری غذا کا تجربہ برطانوی فوج پر کیا گیا۔ ۵۰ سپاہیوں سے تین دن تک سخت محنت کرائی گئی۔ انھیں کافی کی ٹکیاں اور سالن دیا گیا۔ لیکن اس کا نتیجہ بھی پہلے کی طرح نکلا۔ دوسرے دن ۵۰ میں سے ۳۶ آدمی بیکار ہوگئے۔ سب کے پیٹ میں درد ہوگیا اور طبی امداد سے وہ اچھے ہوئے

بھلے لوگ سائنس کے تجربوں میں اپنی صحت اور جان صرف اس لئے قربان کر دیتے ہیں کہ دوسرے انسانوں کو بھی صحت اور زندگی مل سکے۔ وہ لوگ قابل عزت ہیں اور انھیں ہمیشہ ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے۔

(ملخص)

نیا کھلونا

آج ہم تمھیں ایک دلچسپ کھیل بنانے کی ترکیب بتلاتے ہیں اس کی ترکیب بہت آسان ہی ہم نے خود کرکے دیکھی ہی۔ لکڑی یا دفتی کے چھ ٹکڑے دو انچ چوڑے اور تین انچ لمبے کاٹ لو ½ انچ چوڑا اور دو گز لمبا فیتا اور تھوڑا سا گوند بھی لے لو اب دفتی کے دو ٹکڑے لو۔ پہلے کے ایک طرف (۱) اور دوسری طرف (۲) اور دوسرے کے بھی اسی طرح ایک طرف (۳) اور دوسری طرف (۴) لکھو۔ اب فیتے میں سے تین ٹکڑے پونے پانچ پانچ انچ کے کاٹ لو۔ دفتی کے ٹکڑے نمبر ۱ پہ فیتے کا ایک ٹکڑا ایک طرف بیچ میں چپکا دو۔ دوسرے دونوں فیتے دوسری طرف (شکل نمبر ۱) دوسرا دفتی کا ٹکڑا لو اور نمبر ۱ لکھی ہوئی طرف اوپر رکھو۔
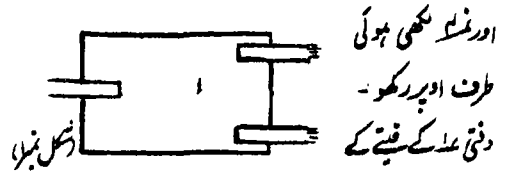
(شکل نمبر ۱)

دفتی نمبر ۲ کے فیتے کے دونوں ٹکڑے نمبر ۱ کی طرف سے نمبر ۲ کے کناروں پر چپکاؤ۔ (دیکھو شکل نمبر ۲)

بیچ کا فیتا دفتی نمبر ۲ کے نیچے سے لاکر اس کے اوپر چپکاؤ۔ یہ تم (شکل نمبر ۲) دیکھ کر اچھی طرح سمجھ سکتے ہو۔ یہ دیکھنے کے لیے کہ چپکائے ہوئے ٹکڑے ٹھیک ہیں یا نہیں ایک ٹکڑے کو ہاتھ میں لے کر

(شکل نمبر ۲)

ذرا جھکاؤ تو دوسرے ٹکڑے کے دونوں سرے خود بخود گر جائیں گے۔ دفتی کا تیسرا ٹکڑا لے کر ایک طرف ۵ اور دوسری طرف ۶ لکھو اور پہلے دو ٹکڑوں کے ساتھ چپکاؤ (شکل نمبر ۳) فیتے کے تین تین ٹکڑے جیسے پہلے کاٹے تھے ویسے ہی کاٹتے جاؤ اور دفتی کے باقی تین ٹکڑوں کو ایک ایک کرکے پہلے تین ٹکڑوں سے چپکا لو۔ دفتی نمبر ۱ کا اوپری سرا انگلیوں سے پکڑ دو اور تیر کا نشان (شکل نمبر ۴) جس رخ کو دکھاتا ہی اس پر دوہرا کر دو۔ ایسا کرنے سے دفتی کا ہر ٹکڑا ایک دوسرے پر الٹ جائے گا۔ فیتوں کو بالکل سروں پر چپکانا۔ دیکھو کیسا اچھا کھلونا بن گیا۔

(شکل نمبر ۳)

(شکل نمبر ۴)

نیویارک ورلڈ فیر میں آئس لینڈ کی جو نشانی تھی اس قسم کی تصویر آئس لینڈ کے ایک ٹکٹ پر چھاپنے کا فیصلہ حکومت نے کیا ہے۔ اس ٹکٹ پر ٹھارفن کارسینفی کی تصویر ہرے رنگ کی ہوگی۔

کارسینفی، لیف اُرسکن، امریکہ کے دریافت کرنے والے کا ہم عصر تھا اور اس نے ونڈ لینڈ کو آباد کرنا چاہا تھا مگر اس کی کوششیں ناکام رہیں۔

بلجیم نے تیسری دفعہ ایک سینٹ اروال اے (گرجا) کو گرنے سے محفوظ رکھنے کے سلسلے میں چندہ جمع کرنے کے لئے جاری کیا تھا۔ یہ ٹکٹ اصلی اور ان پر لکھی ہوئی قیمت سے دوگنی قیمت میں فروخت کئے گئے جو (75c + 75c) سے لگاکر (۵ + ۵) تک تھی۔ ان ٹکٹوں کی تصویروں میں اپے فرے، خانقاہیں اور گوشہ نشیں (پادری) مختلف مذہبی کاموں میں مشغول دکھائے گئے ہیں اور شاہ لیوپولڈ ثالث اور اس کے مرحوم باپ شاہ البرٹ کی [illegible] ہے۔

جنگ شروع ہونے سے چند دن پہلے فرانس میں (90c) کا ایک ٹکٹ جاری ہوا تھا۔ اس ٹکٹ میں چودھویں صدی کا پو کا قلعہ جو ایک شہر اور چھٹیاں گذارنے کی جگہ ہے بنایا گیا ہے اور پائیرنیز کا بھی ایک منظر تھا جو شراب کے لئے مشہور جگہ ہے۔ اس قلعے میں ہنری چہارم فرانس کا پہلا بادشاہ پیدا ہوا تھا اس بادشاہ کا ہنڈولا اور کتب خانہ اب تک قلعہ میں محفوظ ہے۔

جنیوا کی ریڈکراس قائم کرنے والی مجلس کی یاد کے اعزاز میں سوئٹزرلینڈ سے دو خوبصورت ٹکٹ جاری ہوئے ہیں۔ ان ٹکٹوں میں جنیوا کا ایک منظر ہے اور ریڈکراس بھی بنی ہوئی ہے (20c) کا ٹکٹ ہرا، سرخ اور پیلا اور (30c) کا ہرا، نیلا اور سرخ ہے۔
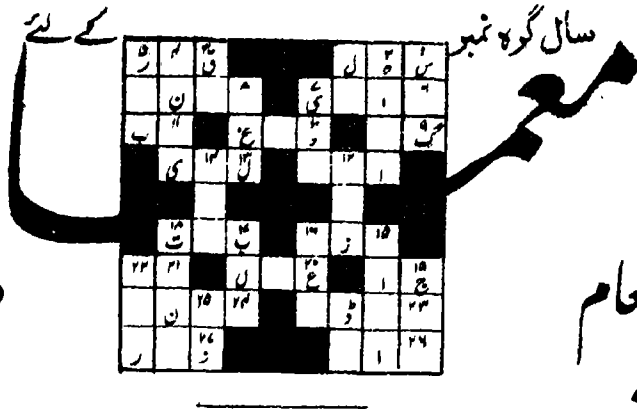
اشارات

دائیں سے بائیں

(۱) آہاہا! یہ معما تو بہت ہی .... ہے۔

(۳) وہ سنسان جنگل وہ نور...... + وہ براق سا ہر طرف دشت و در

(۶) جرمنی میں ہٹلر کی پارٹی .... کہلاتی ہے۔

(۸) نیست ہو جانا۔

(۹) گلاب

(۱۰) غزل کے مشہور شاعر۔

(۱۱) کسان اب چلا کھیت کو چھوڑ کر + کہ گھر میں کرے چین سی.... بسر

(۱۳) پنجاب میں خوب پی جاتی ہے۔

(۱۵) اسلام میں اس شخص کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے۔

اوپر سے نیچے

(۱) پتھر

(۲) چاند کے گرداگرد .... ہوتا ہے
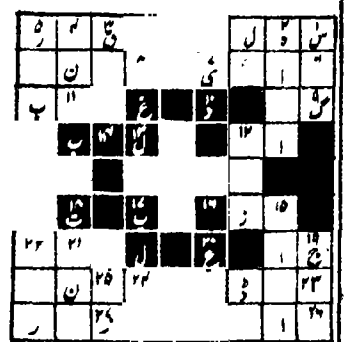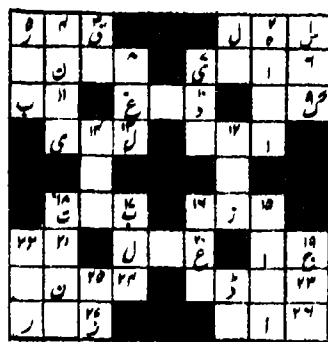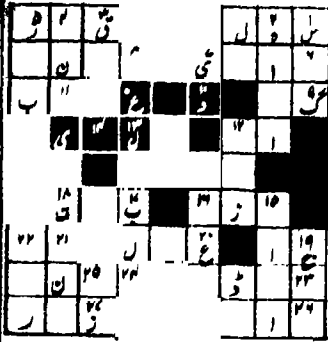
(۴) ......جی کی پہچان یہ ہے کان پر قلم ضرور ہوگا۔

(۵) میٹھی ہوتی ہے اور گنے کی بنتی ہے۔

(۷) ضدی (بے ترتیب)

(۸) اس خاندان کے بادشاہوں نے ہندوستان میں کئی سو سال حکومت کی ہے۔

(۱۲) بھید

(۱۴) اس سے بڑے تجربے حاصل ہوتے ہیں۔

(۱۴) ہندوؤں کا روزہ ۔

(۲۰) بغیر .... کے علم بیکار ہے ۔

(۲۱) تہنر

(۲۲) بھی گنا .... نہ کھانا ۔

(۲۳) چھٹنے سو ...... کے تھا اک سماں + ہوا پر اڑیں جیسے چنگاریاں

(۲۴) بچوں کے چہروں پر چھوٹی سی ...... ہوتی ہے ۔

(۲۶) روس کے پرانے بادشاہ ...... کہلاتے تھے ۔

(۱۵) عقلمند ۔

(۱۶) ہماری ...... ہے کہ پیامی بڑے ہو کر کامیاب زندگی بسر

(۱۷) جلب (بے ترتیب)

(۱۸) تین گنا

(۱۹) ...... بڑی پیاری ہوتی ہے ۔

(۲۲) رات گذری ...... کا تڑکا ہوا + ہوشیار اسکول کا

(۲۵) تین فٹ کا ایک ...... ہوتا ہے ۔

قواعد

(۱) تمام مدرسوں کے بچے حل کرنے میں حصہ لے سکتے ہیں ۔ استاد کی تصدیق ضروری ہے

(۲) ایک حل کے ساتھ ایک آنے کا ٹکٹ آنا ضروری ہے ۔

(۳) ایک سے زائد حل بھی بھیجے جا سکتے ہیں ۔

(۴) دونوں انعام تقسیم کر دئے جائیں گے ۔ قرعہ اندازی نہیں ہوگی ۔

(۵) تمام حل ۲۰ ر نومبر تک دفتر پیام تعلیم مکتبہ جامعہ دہلی پہنچ جانا چاہئے ۔

(۶) ایڈیٹر کا فیصلہ قطعی ہوگا ۔

(۷) لفافے کے بائیں کونے پر لفظ معما لکھ دیا جائے (۸) نام اور پتہ پورا اور صاف لکھو ۔

اکتوبر کے معمے کا حل

آپا جان

عزیز بچیو اور بچو!

سب سے پہلے تو میں تمھیں عید کی مبارک باد دیتی ہوں۔ اس دن تم کتنے خوش و خرم ہوگے۔ نا اچھلو کودو گے۔ مجھے تو اس کے خیال ہی سے غیر معمولی مسرت ہوتی ہے اور کیوں صاحب س دن تم اپنے دوستوں اور عزیزوں کو تحفے تحائف تو ضرور دوگے۔ اگر ایک تحفے میں پیام تعلیم نا سالگرہ نمبر دو تو کیسا رہے! ہے نا اچھی تجویز؟ مگر اس پر عمل بھی ہونا چاہیئے۔

میری تجویز تھی کہ اس سال ۲۹ راکتوبر کو مکتبے میں پیامیوں کا ایک جلسہ کیا جائے۔ساتھ ہی ان کے ہاتھ کی بنائی ہوئی چیزوں کی نمائش بھی ہو۔میں نے تو انتظام بھی شروع کر دیا تھا اور تمھیں اطلاع بھی دے دی تھی مگر عین وقت پر مجھے جامعہ کے ایک ضروری کام سے پونا جانا پڑا در یہ کام ملتوی ہوگیا۔کئی برس سے میری یہ خواہش ہے کہ میں اپنے پیامی بچوں سے ملوں۔ان سے مفید باتیں سیکھوں۔ انھیں کچھ اچھی اچھی باتیں بتاؤں، مگر جب ارادہ کرتی ہوں کوئی ایسی ہی بات سامنے آجاتی ہے۔ اب میرا ارادہ ہے کہ نومبر میں ایسا جلسہ کروں۔ مگر تاریخ ابھی نہیں بتاؤں گی۔ یہ بات خط و کتابت کے ذریعے طے ہوگی۔

اسکرشن کے انعامی مقابلے میں بچوں اور بچیوں نے کل گیارہ مضمون بھیجے ہیں ان میں مس جمیلہ عبداللہ کا مضمون سب سے اچھا ہے۔ جمیل الحق علی گڑھ کا نمبر دوسرا ہے۔

اب کے معمے کا حل کوئی ایک سو ساٹھ بچوں اور بچیوں نے بھیجا ہے ان بچوں کے حل صحیح ہیں۔

مشتاق احمد۔ کراچی	ملک مظفر احمد۔ لائل پور	سید محمد آصف علی۔ علی گڑھ
منظور الحسن آرہ (بہار)	مسعود الرحمن فرخ آباد	محمد سیف غلام خاں

یس احمد فاروقی میرٹھ
ید الغنی چمن (بلوچستان)
طان احمد اللہ والا۔ دہلی
یدار نمبر ۳۰۷۹
مان علی حیدر آباد
مراحمد حیدر آباد
فتاب عالم بھاگلپور (بہار)
سید عارف بشیر علی گڑھ
احتشام احمد ہاشمی جھانسی
اقبال احمد ورنگل (حیدر آباد)

سید احمد زبیر بھاگلپور (بہار)
محمد عماد الدین ستان پور (حیدر آباد)
خریدار نمبر ۲۹۱۵
مزمل الدین قیصر دھولیا
قدسیہ بیگم سیف آباد (حیدر آباد)
عبد الرافع ۳۶۵۱
اقبال محمد شفیع علی گڑھ
محمد الدین موحد بدایوں
اقبال قادری بدایونی (حیدر آباد)

انیس احمد چمپارن (بہار)
نصیر الدین حیدر۔ بریلی
حمید عمر بلند شہر
ارک وان گونڈا
ملک اسرار احمد خاں شاہجہانپور
ہاجرہ سلطانہ لودھیانہ
نعیم پاشا پرویز میرٹھ
احمد سعید علی گڑھ
عبد الرؤف کانپور

ان بچوں کے حل میں ایک غلطی ہے۔

رقیہ سلطانہ
محمود الرحمٰن خاں فرخ آباد
احسان الحق قریشی دہلی
احسن اشفاق نینی تال
خریدار نمبر ۲۴۹۶
منظور احمد بستی
محمد احسن حیدر آباد
سعیدیہ سلطانہ حیدر آباد
محمد سلطان میرٹھ
حسن خاں بریلی
یل یوسف حیدر آباد

محمد خورشید اقبال سہارنپور
عطاء الرحمٰن پھلواری شریف
ظفر الاسلام۔ اندور
اختر مرزا اجمیر شریف
مبین احمد مونگیر (بہار)
قمر الدین امراوتی (برار)
محمد محسن علی حیدر آباد
خریداری نمبر ۳۱۰۳ بیجاپور
غلام یزدانی حیدر آباد
محمد حسن سارن
راما نند گوہر سیالکوٹ

غازی الرحمٰن کوئٹہ (بلوچستان)
حمید اللہ بنارس
سید حسن زیدی شملہ
انیس الرحمٰن حیدر آباد
نصیر الدین حسن بریلی
مرزا سعید الدین احمد (بنارس)
رافیہ بیگم الہ آباد
شمیم قمر کانپور
تارا سنگھ جھنڈوارہ
خریدار نمبر ۱۵۶
محمد علیم نمبر ۱۵۸۶

محمد حنیف خاں پٹنہ
اختر حسین صدیقی علی گڑھ
شفیع احمد خاں پٹنہ
سید ظفر علی دہلی
مظہر علی علوی دہلی
محمد ظہور الحسن بہار
رام پال گونڈہ
سعید الزماں جعفری علی گڑھ
امان اللہ خاں سرحد
سید محمد ثقلین زیدی بجنور
محمد مغیث الدین کلکتہ
اسلم حسین گورکھپور
ایس تکے بارہ بنکی
جون وکٹر سنگھ گونڈا
محمد یوسف بلند شہر
علی انور سیف الدین حیدر آباد
فرید احمد آگرہ
محمد اظہار حسین دہلی
حبیب احمد صدیقی بدایوں
محمد منیر سیالکوٹ
خلیل عمر علی گڑھ
محمد غیاث الدین گیا (بہار)

عبد الجلیل عزیزی پٹنہ
زکیہ بیگم قاضیہ میرٹھ
منہاج محمد خاں ناگپور
علاء الدین احمد آگرہ
سید امیر حیدر رامپور
منصور الملک گونڈہ
محمد سنجار الرب کانپور
شعیب قریشی رامپور
محمد مسعود انصاری گلبرگہ
حافظ محمد سلیم الدین حیدر آباد
افتخار احمد انصاری اعظم گڑھ
محمد عزیز الدین لاہور
اختری بیگم فقیہ تھانہ
ابو محمد غوث محی الدین انصاری لکھنؤ
محمد ظفر مینپاور
علی احمد جمال الدین حیدر آباد
محمد مجیب الدین خاں۔ شیرکوٹ
محمد خلیل الرحمٰن قدوائی بارہ بنکی
حامد علی خاں درانی بستی
محمد ظہیر الدین مونگیر
حبیب احمد علی گڑھ
محمد مہدی انصاری لکھنؤ

محمد یحییٰ پٹنہ
خورشید مصطفےٰ زبیری دہلی
سید محی الدین احمد پٹنہ
الطاف فاطمہ بیگم لکھنؤ
شیخ مختار مسعود علی گڑھ
بشیر یوسف گونڈہ
عزیز الاسلام زبیری ایٹہ
عبد العزیز پٹنہ
احمد عبد العزیز [illegible]
ملک ابرار احمد شاہجہانپور
خورشید بیگم گوالیار
پروین نگار
روزلین سنگھ گونڈا
علی احمد خلیل جالندھر
سراج السالکین نئی دہلی
محمد عبد الحیٔ حیدر آباد
محمد میاں دہلی
عشرت ریحانہ میرٹھ
سید نظام الدین پٹنہ
اقبال احمد۔ امروہہ
شاہ عثمان احمد بارہ بنکی
ساجدہ لکھنؤ

معمے کی فیس میں نے کل ار رکھی ہے۔ اب یہ مسئلہ ذرا مشکل ہو گیا ہے کہ اتنے بچوں کو انعام میں کیا
[illegible]یز دی جائے۔ میں نے معمہ بنانے والے صاحبوں کے مشورے سے یہ بات طے کی ہے کہ ار و الا
[illegible]کن چھپوالوں اور کم انعام والے لڑکوں کو یہ ٹوکن بھجوا دوں۔ یہ بچے ایک آنہ کے ٹکٹ کی جگہ اپنے
[illegible]ل کے ساتھ یہ ٹوکن بھیج سکتے ہیں۔

ہاں ایک بات اور۔ ایڈیٹر صاحب کی خواہش ہے کہ تم سال گرہ نمبر کے بارے میں اپنی رائے
ضرور لکھو۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جو بچہ پوری آزادی مگر سلیقے اور تمیز سے اپنی رائے ظاہر کرے گا اسے
انعام دیا جائے گا۔

اس مرتبہ بھی میرے پاس بہت سی شاخوں کی روداد یں آئی ہیں۔ عزیزی حسن احمد قنوجی کا خاص
طور پر اصرار ہے کہ جلسے کی روداد، قطب کی پکنک کا حال اور ممبروں کے بارے میں ان کا اعلان ضرور
شائع کیا جائے مگر افسوس ہے کہ رسالے میں گنجائش بالکل نہیں ہے۔ ہاں اس موقع پر اتنا ضرور بتا دوں
کہ عزیزی حسن احمد نے جو اس سال دہلی کی پیام برادری کے سکریٹری تھے اپنی برادری کو بڑھانے اور
ترقی دینے میں بہت محنت اور دل سوزی سے کام کیا۔ میں اپنی اور تمام پیامیوں کی طرف سے ان کا
شکریہ ادا کرتی ہوں۔ مجھے امید ہے کہ آیندہ سکریٹری ان کی مثال سے سبق لے گا اور اپنی محنت اور
جفاکشی سے اس کام کو اور آگے بڑھائے گا۔

اچھا اب رخصت

تمہاری آپا جان

جن بچوں اور بڑوں نے اگست کے انعامی مقابلے کے لئے کہانیاں لکھ کر بھیجی ہیں وہ تعداد میں چونکہ بہت زیادہ ہیں یعنی
بیاسی (۸۲) - اس لئے جانچنے والے صاحب انھیں پورے طور پر جانچ نہیں سکے ہیں۔ ایڈیٹر صاحب کو افسوس ہے کہ
اس پرچے میں نتیجہ شائع نہ ہو سکا اب وہ خط کے ذریعے ان لوگوں کو اطلاع دے دیں گے جن کی کہانیاں مقابلے میں آگئی ہیں
اور جلدی ہی باقاعدہ نتیجہ شائع کریں گے۔ "منیجر"

[illegible] ٹوکن بیچے بھی جائیں گے۔ ایک روپیہ میں بیس۔ جن بچوں یا شاخوں کو منگوانا ہوں وہ صر[illegible]
[illegible] منگوالیں۔

Regd. No. L. 196

اونچے درجے کے پڑھے لکھے

تعلیمی تاش جیسا اسکول کے لڑکوں اور معمولی تعلیم یافتہ لوگوں میں مقبول ہے
ہی اونچے درجے کے پڑھے لکھوں میں پسند کیا جاتا ہے۔

تعلیمی تاش کے کھیل میں کبھی آپ قہقہہ لگائیں گے اور کبھی آپ سنجیدہ بن جائیں گے
ساتھ کھیلنے والے پر آپ کو رشک آئے گا اور کبھی اپنا شاندار ہاتھ بن جانے پر
آپ کو بے حد مسرت ہوگی۔

تعلیمی تاش ایک عجیب کھیل ہے، اس میں علم کی خوبیاں اور کھیل کی دلچسپیاں
جمع کی گئی ہیں، ابھی ایک تاش منگائیے کھیلنے کے قواعد کی کتاب ہر بکس کے ہمراہ
بھیجی جاتی ہے

قیمت فی بکس بڑا سائز [illegible] اردو انگریزی [illegible]، اردو [illegible]، ہندی [illegible]
چھوٹا سائز، اردو [illegible]، انگریزی [illegible]

مکتبہ جامعہ دہلی